ذخیرہ نمبر ۳۶۸
دار العلوم رجسٹرڈ

مُصنّف کی دیگر کتُب

القاہرہ	۱۵/۰۰
بحری عقاب	۱۴/۰۰
بغداد	۱۲/۰۰
اطلس	۱۲/۰۰
ہمایوں	۱۲/۰۰
مدینۃ الیہود	۱۲/۰۰
اشبیلیہ	۱۲/۰۰
شہزادی	۱۰/۵۰

Marfat.com

پاکستان کا سٹالن گراڈ

ایک تاریخ ——— ایک ناول

محمد سعید

Marfat.com

مقبول اکیڈمی

ادبی مارکیٹ — چوک انارکلی — لاہور

جملہ حقوق محفوظ

طبع دوم ——— سنہ ۱۹۷۱ء

اہتمام ——— ملک مقبول احمد

مطبع ——— شاہنواز پریس لاہور

قیمت ——— اڑتالیس روپے

مقبول اکیڈمی، لاہور

Marfat.com

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا

تیرے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

حکیم مشرقؒ

Marfat.com

فہرست

پہلا باب	سپارٹا کی ماں!	۹
دوسرا باب	"تاجدار"	۱۷
تیسرا باب	ہاسٹل	۲۳
چوتھا باب	"فریدہ"	۳۲
پانچواں باب	کرنل عباسی	۳۶
چھٹا باب	ٹیلی فون پر	۴۱
ساتواں باب	ننگ بوس دیوار!	۴۹
آٹھواں باب	جاگ اُٹھا ہے سارا وطن	۵۹
نواں باب	"بدگمانیوں کا پٹارہ"	۶۵
دسواں باب	"ساتھیو، مجاہدو!"	۷۵
گیارھواں باب	راوی کے کنارے	۸۷
بارھواں باب	حوالدار ہردیال	۱۰۲
تیرھواں باب	دلفریب جزیرے	۱۱۴

Marfat.com

چودھواں باب	"سی۔ ایم۔ ایچ"	۱۲۵
پندرھواں باب	آئینۂ ایام	۱۳۷
سولھواں باب	قیامت کی رات	۱۵۴
سترھواں باب	"جئے ہند!"	۱۶۴
اٹھارھواں باب	کمانڈر کاہار	۱۸۵
انیسواں باب	"ٹاٹا!"	۲۰۶
بیسواں باب	آخری وار	۲۱۶
اکیسواں باب	"کیپٹن، خدا حافظ!"	۲۳۳
بائیسواں باب	"تہ بال و پر ماست!"	۲۶۴
تیئسواں باب	فریدہ کے ساتھ	۲۶۲
چوبیسواں باب	اقوام متحدہ	۲۷۷
پچیسواں باب	معلق تلوار	۲۸۷
چھبیسواں باب	"نمازی"	۳۰۳
ستائیسواں باب	"سینز فائیر"	۳۱۱

Marfat.com

پہلا باب

"سپارٹا کی ماں"

یکم ستمبر کی ٹھنڈی میٹھی آدھی رات، سرحد پر آباد گاؤں کے بھیگے، بوجھل سکوت، دھان کے نوخیز کھیتوں کی پرکیف مہک اور تاروں کی خورگوں جھلملاہٹوں میں لپٹی۔ وہ چین کی نیند سو رہی تھی کہ ایک ناگہانی گولے نے اچانک پھٹ کر اسے ڈراؤنے خواب کی طرح جھنجھوڑ ڈالا۔

یوں لگتا تھا جیسے گولا سچ مچ دیوار کے پار گلی میں آگرا ہو۔ وہ بزعم خود چیخ مار کر اُٹھ بیٹھی۔ اُبّا کا بستر خالی تھا۔ اس نے بیتابی سے آنکھیں ملیں۔ پھر اس کے ہاتھ چارپائی کی پٹی پہ جا پہنچے۔

اس نے لرزتے ہاتھوں سے چادر ایک طرف سرکائی۔ بندوق غائب تھی اور اس کے ساتھ ہی موتی — ان کا وفادار السیشن — بھی!

وہ دروازے کی طرف لپکی۔ دس بارہ گز دور، اس کا شیر دل باپ، شکاری بندوق تانے نہ جانے کس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اس کے مضبوط، بوڑھے بازو سے لپٹ گئی اور ابھی اس کی تاریکی سے مانوس بھی نہ ہو پائی تھیں کہ خطرے کی تیز بو یاس نوکیلے تیروں کی طرح نس نس میں چبھنے لگی۔

ایک مہیب سایہ غول کی طرح اُبھرا اور عجیب الخلقت رُوپ دھارتا بڑھتا چلا آیا پھر پہاڑ سی کالی دیوار بولنے لگی۔ یہ مُسلح بھارتی دستے کے ایک سپاہی کی آواز تھی۔ وہ باپ بیٹی کو سٹین گن کی زد میں لئے کھڑا کہہ رہا تھا۔ "بندوق پھینک دو"۔

"جیتے جی ــــ ؟" اس کے باپ کی جانی پہچانی آواز یکسر بدل چکی تھی۔ جوان، گونجدار آواز۔ پھر اس نے ابا کی بندوق کا دہانہ اپنی طرف مڑتے دیکھا۔ اس کا باپ بڑے خلوص سے کہہ رہا تھا! "فریدہ ــــ عزت پر قربان ہونے کا وقت آگیا ہے"۔

لیکن انسانی شرف سے محروم دشمن نے ایک خود دار باپ کو اپنی جوان۔ اکلوتی بیٹی پر گولی چلانے کی مہلت نہ دی اور وہ اپنے سینے پر گولی کھاتا، ڈگمگاتا، آہستہ آہستہ نیچے جھک ہی رہا تھا کہ عقب سے ایک اور گولی سنسناتی ہوئی آئی اور بھارتی سپاہی ایک نعرہ تیخ کے ساتھ ڈھیر ہو گیا۔

فریدہ مبہوت کھڑی سوچ رہی تھی کہ اسے یوں لگا جیسے کوئی نرم، گرم ہاتھ اس کا کندھا تھپتھپا رہا ہو، جان بچاؤ!

زندگی کی اس اندھی امنگ میں انتقام۔ دشمن سے انتقام کے جذبے کی آواز بہت اونچی تھی۔ اس نے ابا کی بندوق اُٹھائی اور دھان کے کھیت کی طرف سرکتے وقت "روبٹ" پر اس کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔

پہلے گولے کی آواز سنتے ہی گاؤں کے جیالے محافظ، رائفلیں اور بندوقیں سونتے اہم ناکوں اور چھتوں پر مورچے لگا چکے تھے۔ گذشتہ اٹھارہ برس سے سرحد پر رہتے رہتے وہ اپنی عزت کو محفوظ رکھنے کے طریقے سیکھ چکے تھے۔ ان کا خیال تھا "بھارتی رینجرز" کی کوئی ایک آدھ کمپنی معمول کے مطابق انہیں ہراساں کرنے آئی ہے۔

ان کی گولیوں کے جواب میں دشمن نے بیدریغ گولہ باری شروع کر دی، آن کی آن میں گاؤں پر موت کا رنگ تیز اور گہرا ہو گیا۔ چند لمحے پہلے جس جگہ امن اور اطمینان

Marfat.com

ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر رہے تھے، وہاں شعلے بھڑک اُٹھے۔ پھر ذرا دیر بعد ہولناک سناٹا چھا گیا۔

دھان کے کھیت میں دَم سادھے چھپی ہوئی فریدہ اپنے آس پاس سرسرانے دلے چند اور سانسوں کی رقابت محسوس کر کے تڑپ اُٹھی۔

اس کا خاندان پشت ہا پشت سے گاؤں کے مسلمانوں کی رہبری کرتا چلا آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے خود اس کا اپنا باپ بھی یہی موروثی فرض ادا کرتے وقت وطن کے جانباز سپاہی کی طرح میدان میں کام آچکا تھا۔

قیادت کی اِن دیرینہ روایات سے مسلح ہو کر وہ بانس کی تیز، نوخیز، نوکیلی کونپل کی طرح پھوٹتی، کھیت کے سینے سے اُبھری اور اس کا کشیدہ قامت سایہ دیکھ کر گاؤں کی بچی کھچی عورتیں اور لڑکیاں۔ جو ابھی تک جان کے خوف سے چھپی بیٹھی تھیں — اس کے اردگرد جمع ہو گئیں۔

رات کے سناٹے میں اس کے شہید باپ کی آواز بدستور گونج رہی تھی! فریدہ۔ عزت پر قربان ہونے کا وقت آگیا! اور اس کے ساتھ ہی اُس نے عورتوں کے بہتے قافلے کا رُخ آبائی گاؤں کی طرف موڑ دیا۔

بھارتی توپ خانے نے چپے چپے پر گولے پھینک کر اس مردم خیز گاؤں میں جو "کھیت" تیار کیا تھا اس میں قدم قدم پر جوان بھائیوں، بیٹوں، خاوندوں اور عزیزوں کی لاشوں کے بکھرے ہوئے بیج دیکھ کر فریدہ نے غمگین خواتین کے دِل گرمائے۔

"ہمارے وارث ترکے میں جو بندوقیں چھوڑ گئے ہیں۔ ان پر قبضہ جماؤ اور ان کی لاشوں کے ساتھ بیٹھ کر اپنے رنگین کھیتوں کی رکھوالی کرو۔ یاد رکھو! تمہاری قربانیاں آنے والی نسلوں کے چہرے پر غازے کی طرح دمک اُٹھیں گی۔"

ان کے شوقِ شہادت کی بیتابیوں کو دیکھ کر، سپارٹا کی اس محبِ وطن یونانی ماں کا

Marfat.com

سرندامت سے یقیناً جھک گیا ہوگا جس نے اپنے سات جوان بیٹوں کے مرنے کی خبر سن کر بھی بڑے صبر و سکون سے پوچھا تھا: "قاصد! میں اپنے بیٹوں کی خیریت دریافت کرنے کے لیے شہر کے باہر شاہراہ پر نہیں آ بیٹھی مجھے تو صرف یہ بتاؤ کہ میری قوم کو فتح حاصل ہوئی یا نہیں؟"

رائفل اور بندوق کے گھوڑوں پر کام کرتے کرتے اِن محبِ وطن خواتین کی انگلیاں صرف اس وقت رکیں جب گولیاں اور کارتوس ختم ہو گئے اور صرف سامنے ہی سے نہیں، عقب سے بڑھنے والے ٹینکوں کی آواز قریب سے قریب تر سنائی دینے لگی۔

فریدہ نے چاروں طرف سے یکساں چھا جانے والے طوفان کا جائزہ لیا اور اِس کے ہونٹ شہید باپ کے آخری فقرے کے بوجھ سے تھرتھرانے لگے: "بہنو— عزت پر قُربان ہونے کا وقت آگیا!"

عقب سے آنے والے، سیالکوٹ گیریژن" کے ٹینک ذرا دور رک چکے تھے۔ تاروں کی روشنی میں ایک پچیس سالہ کیپٹن نیچے اُترا اور موتی کو خون میں شرابور دیکھ کر اس پہ دیوانگی سی طاری ہو گئی۔ وہ کئی لمحوں تک دم بخود کھڑا چاروں طرف دیکھتا رہا۔ پھر فریدہ کے گھر کا دروازہ بہت بڑے مقناطیس کی طرح اسے اپنی طرف کھینچنے لگا۔

اس کے ذہن پہ لاکھوں اندیشوں کا طوفان چھا رہا تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد اس نے لاش سے ٹھوکر کھائی۔ نیچے جھکا اور بیتابی سے لرزتا ہوا ہاتھ بوڑھے شہید کے دِل پر رکھ دیا۔ اس کا جسم وطن کی نمناک مٹی کی طرح سرد تھا، کیپٹن نے اس کا زمین کی طرف جھکا ہوا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اُوپر اُٹھایا اور اسے پہچاننے کے بعد، ہزار کوشش کے باوجود اپنی آہ ضبط نہ کر سکا۔

لمحے بھر کے لیے فریدہ اس کے ذہن سے نکل گئی۔ اس کا اُنیس سالہ اردلی جبیر— نذیر— اس کے نقشِ پائے ٹھون آن پہنچا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ یہ چند خاموش لمحے، اس گاؤں میں ان کے بیس سالہ ماضی سے زیادہ طویل ثابت ہوئے۔ پاکستان

Marfat.com

کور کے کیپٹن صادق اور جواں سال گنر نذیر کی زندگیوں کے یادگار لمحے ذرے ذرے سے جھانک رہے تھے۔

ذرا ریر بعد کیپٹن نے جیر کی مدد سے محاذِ سیالکوٹ کے پہلے شہید کو فوجی اعزاز کے ساتھ بے غسل و کفن دفن کر دیا۔

○

دھانی کھیت کے کنارے ایک اور ٹینک سرحد کی طرف رُخ کئے خاموش کھڑا تھا۔ اس پر لگی ہوئی توپوں کے دہانے مشتاق، مضطرب آنکھوں کی طرح، سیالکوٹ کے اُفق پر چھائی ہوئی تاریکیوں کو ٹٹول رہے تھے۔

اس ٹینک کو چھو کر آنے والے ٹھنڈے جھونکوں میں کیپٹن صادق کے ایثار، خلوص اور شجاعت کی مہک رچی بسی تھی۔ فریدہ کو یوں لگا جیسے خود صادق اس کے سامنے اداس کھڑا ہے۔ دیہاتی دوشیزہ کے دل میں لاکھوں خیال لاوے کی طرح کھولنے لگے۔ طرح طرح کے خیال، امیدیں، اندیشے۔ جن میں اب بہت سے ارمان اور کچھ حسرتیں گھل مل گئی تھیں۔

وہ اپنی دانست میں جھنپتی، شرماتی، دروازے پر پڑے ہوئے پردے کی آڑ لیتی، صادق کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف بھاگ رہی تھی۔ لیکن بیداری کے اِس البیلے خواب کا طلسم ٹوٹنے پر اس نے اپنے آپ کو ٹینک کے اور زیادہ قریب پایا۔

اس ٹینک اور کیپٹن صادق کی وردی کی بہت سی نشانیاں ایک جیسی تھیں۔ اپنی زندگی، مستقبل — پورے گاؤں کے مستقبل پر اس کا اعتماد بحال ہونے ہی لگا تھا کہ ایک بے ترتیب آہٹ نے سکوت دامن پر شکنیں سی بکھیر دیں اور وہ پوری طرح ٹینک کی آڑ لینے بھی نہ پائی تھی کہ ایک دفعدار اس سے چند گز دُور رک گیا۔ وہ کہہ رہا تھا! "آپ

Marfat.com

لوگ یہاں کھڑے کیا کر رہے ہیں ؟" پھر اس نے دوسری عورتوں کی طرف اشارہ کیا۔
"انہیں ساتھ لے کر فوراً چلی جائیے — سیالکوٹ!"

فریدہ نے اطمینان کا سانس لیا — پہلا، طویل سانس۔ زندگی کے تعاقب میں سیالکوٹ، جانے سے پہلے وہ باپ کا آخری بار منہ دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ صرف اس شہید ہی کو نہیں، اپنی آرزوؤں کو بھی اسی گاؤں میں دفن کرنا چاہتی تھی۔ اس نے بڑی عاجزی سے التجا کی "میں یہاں چند لمحے اور نہیں گزار سکتی ؟"

"نہیں!" فرض شناس دفعدار کے کورے جواب نے وقت کے نشیب و فراز سے ناآشنا، بے نوا دوشیزہ کو مایوسی کی بیکراں خلیج کے کنارے پر پہنچا دیا۔ اس کی آواز قدرے تلخ ہو گئی "اگر میں جانے سے انکار کر دوں تو ؟"

"یہ ہمارے کمانڈر کا حکم ہے!"

فریدہ کے پپڑائے ہوئے ہونٹ مسکرانے لگے۔ اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں اور وہ اپنی ایک مٹھی میں نم آلود، نرم مٹی کا ڈھیلا محسوس کرتے ہی سنبھلی۔ یہ ہمارے کمانڈر کا حکم ہے۔ وہ سوچنے لگی! جس کمانڈر کا باپ محاذِ جنگ سے کالے کوسوں دور، کسی محفوظ مزین کمرے میں پڑا چین کی نیند سو رہا ہو۔ وہ اس لڑکی کی بدنصیبیوں کا کیسے اندازہ لگا سکتا ہے۔ جس کے باپ کی آنکھیں بند ہوتے ہی ہمدرد، آباد، مسرور دنیا تاریک ہو گئی تھی!

وہ اپنی ٹھنڈی آہ ضبط نہ کر سکی "صرف چند لمحے اور — میں ابا کی لاش پر مٹی کی چادر اور آنسوؤں کے دو پھول چڑھاتے ہی چلی جاؤں گی!"

"یہ کام ہم پر چھوڑ دیجیے۔"

لمحے بھر کی خاموشی میں فریدہ کی بے چین انگلیاں نم آلود مٹی کے نرم ڈھیلے کو ٹٹولنے لگیں۔ پھر اسے یوں لگا جیسے وہ بے اختیاری کے عالم میں ٹینک پر

Marfat.com

"فریدہ" لکھ چکی ہو۔

کسی کی آہٹ پاتے ہی دفعدار اور فریدہ نے ایک ساتھ سامنے نگاہ ڈالی۔ کیپٹن صادق اپنے ذہن پر چھائے ہوئے دھندلکوں میں ڈوبتا اور اُبھرتا چلا آرہا تھا۔

فریدہ کے دِل نے کہا! ہمت کرو۔ آگے بڑھو اور کہہ دو۔ میں ابّا کا منہ دیکھنا، انہیں دفن کرنا چاہتی ہوں۔ میرا سب کچھ — نقدی، زیور، خاموش، انمول یادیں۔ تصویریں — اور بر قعہ بھی گھر میں پڑا ہے۔ میں اپنی چیزیں سمیٹنے سے پہلے پوچھنا چاہتی ہوں، میں کہاں جاؤں۔!

لیکن خاندانی شرف اور نسائی وقار پہاڑ کی طرح اچانک اُبھر کر اس کے آڑے آگئے، اسے سوچ میں غلطاں دیکھ کر دفعدار نے رک رک کر کہا "خُدا کے لئے چلی جایئے، "پھر اس نے کیپٹن کی طرف اشارہ کیا! "وہ ہم سب پر ناراض ہوں گے۔"

فریدہ نے باری باری کیپٹن صادق اور دفعدار کو دیکھا "میری طرف سے اپنے کمانڈر کو یاد دلانا، بھارتی سپاہیوں کے ناپاک قدم شاعرِ مشرق کے سیالکوٹ کی طرف بڑھ رہے ہیں، اس مردِ قلندر کے مولد و مسکن کی طرف جس نے پاکستان کا خواب دیکھا تھا۔ اس کی شرر بار شبنیہ آہوں نے "لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند" ایک ایک ذرے کو آفتاب بنا رکھا ہے۔ سنیئے! میرے وطن کی فضاؤں میں ابھی تک اس کا پیغام گونج رہا ہے۔ ؎

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
تیرے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

وہ چند لمحے پہلے دوپٹے کے جس پلو سے ٹینک پر لکھا ہوا نام مٹا دینا چاہتی تھی اسی میں منہ چھپاتی، دھان سے گھری ہوئی پگڈنڈی کی طرف چل دی — اور لاج کی ماری اپنے منگیتر کے کندھوں پر دو کی بجائے تین پھول دیکھنے کی بیتاب خواہش بھی پوری نہ

نہ کر پائی حالانکہ پچھلے کئی روز سے، جب سے اس نے رَن کچھ سے ترقی کا تار بھیجا تھا، وہ صرف اسی اُمید کے سہارے جی رہی تھی۔

ذرا دُور منتظر کھڑی ہوئی عورتوں تک جاتے جاتے اس کے شعور میں جذبات و احساسات کے لاکھوں طوفانی کوندے لپکے اور نور کے تیز رفتار دھاروں کی طرح سیالکوٹ کی فصیلوں تک موجیں مارتے چلے گئے، سیالکوٹ، اِس کے مستقبل کی پہلی منزل!

اور وہ ہم وطن خواتین کے خاموش، خوفزدہ قافلے کی مہار تھامے بڑی شان سے روانہ ہو گئی۔

Marfat.com

دوسرا باب

"تاجدار"

"سیالکوٹ گریزن" کے آٹھ سیٹن ٹینکوں پر مشتمل مختصر سے دستے کا کمانڈر کیپٹن صادق اپنا فولادی خود پیچھے کو سرکائے، جیبوں میں ہاتھ ڈالے، حیرت کی تصویر بنا اس بے ترتیب، نہتے قافلے کو کھڑا دیکھ رہا تھا۔ کیا — فریدہ بھی اس میں شامل ہوگی؟

اپنی زہر آلود مسکراہٹ کی تلخی سے ہم آہنگ ہوتے وقت اس کے ہونٹوں پر ایک اور آہ سرد لرز اٹھی۔ آہیں اور انتظار۔ جس سپاہی کو اپنی اکلوتی تمنا — فریدہ — کا سایہ دیکھے بھی برس بیت چکے تھے۔ تقدیر کی جھولی میں اس کے لیئے آہوں اور طویل، تلخ انتظار کے سوا اور تھا ہی کیا؟

وطن کے افق پر ہولناک طوفان کے تاریک گردالوں میں فریدہ کا سراغ لگاتے وقت اس کا ذہن شل ہوگیا۔ ذرا دیر بعد سرحد کی نندا سی ہوئی فضاؤں میں پرواز کرنے والے "ہنٹر" کی آواز اس کے خیالوں میں خلل ڈالنے لگی۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ ہنٹر کا رخ سیالکوٹ کی طرف تھا۔

وہ سوچنے لگا! لڑاکے طیارے کا دشمن ہوا باز، نہتی عورتوں پر قیامت توڑنے میں کونسی کسر چھوڑے گا؟ وہ ٹینک کی طرف لپکا اور اس میں بیٹھے ہوئے وائرلیس آپریٹر نے

Marfat.com

رسیور کی طرف اشارہ کیا! "بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز ــــ!"

کیپٹن صادق نے رسیور منہ سے لگایا! "تاجدار"! یہ اس کے زیرِ کمان دستے کا خفیہ نام تھا۔

"ہیلو، تاجدار ــــ!" بریگیڈ کمانڈر کہہ رہا تھا! "یہیں رک کر دوسرے حکم کا انتظار کرو ــــ"

آپریٹر کو رسیور لوٹاتے وقت اسے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔ ہنٹر کی آواز ابھی تک فضاؤں میں تھرتھرا رہی تھی۔ اس کی نظریں قافلے پر جم گئیں ــــ جسے طیارے کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لیے، پچھلی رات کی دم توڑتی ہوئی تاریکیاں ایک بھرپور آخری سمجھا لے رہی تھیں۔

اس نے افسروں اور جوانوں کو بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز کے حکم سے آگاہ کیا اور ضرورت کے مطابق نوکری پہرے لگاتا گاؤں کی طرف چل دیا۔

وہ جس گھر کے اندر گذشتہ بیس برس سے ہنستا کھیلتا، لکھتا پڑھتا اور پروان چڑھتا چلا آ رہا تھا۔ آج اس کی دہلیز پہچانتے وقت اسے اپنی آنکھوں نے قدم قدم پر ہزار ہزار دھوکے دیئے۔

یہی گاؤں تھا جس میں قدم رکھتے ہی موتی اس کی بُو پاتا، اچھلتا کودتا پاؤں میں آگرتا اور وہ اس سے باتیں کرتا گلی کا موڑ مڑنے بھی نہ پاتا کہ میاں جی ــــ فریدہ کے باپ ــــ کی محفل میں خوش باش دوستوں کے قہقہے گونج اُٹھتے۔ خوش گپیوں میں مگن میاں جی، اس پر سرسری نظر ڈالتے ذرا دیر کو چپ ہو جاتے۔ پھر اسے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھنے کے بعد رک رک کر کہتے! "وعلیکم السلام، ملک صاحب! سال بھر تک انتظار کرا کے عید کے چاند کی طرح چڑھتے ہو"

پھر جبر، گھر کے دروازے کو چوپٹ کھولتا، دیوانہ وار بھاگتا ہوا آتا اور اس کے

ہاتھ سے اٹیچی کیس لے کر ہنستا مسکراتا واپس چلا جاتا۔ جب وہ اسے دونوں ہاتھوں میں اچھالتا، صحن سے برآمدے کا رُخ کرتا تو کام کاج میں مصروف فریدہ کنکھیوں سے اٹیچی کیس کو دیکھتی۔ پھر اس کی سینکڑوں انجان، معصوم تمنائیں، نغموں سے معمور تاروں کی طرح بج اُٹھتیں اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنے آپ سے شرما جاتی۔

جیر کے ہاتھ ٹھنڈی میٹھی لسی باہر بھجوانے کے بعد وہ بے چینی سے ایک ایک پل گننے لگتی۔ پانچ سے نو — دس برس کی عمر تک پھیلا ہوا بچپن، اپنے یتیم، لاوارث ہمجولی — صادق کے ساتھ گزارنے کے بعد وہ اس کی آہٹیں بھی پہچان لیتی تھی۔

لسی کے اوپر نیچے دو تین گلاس پلوانے کے بعد میاں جی اسے اجازت دیتے! "اچھا بھئی — ذرا سا آرام کرنے کے بعد کھانا کھانے کے لیئے تیار ہو جاؤ۔ اب تم سے دسترخوان ہی پہ اطمینان سے باتیں ہوں گی۔"

اُدھر، باہر ہی باہر سے، صادق اپنے کمرے کی طرف سرکتا اور اِدھر، صحن میں محوِ انتظار بیٹھی ہوئی فریدہ اس کی چاپ سُن لیتی۔ وہ اپنے کمرے کی دہلیز پر رک جاتا۔ اندر سے چٹخنی کھٹکتی۔ جب سے "وہ" پردے بیٹھی تھی، چٹخنی کی اسی میکانکی آواز میں اسے خوش آمدید کہتی چلی آ رہی تھی۔

پھر لمحے بھر کے لیئے خاموشی چھا جاتی — اور جب اسے یقین ہو جاتا کہ وہ کمرے سے جا چکی ہے تو وہ دبے پاؤں اندر آتا اور قرینے سے رکھی ہوئی ایک ایک چیز، فریدہ کی ہنستی، مسکراتی آنکھوں کا روپ دیکھ کے اسے بے تابی سے تکنا شروع کر دیتی۔

لیکن بے رحم زمانے نے کیسی تیزی سے آنکھیں پھیر لی تھیں۔

وہ فریدہ کے کمرے میں پہنچ گیا۔ سنگار میز پہ سجی ہوئی چیزیں، الماریوں میں آراستہ کتابیں، مرگنی پہ لٹکتے ہوئے کپڑے، زیور، نقدی، چیک بک — ہر شئے بے نور آنکھوں کی طرح اسے گھورنے لگی — پورے گاؤں پہ یوں اچانک قیامت ٹوٹی تھی

کہ کسی کو کچھ ساتھ لے جانے کا ہوش ہی نہ رہا۔

وہ چونکا اور فوری ضرورت کی چیزوں کو سمیٹنے کے بعد اضطراب کے ساتھ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس اُمید پر کہ ان تاریک خاموشیوں میں، فریدہ کی آواز کی کوئی کمزور سی لہر کہیں سے بھٹکتی ہوئی اُدھر آنکلے۔ نہیں۔ گزرنے والے ہر لمحہ کے ساتھ یہ تاریکیاں گھنی اور گہری ہوتی چلی گئیں۔

میاں جی گاؤں میں دفن ہو چکے تھے۔ موتی مر چکا تھا اور فریدہ اپنے پیچھے کوئی نشان چھوڑے بغیر غائب تھی۔ اس کے دِل سے ہوک سی اُٹھی! فریدہ! تم کہاں ہو۔؟ بولو — کہیں ایسا نہ ہو کہ میں تمہاری آواز بھی نہ پہچان سکوں۔

حیران و پریشان کیپٹن صادق دریچے میں خاموش کھڑا مشرق سے پھوٹنے والے نور کے ان دھاروں کو دیکھ رہا تھا جو ظلمات کے صحرا میں اپنی وادیاں ڈھونڈتے پھرتے تھے۔

○

ذرا دیر بعد اجنبی ٹینکوں کی آواز سنتے ہی وہ اپنی پیٹی کستا اور سر پہ خود درست کرتا کمرے سے نکل کر ٹینک کی طرف بھاگا۔

"ٹرٹ" سے چپکے ہوئے گنر کی نظریں ان دھبوں پہ جمی تھیں جو ایک دوسرے کے پیچھے اُفق پر اُبھرتے چلے آرہے تھے۔

کیپٹن کے اشارے پہ ڈرائیور نے انجن سٹارٹ کیا اور وائرلیس آپریٹر نے دوسرے ٹینکوں کو خوشخبری سنائی "شکار — فوراً تیار ہو جاؤ!"

کمانڈر کا ٹینک ابھی ٹیلے سے خاصا دور تھا کہ تجربہ کار گنر نے اپنی "گن" کو تھپتھپایا

"جاگو!" اس وقت گن کے جاگ اُٹھنے کی آواز نوجوان کیپٹن کو فریدہ کی آواز سے کہیں زیادہ پیاری لگی اور وہ اس سے اپنی توجہ ہٹانے بھی نہ پایا تھا کہ ایک دشمن "شرمن" ٹیلے کے عقب سے اچانک اُبھر کر سامنے آگیا۔ دونوں کے بیر ایک دوسرے سے ٹکرانے ہی والے تھے کہ کمانڈر نے ڈرائیور کو دیکھا۔ اور اسی لمحے اس کا ٹینک پیچ و تاب کھاتا ان ہی قدموں پر پیچھے ہٹنے لگا اور کیپٹن کی توقع کے عین مطابق، ٹینکوں کی جنگ آداب سے بے خبر بھارتی کمانڈر کا ٹینک پورا چکر کاٹ کر پیچھے بڑھتے وقت ۹۰ ملی میٹر گن کی زد میں آگیا۔ گنر اس موقعے کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ پھر ایک شعلہ سا سنسناتا ہوا لپکا اور شرمن تنور کی طرح بھڑک اُٹھا۔

اس جلتے ہوئے شرمن کی اوٹ میں قدم جمانے کے بعد کیپٹن صادق نے اور کتنے ٹینک مارے؟ وہ اِن کی گنتی بھول گیا۔ جس شکار کے جال میں چاروں طرف سے شکار لگ رہا ہو۔ وہ اسے گننا ہمیشہ بھول جاتا ہے۔

اس کے اِرد گرد نیم دائرے میں جلنے والے ٹینکوں کے شعلے سورج کی روشنی میں ماند پڑنے لگے۔ دشمن بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگ نکلا۔ کیپٹن صادق نے رسیور پر ہاتھ رکھا۔ وہ اپنے دستے کو بھگوڑوں کے تعاقب کا حکم دینے ہی والا تھا کہ بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز سے آنے والے اندیشہ ناک پیغام نے اس کا رُخ دوسرے محاذ کی طرف موڑ دیا۔

میاں جی کی قبر اور فریدہ کے گاؤں کو غیر محفوظ چھوڑ کر کسی اور محاذ کو کوچ کرتے وقت اسے لمحے بھر کے لئے یوں لگا جیسے اس کا پگھلا ہوا دل، پسلیوں کی کمزور تیلیاں توڑتا پیچھے کو اُمڈتا چلا جا رہا ہو۔ لیکن وہ بہت جلد سنبھلا۔ رَن کچھ کا فاتح سپاہی، بدبخت دشمن کی نیت تاڑ چکا تھا۔

ہیڈ کوارٹرز کے مختصر، مبہم پیغام کی روشنی میں اسے سیالکوٹ کے اُفق پر

Marfat.com

چھایا ہوا طوفان بخوبی نظر آ رہا تھا۔ صرف ایک نہیں — کئی فریدیاؤں کے مستقبل تاریک ہونے والے تھے۔

اس روز ہیڈکوارٹرز نے اس کے قدم کسی محاذ پر ٹکنے نہ دیئے۔ اور پورے بارہ گھنٹے کے بعد جب اُفق سے ایک بار پھر تاریکیاں اُمڈ رہی تھیں۔ وہ "ٹرک" سے چپکا کھڑا سوچ رہا تھا! یہ ہیڈکوارٹرز والے آج ہمارے ساتھ کیا کر رہے ہیں؟

کاش! اسے معلوم ہوتا کہ سیالکوٹ کے پورے محاذ کی سلامتی انہی آٹھ ٹینکوں کی بروقت اور برق رفتار نقل و حرکت پر موقوف تھی۔ اس روز دشمن نے جس جس شگاف سے سر نکالا۔ "تاجدار" کے اِن آٹھ ٹینکوں کو پہلے ہی سے موجود پایا۔!

تیسرا باب

"ہاسٹل"

سیالکوٹ کے دریچوں سے جھانکنے والے دھندلکے بڑے اداس اور سہمے سہمے سے تھے!

گورنمنٹ کالج برائے خواتین کی پروفیسر مس رضیہ قریشی بجلی کا بٹن دبانے کے بعد کرسی کی طرف مڑی ہی تھی کہ اس کی نظریں دہلیز میں گڑی ہوئی غم پوش، غمگین تصویر پر جم گئیں۔

چند لمحوں کے لیئے دونوں خاموش، بے حس کھڑی نہ جانے کیا سوچتی رہیں۔ پھر والہانہ آگے بڑھیں اور ایک دوسرے سے لپٹ گئیں: "فری — اوہ، فری!"

وہ جس وارفتگی سے گلے ملی تھیں۔ ذرا دیر بعد اسی تیزی سے الگ ہو گئیں۔ فریدہ، ہاسٹل کے اس کمرے میں جہاں اس نے ہم جماعت سہیلی رضیہ کے ساتھ پورے چار برس گزارے تھے، بے مقصد گھورنے لگی۔ لیکن اس پر گڑی ہوئی رضیہ کی آنکھوں نے جھپکنے کا نام بھی نہ لیا۔

فریدہ کے گرد و غبار سے اٹے ہوئے چہرے پر آنسوؤں کی وادیاں گہری اور لمبی ہو گئی تھیں۔ بے ترتیب، خشک بالوں میں اُلجھے ہوئے تنکے، آنکھوں میں حیرت و حسرت،

Marfat.com

لباس پر جگہ جگہ کھیتوں کی نرم، چکنی مٹی کے چاند اتے بڑے بڑے داغ اور بے پردہ!

جس ذہین، خوشحال طالبہ نے زندگی کی پہلی اور آخری خواہش — ایم بی بی ایس میں داخلے — سے صرف اس لیئے منہ موڑ لیا تھا کہ میاں جی پردے کے پابند تھے۔ اس کا برقعے کے بغیر ہاسٹل تک آجانا قیامت صغرا سے کسی طرح کم نہ تھا۔

رضیہ نے اسے کرسی پیش کی اور ہزار احتیاط کے باوجود خاموش نہ رہ سکی!

"خیر تو ہے؟"

"دشمن نے کل رات گاؤں پہ اچانک دھاوا بول دیا۔"

"میاں جی کہاں ہیں؟"

"گاؤں میں — دفن ہو چکے!"

اتنے بڑے صدمے کی موزوں تلافی سے معذوری کے شدید احساس نے رضیہ کو بات کا رُخ کسی اور طرف موڑنے پہ مجبور کر دیا! "اور میرے کیپٹن بھیا؟"

"ڈھینک لے کر عین وقت پہ پہنچ گئے تھے۔"

"انہیں معلوم ہے کہ اس وقت تم —!"

فریدہ نے نفی میں سر ہلا کر اس کی بات کاٹ لی۔ رضیہ دریچے سے باہر جھانکتے وقت رک رک کر کہہ رہی تھی "جانتی ہو! وہ تمہارے لئے کس قدر پریشان ہوں گے!"

"جانتی ہوں، جیا، جانتی ہوں۔"

رضیہ پہلی سہیلی تھی جو فریدہ کے مزاج کو سمجھنے کا بجا دعویٰ کر سکتی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی، میاں جی کی حسرتناک موت اور کیپٹن صادق کی پریشانی کے احساس نے باغ و بہار دوشیزہ کا چین لوٹ لیا ہے۔ اسے تنہا چھوڑ کر چائے لانے کے بہانے مس کی طرف جاتے وقت وہ تصور بھی نہ کر سکتی تھی کہ اس نے فریدہ کے

Marfat.com

متعلق بالکل غلط رائے قائم کی ہے۔

جس دُنیا میں موت کی دلدوز چیخوں کے سوا اور کچھ سُنائی ہی نہ دے۔ فریدہ اس میں جینے کا سلیقہ سیکھ چکی تھی۔

کل آدھی رات سے آج دِن ڈھلے تک بھارتی توپوں کے دہانوں سے سنسناتے ہوئے آتشیں گولے اس کے آگے پیچھے، دائیں اور بائیں گرتے۔ آگ اور خون کے سمندروں میں طوفان اٹھاتے رہے تھے۔ وہ دوسری بے شمار لڑکیوں، بوڑھی اور جوان عورتوں کے ساتھ دھان، مکی، کماد اور باجرے کے کھیتوں میں چھپتی پھری۔ موت سے نہیں، نامحرموں، دشمنوں کے ہتھے چڑھ جانے کے خوف سے۔

اِن پہاڑ سے اٹل، اعصاب لرزہ لمحوں میں اس نے ایک ایک سانس کے ساتھ سینکڑوں المیّے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور ہزاروں المیّہ افسانے اپنے کانوں سے سنے تھے۔ خود اس کی اپنی زندگی کتنا بڑا المیّہ تھی!

اس نے ایک بے اختیار ٹھنڈی آہ کے بعد اسی کمرے میں گزرے ہوئے چار برسوں کو آواز دینے کی کوشش کی۔ وہ ایک بار پھر "سال اوّل" کی خوش باش، غم سے ناآشنا "بدتمیز فری" بننا چاہتی تھی۔ سہیلیوں سے چھیڑ چھاڑ، ہاسٹل میں اودھم۔ اتھلیٹکس، ڈیبیٹ، ڈرامیٹک کلب اور فینسی ڈریس شو۔

اس کے سامنے چپ چاپ چائے کی پیالی رکھتے وقت رضیہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ ہاسٹل کی انمول یادیں فری کو فرحت پہنچانے میں کامیاب رہی تھیں۔ اس نے گنواروں کی طرح چائے کی چسکی لے کر فریدہ کو چائے کی پیالی اُٹھانے پر اکسایا اور چونکہ وہ "تاریخ کی پروفیسر تھی، اس لیئے اس کے دِل میں بڑا انوکھا سا خیال آیا! "فری! صرف تمہارے گاؤں پہ حملے کی کوئی خاص وجہ؟"

میرا گاؤں اتنا خوش نصیب کہاں — الہڑ ریلوے سٹیشن سے ہٹی منیدھرالی

Marfat.com

تمام پوری سرحد پر یکساں طوفان آیا ہے۔"

"پھر تو بڑی تباہی ہوئی ہوگی!"

"تباہی کی تباہی — باتیں سُن سُن کر دِل دھڑکنا بھول جاتا ہے۔ میرے قریب کھیت میں چھپی ہوئی کسی دوسرے گاؤں کی لڑکی کہہ رہی تھی۔ ہم چھ بہن بھائی صحن میں بے خبر پڑے سو رہے تھے کہ ایک گولہ زور سے پھٹا اور چارپائیوں سے اچھلتے وقت ہمیں ہوش ہی نہ رہا، ہم امن اور نجات کی طرف بھاگے چلے جا رہے ہیں یا دشمن کے مورچوں کی طرف!"

دوسری چسکی لیتے لیتے رضیہ کے ہونٹ بھنچ گئے۔ "میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ بڑی بوڑھیوں پر کیا بیتی ہوگی؟"

"قیامت —! ایک جوان بیٹی کو اس بات کا بڑا دُکھ تھا کہ گولوں کی برسات میں وہ اپنی بیمار بوڑھی ماں کا ساتھ نہ دے سکی اور اسے گوبھی کے کھیت کے کنارے جھونپڑی میں بٹھا کر بھاگ نکلی، یہ سوچ کر کہ گولوں کی برسات تھم جانے پر اسے سلامت نکال لاؤں گی۔ پر افسوس! اب تو مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ وہ جھونپڑی کس طرف اور کتنی دُور ہے!"

"فری کوئی اور بات کرو!"

فریدہ نے رضیہ کو دیکھا! تمہارے شہر سیالکوٹ کے سائے میں ایک پختہ عمر، آسودہ حال، تعلیمیافتہ خاتون کی باتیں سن کر تو خود میرے بھی رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ سرحد کے کسی خاصے مشہور قصبے کا نام لے رہی تھیں۔ بھارتی سپاہی بڑی بڑی لاریوں میں سوار، گرل سکول کے سامنے اچانک آ دھمکے اور استانیوں سمیت تمام لڑکیوں کو سمیٹ کر واپس چلے گئے۔!"

"میرا خون کھول اُٹھا ہے۔ چلو، تنیس میں بیٹھ کر کھانا کھائیں۔ جان پہچان کی

دوسری لڑکیوں سے مِل کر شاید طبیعت بہل جائے!"

"جیا، — میرے پاؤں ہی نہیں، رُواں رُواں پلپلے پھوڑے کی طرح دکھ رہا ہے۔ میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔ میرا بستر لگاؤ اور مجھے اُٹھا کر اس میں لٹانے کے بعد جگانے کی ہرگز کوشش نہ کرنا!"

"ارے — تمہیں کچھ کھائے پیئے بغیر نیند کیسے آئے گی؟"

"پانچ منٹ کے بعد کسی اچھے سے ڈاکٹر کو بلا کر میرے سرہانے بٹھانا، پھر پوچھنا! پورے آٹھ پہر کی بھوکی، بدنصیب فری اتنی گہری نیند کیسے سو گئی؟"

"گھبراؤ نہیں!" رضیہ نے اسے تھپکنے کی کوشش کی! "اب کے ہم دشمن کے ایک ایک وار کا پورا پورا حساب چکائیں گے۔!"

○

اور اگلے روز وہ دشمن کا حساب چکانے کے منصوبوں میں رنگ بھرتی ہاسٹل سے شہر کی طرف نکل گئیں۔

بسوں، کاروں، تانگوں اور سائیکل سوار بانکوں کی معمول کے مطابق ریل پیل اور قہوہ خانوں میں لتا کے گانوں پہ قہقہے۔ فریدہ کی حیرت کی کوئی حد نہ رہی۔ شہر کی فصیلوں سے ذرا دور، سرحد پہ، کل رات سے جو بیت رہی تھی، سیالکوٹ پر اس کا دھندلا سا سایہ بھی نہ پڑا تھا۔

صرف سٹی مسلم لیگ دفتر — بند دفتر — کے سامنے، چند بے خانماں عورتیں ہاتھوں میں سر تھامے خاموش بیٹھی تھیں اور پریشان حال مرد دفتر کے اردگرد ہتھیلی مکھیوں کی طرح بھنبھنا رہے تھے۔ اِن کی ٹوٹی پھوٹی چارپائیوں پہ میلے چکٹ بستر اور

Marfat.com

پچکے ہوئے گندے، گھناؤنے برتن متعفن نالی کے آر پار بکھرے پڑے تھے اور چھوٹے بڑے بچے بھوک سے بلک رہے تھے۔

فریدہ غیر ارادی طور پر اپنے دوپٹے کے چاروں پلو ٹٹولنے لگی۔ اسے بہت دیر بعد یاد آیا کہ وہ تو میاں جی سمیت اپنا سبھی کچھ یہاں سے بہت دور، گاؤں ہی میں چھوڑ آئی ہے۔

چلتے چلتے اس کے قدم رُک گئے اور وہ سوچنے لگی: وقت کے بے رحم تقاضے جن رفعتوں کی نشان دہی کر رہے ہیں۔ وہاں پہنچنے کے لیے یہ تن آسان، خود فہم، خود فریب قوم اپنی کمر کب کسے گی؟!

اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہی رضیہ تاڑ گئی، شہر کے ہنگاموں سے اس کی دلچسپی بڑھ گئی تھیں۔ رضیہ نے قریب سے گزرنے والا تانگہ روکا، فریدہ کا بازو تھام کر اس میں سوار ہو گئی اور کوچوان سے صدر چلنے کو کہا۔

فریدہ اسے گھورنے لگی "کیوں؟ وہاں کیا رکھا ہے!"

"تاج!"

اوہ — ان کی ہم جماعت سہیلی ممتاز، کرنل — اور اس کے ساتھ ممتاز کے باپ کا نام فریدہ کے ذہن سے سرک گیا۔

ذرا دیر بعد دیکھی بھالی کوٹھی میں قدم رکھتے ہی ایک ناقابلِ تشریح سکوت نے ان کی پیشوائی کی۔ ممتاز برآمدے میں گم سم بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی اور اس کی حیران و پریشان ماں سامنے کمرے میں ٹیلی فون پہ بار بار ہیلو کہلائے چلی جا رہی تھی۔

رضیہ اور فریدہ نے ممتاز کے سر پہ اچانک پہنچ کر اسے بدحواس کر دیا۔ اس بدحواسی میں اس کی امّی اور خود اس کی اپنی ذہنی الجھن کا بھی بڑا دخل تھا۔ وہ اخبار پھینک کر کھڑی ہو گئی۔ لیکن اسے کوئی سمجھ نہ آئی، وہ کیا کرے، اور لمحے بھر کی تنہائی بھی خاموشی

Marfat.com

کے بعد وہ اپنی پیاری سہیلیوں کو خوش آمدید کہنے کے بجائے ماں کی طرف دیکھنے لگی: "صبح سے اِس وقت تک تقریباً ایک ہزار جگہوں پہ ٹیلی فون کر چکی ہیں۔ ابّاجی کا کوئی پتہ نہیں چلا۔"

پورے گھر پہ برستی ہوئی دہشت دیکھ کر فریدہ اپنے غم بھول گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ ممتاز کے کندھوں پہ رکھ دیئے اور بڑے اعتماد سے مُسکرانے کی کوشش کی۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں، تاج! وہ جہاں بھی ہیں خیریت سے ہیں۔"

"تمہیں کس نے بتایا؟"

رضیہ نے فوراً ممتاز کو یاد دلایا! "اس کے منگیتر بھی محاذ پہ ہیں۔"

ممتاز چونکی اور مہمانوں کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے وقت اس کی نظریں فریدہ کے چہرے پہ جمی رہیں۔ "فری کے منگیتر — کون؟"

"کیپٹین صادق!"

"اوہ — ہاں! میں نے سوچ رکھا تھا کہ مٹھائی کھانے سے پہلے تمہارے ساتھ کوئی بات نہیں کروں گی۔ پر ہائے اللہ — کل شام سے پوری چھاؤنی ماتم کدہ بنی ہوئی ہے۔ جس طرف دیکھو۔ آنسو اور آہیں۔!"

"تم تو ناحق پریشان ہوئی جا رہی ہو، تاج!" فریدہ نے جی کڑا کر کے کہا! "خوش نصیب مائیں وطن کے محافظوں کو اسی روز کے لیئے جنتی ہیں۔"

"ایسی خوش نصیب ماں بننا تمہیں مبارک، مجھ سے تو اپنی امّی کی حالت نہیں دیکھی جاتی۔ اچھا کیا تم آ نکلیں، ورنہ میں تو پاگل ہو جاتی!"

"ہم ایک ضروری کام سے آئی ہیں۔"

ممتاز نے پہلی بار فریدہ سے نظریں ہٹا کر رضیہ کو دیکھا! آپ اور ضروری کام سے؟ ماشاءاللہ، فرمائیے!"

Marfat.com

رضیہ نے باری باری فریدہ اور ممتاز کو دیکھا، کئی بار دیکھا! "ہمیں کیپٹن صادق کی خیر خیریت دریافت کرنا ہے!"

"ذرا دم تو لو، جیا!" — ممتاز نے دماغ پہ زور دیتے ہوئے کہا "ابھی چند روز پہلے تو تم انہیں لیفٹیننٹ بتا رہی تھیں اور وہ غالباً رن کچھ میں تھے۔"

"بہت پرانی بات ہے۔ انہیں رن کچھ ہی کی خدمات کے صلے میں ترقی ملی۔ وہ کیپٹن کی حیثیت سے چمب کی فتح میں شریک تھے۔ اب سیالکوٹ گیریژن کے ایک آرمرڈ دستے کے کمانڈر ہیں اور سیالکوٹ کی سرحد پہ تعینات!"

"دیکھا!" فریدہ کو چھیڑنے کے خیال سے ممتاز نے رضیہ کی طرف رُخ کیا! کیپٹن سے منگنی کیساتھ ہی اسے کتنی فوجی اصطلاحیں یاد ہو گئیں۔ میری بات یاد رکھنا، جیا، اب یہ شادی کے فوراً بعد پاکستان آرمی کی تاریخ لکھنے بیٹھ جائے گی!"

رضیہ کی توقع کے مطابق غم و الم سے اٹی ہوئی کوٹھی کا ماحول بڑی موزوں، مسرور کروٹ لے رہا تھا کہ اس نے اچانک ٹھوکر کھائی اور نادانستگی میں ممتاز کو یاد دلایا! "فری کے ابا اِس جنگ کے پہلے شہید ہیں!"

ممتاز کچھ کہتے کہتے اچانک رُک گئی، لمحے بھر کے لیے فریدہ کو دیکھا، پھر رضیہ کو: تم نے کیا کہا — جیا؟

"میاں جی شہید ہو چکے!"

اس المناک خبر نے ممتاز کے ذاتی غم کو ناقابلِ برداشت بنا دیا اور اس کی نظریں دیوانہ وار اپنی ماں کی طرف اُٹھیں! "تو گویا کل سے جنگ کی جو افواہ اُڑ رہی تھی سچ نکلی؟"

"فری کی باتوں سے تو یہی ثابت ہوتا ہے"۔

ممتاز نے ایک دم ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر رضیہ کو خاموشی کا اشارہ کیا۔ اپنی ماں کی حالت نے اسے میاں جی کی تعزیت کرنے کا بھی موقع نہ دیا اور وہ حسرت

Marfat.com

بھری نظروں سے فریدہ کو تکنے لگی: "کہاں ٹھہری ہو؟"

"ہاسٹل میں!"

"یہیں آجاؤ — میرے پاس" ممتاز نے بڑے خلوص سے درخواست کی۔

"میں بڑی بے ڈھب سی تنہائی محسوس کرنے لگی ہوں"

رضیہ نے فریدہ کو دیکھا۔ اس کے خیال ایک بار پھر، سرحد پر آباد گاؤں میں بھٹکنے لگے تھے۔ وہ بولی "نہیں، تاج، فری کو ہاسٹل ہی میں رہنے دو۔ وہاں اس کا دل لگا رہے گا"

فریدہ کی کھوکھلی نظریں کسی خیال کے تعاقب میں ممتاز کی امی پر جم گئیں۔ وہ ٹیلی فون پر اپنے خاوند کی تلاش میں بدستور ایک ایک دروازہ کچھ بدحواسی سے کھٹکھٹا رہی تھیں کہ یہاں ایک پل اور بیٹھنا دوبھر ہو گیا اور وہ خاموشی سے برقعہ اوڑھنے لگی۔

ممتاز نے اسے روکنے کی کوشش کی "بیٹھو، چائے آرہی ہے، کھانا کھا کر جانا"

"اب ہمیں جانے دو، تاج" رضیہ فریدہ کے پیچھے دروازے کی طرف بڑھی "اگر ہو سکے تو شام کو ہاسٹل میں آجانا۔ اور ہاں اللہ کرے تمہیں اباجی کا پتہ مل جائے۔ ان سے کہنا، کیپٹن صادق سے ضرور ملیں، — کیپٹن صادق، آرمرڈ کور!"

Marfat.com

چوتھا باب

فریدہ

تیسرے روز کیپٹن صادق کو ایک بار پھر فریدہ کے گاؤں کی طرف کوچ کا حکم ملا۔ ہیڈ کوارٹرز نے اسے خبردار کر دیا تھا "ذرا خیال سے، تازہ ترین انٹلی جنس رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں دشمن ڈویژن ہیڈ کوارٹرز قائم کرنے والا ہے!"

جب کیپٹن صادق مورچے سے نکلا۔ سورج کی البیلی کرنیں اس کے ٹینک کی بلائیں لے رہی تھیں اور جبیر اس کے چھوٹے سے فولادی دریچے پہ نظریں جمائے کھڑا ہنس رہا تھا۔

کمانڈر کو سیلیوٹ کرتے وقت بھی اس کی نظریں وہیں جمی رہیں جہاں موٹے مٹیالے حرفوں میں "فریدہ" لکھا تھا۔

میاں جی کے خدمتگار، اپنے، ہمجولی اور وفادار اردلی، جبیر، کی اس پیاری شرارت کو ہنسی میں ٹالتے وقت وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا کیونکہ یہ جبیر نہیں۔ فریدہ کا خط تھا۔

اسے یوں لگا جیسے اِس نام کا ایک ایک حرف فریدہ کے مختلف روپ دھارے اسے پکار رہا ہے۔ لیکن اس کی پکار پہ لبیک نہ کہہ سکنے کا احساس۔ معاذ اللہ!

Marfat.com

وہ جیب سے رومال نکالتا آگے بڑھا اور ان مظلوم حرفوں کو، جو اب جانی پہچانی آواز کی جامد لہروں میں بدل چکے تھے، مٹا دینا چاہتا تھا۔ لیکن جیر چٹان بن کر آڑے آگیا۔ "کیپٹن!" اس نے کیپٹن صادق کو دیکھا۔ پھر رک رک کر کہا "گزرے ہوئے زمانے سے کٹ جانے کے بعد ہم اپنے آپ کو بھی نہیں پہچان سکیں گے۔"

کیپٹن نے رومال جیب میں ٹھونسا اور اسے ٹینک میں سوار ہونے کا اشارہ کیا! "جیر، تم نے زندگی میں پہلی مرتبہ کام کی بات کی۔"

جیر اس انوکھی شاباش پہ دل کھول کر ہنسا اور منزل معلوم کرنے کی بے تاب خواہش دبا نہ سکا! "کہاں — کیپٹن؟"

"اپنے گاؤں۔"

"اب وہاں کیا رکھا ہے؟"

"فخر ہند کاڈویژن ہیڈ کوارٹرز۔"

اس کے بعد جیر نے کچھ اور کہنے سننے کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس کا خیال ایک ہی جست میں گاؤں جا پہنچا اور آنکھیں گنوں اور گولوں کے ذخیرے پر۔

ذرا دیر بعد آٹھ ٹینکوں پر مشتمل "تاجدار" گرد و غبار اڑاتا روانہ ہو گیا۔

ٹینک میں چوکنے کھڑے "تاجدار" کی نظریں درختوں کے جانے پہچانے جھنڈوں، کھیتوں، پگڈنڈیوں، جھونپڑوں اور دیواروں پہ پھسلتی، افق کے پار دھنستی چلی جا رہی تھیں۔ بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز نے بالکل ٹھیک کہا تھا! شہرہ آفاق کماؤں۔ نو ۔کھا۔ انفنٹری کے ہراول دستے گاؤں کے قریب مورچے بنا رہے تھے۔ میدانی توپ خانوں، ٹینک شکن توپوں اور مشین گنوں کی چوکیاں قائم ہو چکی تھیں اور ایک مختصر سا آرمرڈ دستہ ان کی نگرانی کر رہا تھا۔

بدنصیب دشمن! کمانڈر کے دل نے کہا! وہ ابھی تک یہی سوچ رہا ہے کہ

Marfat.com

گاؤں میں پاکستانی محافظ موجود ہوں گے ۔ اس نے افسروں اور جوانوں کو خبردار کیا "درختوں کی آڑ میں!"

اور اس کے بعد صرف آٹھ ٹینک ہی گاؤں کے پرلے سرے پر نہ اُبھرے، قیامت نے بھی ان کے ساتھ سر اُٹھایا اور دیکھتے ہی دیکھتے بھارتی مورچوں میں ابتری پھیل گئی ۔

کمانڈر کو معلوم نہ تھا کہ گاؤں سے تھوڑی دور دشمن کا ایک پورا آرمرڈ بریگیڈ، کماؤں رجمنٹ، راجپوتانہ رائفلز، پنجاب لانسرز اور ۳ انڈین موٹر بریگیڈ کے یونٹ بھی پیش قدمی کے اشارے کا انتظار کر رہے ہیں — وہ اپنے ہراول کی پسپائی کی خبر سنتے ہی سیلاب کی طرح لہر در لہر آگے بڑھے ۔

"تاجدار" نے اِس طوفانِ بلاخیز کو جس پامردی سے روکا اور بار بار اس کا منہ موڑا، وہ پاکستان کی تاریخ کا ایک سنہری باب ہے ۔ اس روز کمانڈر اور اس کا شیر دل گنر جیری نہیں بلکہ دستے کا ایک ایک افسر اور جوان چٹان کی طرح نہ جانے کب تک دشمن کے سامنے جما رہتا۔ لیکن بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز کی نظریں بھی اِس محاذ کے نقشے پر تھیں۔ ٹینکوں کی ایک یادگار، شاندار جھڑپ کے بعد "تاجدار" اپنا مقصد پورا کر چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے نئے مورچوں کی طرف "فوراً پیچھے" ہٹ جانے کا حکم ملا ۔

اپنا رخ موڑتے وقت کمانڈر کو میاں جی کی قبر صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے دِل نے کہا! "صادق! اب اپنی مرضی کے مطابق اس گاؤں میں قدم رکھنے کے لیے تمہیں انتظار کرنا پڑے گا۔!"

فریدہ کے دروازے پر پہنچ کر اس نے ڈرائیور کو رفتار کم کرنے کا اشارہ کیا اینی گن "ان لوڈ" کرتے وقت جیر کے ہاتھ رُک گئے اور وہ سوالیہ نشان بنا کمانڈر کو دیکھتا

Marfat.com

رہ گیا۔

کیپٹن صادق، آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ٹینک سے اتر کر دہلیز پر پہنچ چکا تھا جبر نے مڑ کر دیکھا۔ دشمن کے طوفانی دستے آندھی کی طرح چڑھے چلے آ رہے تھے۔ وہ چلایا۔

"کیپٹن ــــ"

"صرف ایک منٹ!" کہتے ہی کیپٹن اندر چلا گیا اور جبر اسے گن سے "کور" کرنے لگا۔

اس نے فریدہ کی جن چیزوں کو تین روز پہلے الگ کیا تھا، انہیں سمیٹتے وقت "شرمنوں" اور "چرچلوں" کی پہلی رپورٹ بخوبی سنائی دے رہی تھی۔

وہ جیسے ہی دروازے سے نکل کر ٹینک کی طرف لپکا، ایک پوری آرمرڈ رجمنٹ کے "شکتیمانوں" نے اسے "فریدہ" سمیت زندہ گرفتار کرنے کی سر توڑ کوشش کی۔ لیکن جبر کی جرات کے سامنے کسی کی کوئی پیش نہ چلی۔ اور جب کمانڈر اپنے گنر کے ہاتھ کا سہارا لے کر اوپر چڑھ رہا تھا تو "فریدہ" فخر ہند کے شکتیمانوں میں پوری طرح گھر چکا تھا۔

"تاجدار" کا نائب کمانڈر باقی سات ٹینکوں کے ساتھ درختوں کے جھنڈ میں کھڑا اسی وقت کا بیتابی سے انتظار کر رہا تھا۔ پھر یوں لگا جیسے ایک ساتھ سینکڑوں اژدہوں کی آتشیں زبانیں لپکیں۔ گھن گرج، شعلے اور دھواں۔ اور ذرا دیر بعد جب کالے بادل چھٹنے لگے تو کیپٹن صادق "تاجدار" سمیت غول بیابان کی طرح غائب ہو چکا تھا۔

Marfat.com

پانچواں باب

کرنل عباسی

پانچ ستمبر کے سورج کی کرنیں ۱۰۴ بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز کی سیڑھیاں چومتی برآمدے میں سرک رہی تھیں۔

بریگیڈیئر خان اپنے دفتر میں گم سم بیٹھا کام کر رہا تھا۔ جموں سے جسڑ تک پھیلے ہوئے محاذ پہ دشمن کی بھرپور جارحانہ سرگرمیوں کی رپورٹ، جس کے ایک ایک لفظ میں سینکڑوں اندیشے کلبلا رہے تھے۔ اس کے سامنے تھی۔

اس نے سگریٹ سلگانے کے بعد ایک بے چین، لمبا کش لیا اور تمام کمانڈروں کو ٹیلی فون پر اطلاع دی! ..... رجمنٹل ہیڈ کوارٹرز میں میرا انتظار کرو!"

پھر لمحے بھر کے لیے اس نے محاذ کے نقشے پر نظر ڈالی اور بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز کو "سیکنڈ اِن کمانڈ" کے سپرد کرتا محاذ کی طرف روانہ ہو گیا۔

یکم ستمبر سے سرحد پر رہنے والے خانماں بربادوں کے جو قافلے حرکت میں آئے تھے ان کی رفتار، بے ترتیبی اور فراوانی میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا، عورتیں اور مرد، بچے اور بوڑھے سروں پہ گھر بھر کا بے ڈھنگا بوجھ اٹھائے ہانپتے کانپتے، ڈگمگاتے اور سنبھلتے، ناک کی سیدھ رواں دواں تھے۔ عمر زدہ مائیں ذرا دیر کے لیے معصوم، بلکتے

Marfat.com

ہوئے بچّوں کے ہاتھ جھٹک کر ان کے آنسو پونچھتیں، پھر انہیں کھینچتی، گھسیٹتی آگے نکل جاتیں۔

پہر بھر کی تپی ہوئی کرنیں تند، تلخ ہو گئی تھیں۔ درختوں کے درمیانی فاصلے پھیلتے اور ٹھنڈے گھنے سائے سمٹتے چلے جا رہے تھے، بارود کی تپش نے مشرقی ہواؤں کے مٹیالے آنچلوں میں آگ سی لگا رکھی تھی۔

شیشم کے ایک نیلے، پستہ قد جھنڈ میں بریگیڈیئر خان کی جیپ رکی ہی تھی کہ کرنل عباسی رجمنٹل کمانڈروں کی ایک مختصر سی صف کو "اٹینشن" کراتا آگے بڑھا اور بریگیڈ کمانڈر کو سیلیوٹ کیا۔

کرنل سے مصافحے کے بعد بریگیڈیئر خان نے کمانڈروں پر نگاہ ڈالی۔ اس میں زیادہ تر نوجوان، ناتجربہ کار افسر شامل تھے۔ پھر اس نے سب کو نیم دائرے میں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ان کے سامنے سگریٹ کی ڈبیوں کا انبار لگنے کے بعد ایک سگریٹ سلگایا! "وقت بہت تھوڑا ہے اور کام بے پناہ!" پل بھر کی خاموشی میں وہ بے مقصد اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ شاید دِل کی بات کہنے کے لئے موزوں الفاظ ڈھونڈ رہا تھا۔ "دشمن کی سرگرمیوں سے صاف نظر آتا ہے کہ وہ یہیں کہیں کسی شگاف سے نکل کر جی ٹی روڈ پر جھپٹنے والا ہے۔ اگر وہ کامیاب ہو گیا تو پھر راولپنڈی اور لاہور ایک دوسرے سے عرصے تک ہاتھ نہیں ملا سکیں گے!"

پھر اس نے ڈبیاں کھول کر ایک ایک کمانڈر کو سگریٹ پیش کئے اور اپنی بات جاری رکھی! "ممکن ہے۔ یہ اس کی کوئی چال ہو۔ لیکن اس محاذ کے کمانڈروں کی حیثیّت سے ہمیں دشمن کو روکنے کے سوا کچھ اور سوچنے کا کوئی حق نہیں۔ آپ لوگوں کی طرح میں بھی جانتا ہوں کہ ایک ایک انچ زمین پر دباؤ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ یہ طوفانی کمکیں صرف اسی کا حصّہ ہیں، ہمیں اللہ کی مدد اور اپنے بازو پر بھروسا کرنا ہوگا۔"

اس نے ایک ایک کمانڈر کا چہرہ ٹٹولا! "پاکستانی فوج اپنے محدود وسائل چھ سب جوڑیاں سیکٹر کے لیے وقف کر چکی ہے۔ وہاں سے ایک اینٹ کھسکانا بھی بے حد خطرناک ہوگا۔ اس لیئے تم جانو اور تمہارا کام، میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ پاکستان کا خواب دیکھنے والے محسن کے مسکن کی حفاظت ہمیں سونپی گئی۔ ہم اپنی خوش قسمتی پہ جس قدر ناز کریں، کم ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی وہ ایک دم اچھل کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ دیکھنے والوں کو یوں لگا جیسے بریگیڈیر خان کو بہت ضروری کام یاد آ گیا۔ لیکن حقیقت میں وہ نوجوان کمانڈروں سے اپنی بھیگی ہوئی آنکھیں چرانا چاہتا تھا۔ اب اس میں کچھ اور کہنے سننے کی تاب ہی نہیں تھی۔

پھر اس نے معاً پلٹ کر کمانڈروں کو دیکھا اور الوداعی انداز میں ہاتھ لہرایا۔

"دوستو، خدا حافظ!"

اپنے بریگیڈیر کے متعلق دل میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرنے والے کمانڈروں نے معمول کے مطابق سیلیوٹ کیا لیکن بریگیڈیر خان نے انہیں دیکھنے، جواب دینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ جیپ سے کچھ اِدھر پہنچ کر رک گیا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا اور کرنل عباسی کو ہاتھ کے اشارے سے متوجہ کیا! "میں دو تین چوکیاں دیکھتے ہی واپس چلا جاؤں گا۔ آپ بھی میرے ساتھ سیالکوٹ جائیں گے۔ تیار ہو جائیے!" کہتے ہی وہ جیپ میں سوار ہو کر چوکیوں کے معائنے کو روانہ ہو گیا۔

کرنل عباسی ذرا دیر خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کی نگاہ، محاذ کے سب سے کم عمر کمانڈر کیپٹن صادق پہ جا پڑی اور اس نے بڑی بے تکلفی سے مصافحہ کے لیئے ہاتھ بڑھایا: "تو گویا آپ ہیں آرمرڈ کور کے کیپٹن صادق، خالص پاکستانی فوج کی نئی پود کے پہلے خوش نصیب سپاہی جسے رَن کچھ کی امتیازی خدمات کے

Marfat.com

صلے میں ترقی ملی!"

"رَن کچھ تو مفت میں بدنام ہے۔" کیپٹن صادق مصافحہ کرتے وقت جھک گیا

"اصل میں میری ترقی کا نمبر آگیا تھا۔"

"اور چھمب کے معرکے میں شرکت کی سعادت؟"

"مجھے دیوآ کی مہم کو ادھورا چھوڑ کر یہاں آنا پڑا۔"

"بڑے حریص نوجوان ہو۔ گھبراؤ نہیں۔ یہاں تمہارا کوئی کام ادھورا نہیں رہے گا۔"

"ابھی تک تو دشمن ہماری توقعات پوری کرتا نظر نہیں آتا۔"

"یہ تمہارے میاں جی کی موت کا غم بول رہا ہے برخوردار! بھئی سچ پوچھو تو سیالکوٹ کے اس مخلص، محبِ وطن اور سرحد کے بوڑھے شیر کی شہادت کا سن کر مجھے بھی سخت دھکا لگا۔"

کیپٹن صادق اپنی حیرت چھپا نہ سکا اور ایک دم خاموش ہو کر اِس بے تکلف، باتونی افسر کا چہرہ ٹٹولنے لگا۔

"تم غالباً یہ سوچ رہے ہو کہ میں کون ہوں؟ لو، سنو! میاں جی کی صاحبزادی اور پروفیسر مس رضیہ قریشی کی ہم جماعت سہیلی تاج کا باپ۔ اس نے کل شام ٹیلی فون پہ بتایا کہ وہ تمہارے لیے سخت فکر مند ہے!"

بوڑھے سپاہی نے "وہ" کے لفظ کو میدانِ جنگ میں کچھ ایسی چابکدستی سے استعمال کیا کہ کیپٹن صادق جھینپ کر رہ گیا۔

کرنل عباسی نے ایک اور پیار بھرا چابک چڑکایا! "ارے بھئی، اس میں شرمانے کی کیا بات ہے! گو ہمیں ان منزلوں سے گزرے عرصہ بیت چکا۔ پر بیوی اور منگیتر کی درمیانی لذتیں ابھی تک ہونٹوں پہ منڈلا رہی ہیں۔" پھر اس نے سوچ میں ڈوبے ہوئے جواں سال کیپٹن کو سگریٹ پیش کیا اور ذرا وقفے کے بعد بولا: "اگر کہو تو میں بریگیڈیر

خان سے اجازت لے لوں۔ تمہیں دیکھ لینے سے اس بچاری کی ڈھارس بندھ جائے گی۔"

شکریہ کرنل، کبھی پھر سہی، اس وقت تو میں سیدھا فریدہ کے پاس جا رہا ہوں۔" کیپٹن صادق کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"کون فریدہ؟"

"میرا پیارا کیپٹن!"

"اوہ، بے جان فولادی تلعے کا اتنا پیارا نام کس نے رکھا؟"

"فرشتے نے۔"

"کب؟"

"یکم ستمبر کی پچھلی رات۔"

"بہت خوب، بہت خوب! مجھے اب یاد آیا۔ اگر میرا حافظہ دھوکا نہیں کھاتا تو غالباً خود فرشتے کا بھی یہی نام ہے۔ اگر تم میرے ساتھ نہیں جا سکتے، تو اسے کوئی پیغام ہی بھجوا دو۔"

"صرف اتنا ہی کہہ دیجئے کہ میاں جی کے غم نے ذہن کو مفلوج کر رکھا ہے۔"

ایک سپاہی کی طرف سے غم کی ماری، بھولی بھالی، سویلین دوشیزہ کے نام یہ پیغام؟ اس پہ نظر ثانی کی ضرورت ہے کیپٹن۔"

"تو پھر جو آپ کے جی میں آئے کہہ دیجئے۔"

اور اس کے ساتھ ہی وہ کرنل عباسی کو سیلیوٹ کرتا اپنی چوکی کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس جوان سال کیپٹن کی فرض شناسی اور حب الوطنی نے کرنل عباسی جیسے معمر سپاہی کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ سیالکوٹ جانے کے متعلق بریگیڈیر خان کا حکم بھول ہی گیا اور اسی جگہ بت کی طرح کھڑا اسے دیکھتا اور سوچتا رہا! جب فریدہ اپنے منگیتر کا حال پوچھنے آئے گی میں اسے کیا کہوں گا۔؟

Marfat.com

چھٹا باب

ٹیلی فون پر

دشمن کی خوش تدبیری اور خوش قسمتی سے ارض پاک کے محافظوں نے ایسا دھوکا کھایا جس کی انہیں بہت بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔

پاکستانی فوج کے سربراہ یہ سوچنے میں حق بجانب تھے کہ کارگل، درہ حاجی پیر اور ٹوٹال کے بعد سیالکوٹ بھی جاتا رہا تو کشمیر میں جہاد حریت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس محاذ کی حفاظت کے لیئے پاکستان اپنی ساری پونجی یہیں ڈھیر کرنے پہ مجبور ہو گیا۔

اور ان کی توقع کے مطابق صبح ہی سے ہندوستان کی گوناگوں موجوں، آزمودہ کار مشینی رسالوں، دور مار توپ خانوں اور پیادہ پلٹنوں کے بیکراں سمندروں میں طوفان جاگ اُٹھے اور ان کی جانسوز پھنکاریں سیالکوٹ کے در و بام سے ٹکرانے لگیں۔

ہسپتالوں کو آنے والے زخمیوں کے قافلے جس جس راستے سے گزرے۔ ذرے ذرّے پر خون کے چراغ جلاتے چلے گئے اور ان منور شاہراہوں کو دیکھتے وقت ایک ایک سیالکوٹی، عورت اور مرد کو صاف نظر آ رہا تھا کہ جلد یا بدیر ہمیں بھی یہیں سے گزرنا ہو گا۔

پورا شہر کمر کسنے لگا۔ اس لمبے، کٹھن سفر کو طے کرنے کے لیئے ہر چیز کی ضرورت تھی۔ سرحد سے لٹ پٹ کر آنے والوں کو بسیرے کے لیئے گھونسلے، روٹی، روزگار کی تلاش تھی اور وطن کی حفاظت کے لیئے سر سے کفن لپیٹ کر جانے والوں کی ضرورتوں کا اندازہ لگانا تو جوئے شیر لانے سے کسی طرح کم نہ تھا۔

صرف زخمیوں ہی کے تیزی سے الجھتے ہوئے مسئلے نے قیامت ڈھا دی تھی تیز رفتار سواریاں، موثر دواؤں کی وافر مقدار، دلگیری کی اہل، ہمدرد نرسیں اور خون، اور خون ۔!

خوش قسمتی سے زخمیوں کی ماؤں، بہنوں، بیویوں اور بیٹیوں نے دریا دلی دکھانے میں پہل کی۔ اِن وطن پرستوں کی صف میں زمانہ کالج، فریدہ، رضیہ اور تاج، خصوصیت کے ساتھ فریدہ سب سے آگے تھی۔

اس جنگ نے اُسے پہلے تحفے میں خون کے سوا اور دیا ہی کیا تھا؟ شفیق، نامور باپ اور گاؤں کے سینکڑوں شیر جوانوں کا خون۔ وہ مرنے والوں کی ہچکیاں تو بھلا بھی تھی، لیکن زخمیوں کی آہیں اس کی روح میں کانٹے کی طرح جا اٹکا تھیں۔ اور اب تو یوں لگتا تھا جیسے خون، آہوں اور ہچکیوں کی دنیا فریدہ میں اور فریدہ اس دنیا میں گھل مل چکی ہو۔

محاذ سے آنے والا پہلا زخمی قافلہ ابھی ہسپتال میں اُتر ہی رہا تھا کہ وہ ان کی مدد کے لیئے پہنچ گئی۔ ہو سکتا ہے، اس بہانے کیپٹن صادق سے مِلنے کا خیال اس کے تحت الشعور میں دبے پاؤں آیا۔ آج سے ٹھیک سترہ سال پہلے ایک روز صادق بھی تو اس کی خوشی اور خواہش کے خلاف بالکل اسی طرح دبے پاؤں اس کی زندگی میں داخل ہوا تھا۔

وہ کب، کیسے، کہاں سے آیا تھا؟ یہ سوال تیزی سے پھیلتا، ماضی کی گمبھیر

Marfat.com

تاریکیوں میں ڈوب جاتا۔ پھر وہ اس سوال کا جواب ڈھونڈھنے کے لیئے ایک ایک سٹریچر پر منڈلاتی، زخمیوں کے چہرے ٹٹولتی، ان کی آنکھوں جھانکتی۔ اس محویت نے اسے بھوک اور پیاس ہی نہیں، زمان و مکان سے بھی بے نیاز کر دیا تھا۔ وہ ماضی کے جس گوشے میں ذرا سی بھی کشش محسوس ہوتی وہیں پہنچ جاتی۔

اور اس کا تعاقب کرنے والی مایوسیاں اور تاریکیاں بھی ہسپتال کے کمرے تک آ پہنچی تھیں، وہ ان سے بچنے کے لیئے ہاتھ پاؤں مارنے لگی اور رضیہ نے عین وقت پر اسے تھام لیا۔ "فری، تم یہاں بیٹھی غوطے کھا رہی ہو اور وہاں تاج نے ٹیلی فون پر میرا ماک میں دم کر رکھا ہے۔"

"کیا کہتی ہے؟"

"کہتی ہے۔ اباجی کیپٹن صاحب کا پیغام لائے ہیں، آکر سن جاؤ۔"

"اسے اپنے ابّا بالآخر مل ہی گئے نا؟ میری طرف سے مبارک دی ہوتی۔"

"پھر تم وہاں کس بہانے سے جاتیں؟ چلو، چلو۔"

"چلے جائیں گے، ذرا مسز کرنل کو چین کا سانس تو لے لینے دو۔"

"میں نے تو تاج سے بالکل یہی کہا تھا۔"

"پھر کیا جواب ملا؟"

"یہی کہ — ابّا کے چہرے پر پہلی نظر ڈالتے ہی امّی کی ساری تکلیفیں دور ہو گئیں۔"

فریدہ کی نظریں سرحد کی طرف اُٹھیں جہاں بادلوں، گرد و غبار اور دھوئیں کے گہرے گھنے پردے پھیلتے چلے جا رہے تھے۔ رضیہ نے لمحے بھر کی خاموشی میں اسے دیکھا اور پھر بچے کی طرح اس کی انگلی پکڑے ہسپتال سے باہر نکل گئی۔

○

Marfat.com

کرنل عباسی کا بھرپور، مسرور قہقہہ سُن کر فریدہ نے کوٹھی کے دروازے پر ہی اپنے آپ کو سمیٹنے کی کامیاب کوشش کی۔

مہمانوں کو دیکھتے ہی ممتاز "وہ آگئیں" کی رٹ لگاتی ننگے پاؤں بھاگی، دونوں کو ساتھ لے کر اندر آئی اور انہیں اپنی اور ماں کی کرسیوں کے درمیان بیٹھنے کا اشارہ کر کے ایک بار پھر کرنل عباسی سے متعارف کرانے لگی! "تاریخ کی پروفیسر مس رضیہ قریشی اور یہ ہیں چھاؤنی کی کسی چھوٹی سی کوٹھی میں بسنے کی اُمیدوار، فریدہ!"

"مجھے تمہاری پُرانی، ہم جماعت سہیلیوں سے ایک بار پھر مل کر خوشی ہوئی! تاج" کرنل عباسی نے اُٹھ کر دونوں کو خوش آمدید کہا اور اپنی کرسی پر آہستہ آہستہ بیٹھتے وقت فریدہ کو دیکھ کر بولا! "لیکن یہ تو اب چھاؤنی کی کسی چھوٹی سی کوٹھی سے بہت آگے محاذ پر جا آباد ہوئی ہیں!"

"اباجی — اِن کا گاؤں تو روزِ ازل ہی سے محاذ پر آباد تھا۔"

"تم کیا جانو، میں کیا کہہ رہا ہوں" کرنل عباسی ایک دم سنجیدہ ہو گیا اور کھڑکی کے پار بے مقصد گھورتے ہوئے رک رک کر بولا! "اس کا ایک ہم نام ٹینک نہ جانے کتنے شرمن اور شکیتمان تباہ کر چکا ہے!"

"معاف کیجئے وہ میری ایک عجیب، اضطراری حرکت تھی" فریدہ نے بے اختیار صفائی پیش کی اور اپنے آپ کو رضیہ اور ممتاز کی ہمدرد، سوالیہ نظروں میں گھرا پا کر بیگم عباسی کی پناہ لی! "مبارک ہو!"

لاج کی ماری فریدہ کی بدحواسی سے لطف اندوز ہونے والی بیگم عباسی اس کی ڈھال بن گئی اور اسے سینے سے لگا کر بات کا رُخ ہی بدل دیا! "مبارک کی سچی خوشی تو صرف تمہارا حصّہ ہے۔" ذرا دیر بعد اس نے کرنل کو دیکھا اور اپنی بات جاری رکھی! "ان سے مِل آئے ہیں، وہ خیریت سے ہیں اور خوش!"

Marfat.com

"معاف کیجئے، بیگم، آپ نے جس شخص کا نام پہلی بار سُنا ہے، اس کے متعلق غلط بیانی کا آپ کو کوئی حق نہیں۔"

"پہلی بار؟" بیگم عباسی فریدہ کو دیکھ کر مسکرائیں۔ "صرف مٹھائی کھانی باقی ہے ورنہ ان کی منگنی کی خبر سنے تو زمانہ بیت گیا۔"

"اچھا — تو پھر مجھے معاف کیجئے۔" کرنل عباسی نے معذرت کی "میں اس معاملے میں آپ سے بہت جونئر ہوں۔" پھر اس کی معنی خیز نگاہیں فریدہ پہ جم گئیں اور وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولا! "مبارک ہو! صاحبزادی! وہ تمہاری قسمت کی طرح نیک اور پُرجوش، محبِ وطن سپاہی ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی فریدہ کے چہرے پر ان دیکھے رنگوں کی بہار آگئی، ذرا دیر بعد ان رنگوں نے حزن و حرماں نصیبی کے ساتھ مل کر اس کی آنکھوں کو شمعوں کی طرح روشن کر دیا، جن کی سلگتی ہوئی گہرائیوں سے دو بڑے بڑے موتی ڈھلکے، پھر اور، اور ایک گھٹی گھٹی ٹھنڈی آہ کے بعد کرنل عباسی کے ایک ڈرائینگ روم غم برسانے والا بادل چھٹ گیا۔

ڈرائینگ روم سے چینی کے برتنوں کی بڑی پیاری آوازیں آرہی تھیں بیگم عباسی سب کو ساتھ لیتی دسترخوان پہ جا بیٹھی اور کرنل عباسی نے ٹیلی فون اپنی طرف سرکایا! "کیپٹن صادق کی مصروفیتیں — الامان! ورنہ میں اسے بھی اپنے ساتھ ہی کھینچ لاتا۔"

جب خدمتگار کھانا لگا رہا تھا۔ کرنل عباسی نے ڈائل کر کے رسیور منہ سے لگایا! "میں کرنل عباسی ہوں۔ مجھے تاجدار سے ملا دیجئے!" اور یہ کہتے ہی وہ کرسی پہ بیٹھ گیا!

"ہیلو — تاجدار! مجھے پہچان لیا؟"

ٹیلی فون کے دوسرے سرے پہ "تاجدار" کے "ڈگ آوٹ" میں کیپٹن صادق رسیور

Marfat.com

پر منہ رکھے کھڑا تھا ؛ "میں آنکھوں کی نسبت اپنے کانوں پہ زیادہ بھروسا کرتا ہوں، کرنل صاحب!"

"بے شک، بے شک!" کرنل عباسی بولا۔ "تمہیں تو رات کے اندھیروں میں بھی شکتیمان، شرمن، سنٹورین اور چرچل کا الگ الگ حساب کرنا پڑتا ہے نا۔"

اُدھر سے ایک فربائشی قہقہہ گونجا۔ پھر کرنل عباسی نے اپنے گرد اگرد مشتاق، متجسس، مسرور چہروں پہ نگاہ ڈالی! "جانتے ہو، میں کہاں بیٹھا ہوں؟ تاج، پروفیسر رضیہ اور فریدہ کے نرغے میں، اور تم بھی یقیناً اپنے فریدہ کے سائے میں بیٹھے ہوں گے۔"

دوسری طرف سے کوئی جواب نہ پاکر اس نے بات جاری رکھی! "ڈرائینگ روم میں چکن پلاؤ، چکن روسٹ اور بیگم عباسی کا سمیٹک کی مہک ــــ ارے بھئی ہیں آخر کب تک بولتا جاؤں۔ تم بھی منہ میں زبان رکھتے ہو، کچھ تو کہو، وہاں کا موسم کیسا ہے؟"

"تر و تازہ خون کے بے پناہ لیٹے، بھیگی، بھیگی، بوجھل تاریکیاں اور بے چین سناٹا۔!"

"میں جانتا ہوں کیپٹن، جانتا ہوں۔ محاذ کی انتہائی ہولناک راتوں میں سے ایک رات۔ لیکن یاد رکھو، جنگ ہمیشہ ایسی راتوں ہی میں رُخ بدلتی ہے!"

"آپ نے میرے خیال کو الفاظ عطا کر دیئے کرنل صاحب!"

"اِن خیالوں سے ہم جیسے سپاہیوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ کہو تو فریدہ سے بات کرادوں؟" اور اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر کرنل عباسی نے رسیور فریدہ کی طرف بڑھایا۔

فریدہ نے بڑی عاجزی سے بیگم عباسی کو دیکھا پھر کرنل عباسی سے التجا کی! "شکریہ، چچا جان! یقین کیجئے۔ میں کچھ بھی نہ کہہ سکوں گی۔"

Marfat.com

"ارے!" — کرنل عباسی نے اضطراب کیساتھ رضیہ، تاج اور فریدہ کو باری باری دیکھا! "تم جیسی تعلیم یافتہ لڑکیوں کو تو خاصا مہذب ہونا چاہیئے۔ کیپٹن صادق تمہارا جو کچھ لگتا ہے۔ وہ نہ سہی، وطن کا محافظ سپاہی تو ضرور ہے۔ اس سے بات کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں!"

"خدا کے لیے —!" فریدہ کا چہرہ ایک دم سُرخ ہو گیا! "آپ ہی کہہ دیجئے۔"

"کیا؟"

"یہی کہ میں نرس بننے کا فیصلہ کر چکی ہوں؟"

فریدہ کے اس فوری، غیر متوقع فیصلے نے محفل میں بڑی خوشگوار سی حرارت پیدا کر دی۔ اسے محسوس کر کے کرنل عباسی کرسی سے اُچھلا اور خوشی سے جھوم کر بولا "میں عقیدت بھرے سلام کے سوا اور کوئی نذرانہ پیش نہیں کر سکتا۔"

فریدہ کے چہرے پر پہلی بار مسکراہٹ کا مبہم سا رنگ اُبھرا اور وہ ممتاز کی طرف اشارہ کر کے بولی! "وہ بھی اس کی حقدار ہے!"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں، سوائے اس کے کہ" — کرنل عباسی کی نظریں ممتاز کے چہرے سے سرکتی بیگم عباسی پر جا ٹھہریں۔ "انہیں بھی اپنے ساتھ رکھئے۔ "بنی بنائی میٹرن!" اور اس کے ساتھ ہی اسے کیپٹن صادق سے بات کرنے کا ہوش آیا! "ہیلو — تاجدار!"

اور اب اس طرف سے ایک غیر مانوس آواز آئی! جی، میں حوالدار کلرک بول رہا ہوں۔ کیپٹن صاحب ایک فوری مہم پر روانہ ہو گئے۔ یوں اچانک چلے جانے پر سخت افسوس کرتے تھے۔

کرنل عباسی نے اس بات کو گول کرنے کے لیئے سب کے سامنے سلیقے سے چنی ہوئی پلیٹوں کی طرف اشارہ کیا! اگر پلاؤ ٹھنڈا ہو گیا تو پھر پلاؤ

Marfat.com

نہیں بلکہ کچھ اور بن جائے گا۔" پھر اس نے اچھی اچھی چیزیں مہمانوں کی طرف سرکائیں! "اطمینان سے کھاؤ۔ جیب موجود ہے۔ جب چاہو گی میں اور تاج تمہیں ہاسٹل چھوڑ آئیں گے!"

ساتواں باب

فلک بوس دیوار

چھ ستمبر — نو جمادی الثانی کی قیامت کی رات میں دُور، مختلف زاویوں سے دو مشین گنیں "ڈگڈگاتیں" اور پچھلی رات کی خاموشی کے سمندر پہ ناقابلِ تشریح بے چینیوں کا طوفان چھا گیا۔

آنکھ کھلتے ہی اس کی نظریں ٹائم پیس کے ڈائل میں اُلجھ گئیں۔ ہندسوں نے بڑے پیارے، نورانی جھرمٹ کا روپ دھار رکھا تھا۔ چھوٹی سوئی ۳، اور بڑی، جلتے ہوئے تیر کی طرح ۱۲ کے سینے میں دھنستی چلی جا رہی تھی۔ تین اور بارہ!

برِصغیر کی تقسیم کے بعد، وہ جس زور سے "سٹلج رینجرز" میں شامل ہوا تھا، پاکستان اور بھارت — ایک اور چار — کے اسی تناسب پہ قہقہے لگاتا چلا آ رہا تھا۔ بیشک، رَن کچھ میں پاکستانیوں نے ایشیا کی تاریخ جدید پہ اپنی فوجی برتری کی مہر لگا دی تھی۔

معرکۂ رن کچھ کی یاد آتے ہی اس کی نظریں سامنے میز پر رکھے ہوئے "بریف کیس" کی طرف کھنچنے لگیں۔ "معاہدۂ رن کچھ" پہ عمل درآمد کے لیے پاک بھارتی نمائندوں کے درمیان جتنی ملاقاتیں ہو چکی تھیں، ان سب کی روداد ایسی مضبوط، موٹے چرمی تھیلے میں محفوظ پڑی تھیں۔

Marfat.com

چند ہی روز پہلے اسی قسم کی ایک "میٹنگ" میں شرکت کے بعد وہ اپنے ونگ ہیڈ کوارٹرز واہگہ میں واپس آیا تھا اور اب سے صرف تین گھنٹے بعد، صبح سویرے پھر ایک اور میٹنگ میں نمائندگی کے لیئے روانہ ہونے والا تھا۔

وہ سوچنے لگا! وقت سے پورا ایک پہر پہلے جاگ اُٹھنے کی وجہ؟ اور اس کے ساتھ ہی اس کی چھٹی، سپاہیانہ حِس نے اسے ایک دم اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ تڑپ کر اُٹھ بیٹھا اور بیتاب، چوکنے شیر کی طرح وقت کی نبض ٹٹولنے لگا۔

پھر پل بھر کے لیئے اسے یوں محسوس ہوا جیسے پت جھڑ کی ماری خشک، زرد پتیاں، دم سادھے میدان میں بھٹکتی پھرتی ہوں۔ پھر قریب ہی ایک گرنیڈ پھٹا اور اس کی کرچیں ونگ ہیڈ کوارٹرز کی دیواروں سے ٹکراتی فرش پہ آگریں۔

وہ بے ڈھنگی سی تپائی سے لڑھکتے والے ٹیلی فون کی طرف لپکا اور پچھلی چوکی کو خبردار کیا! "شیراز، ہم سترہ سال سے جس لمحے کا انتظار کر رہے تھے، اچانک سر پہ"

حملہ آور دشمن نے رینجرز ونگ ہیڈ کوارٹرز واہگہ کے کمانڈر، کیپٹن عبدالشکور شیرا کو اپنی بات پوری کرنے کی مہلت نہ دی۔ انڈین انفنٹری کا ایک دستہ دروازے پر کھڑا دستک دے رہا! "ہنڈز اَپ، کیپٹن!"

دشمن کو جواب دینے کے لیئے کیپٹن شیرا کا ہاتھ ابھی پستول تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ یکے بعد دیگرے پوری پانچ گولیاں اُس کا سینہ چھیدتی باہر نکل گئیں۔

○

ونگ ہیڈ کوارٹرز سے بمشکل تین فرلانگ دور، پچھلی چوکی کا کمانڈر سب انسپکٹر محمد شیراز ٹیلی فون پہ بدستور پکارے چلا جا رہا تھا! "کیپٹن۔ ہیلو، کیپٹن!"

Marfat.com

کیپٹن شیرا کے خاموش کمرے میں گولیوں کی بھٹکنے والی بازگشت نے شیراز کو سب کچھ بتا دیا اور رینجرز ہیڈ کوارٹرز لاہور کو "بھارتی حملے" کی اطلاع دینے کے بعد جب وہ اپنے مورچے سے باہر نکلا تو ایک مانوس، میکانکی بھنبھناہٹ اس کے استقبال کو بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ بھاری ڈیزل انجنوں، سپاہ بردار، اسلحہ بردار اور دور مار میدانی توپیں کھینچنے والی گاڑیوں کی آواز!

فولاد، بارود اور موت کی تر و تازہ مہک نے نوخیز دھانی کھیتوں سے منتشر ہونے والی بھینی بھینی لو کے ساتھ مِل کر اس پر کیفیت سی طاری کر دی۔ لیکن وہ اس سے کچھ دیر تک لطف اندوز نہ ہو سکا کیونکہ بہت سے چرچل، شرمن اور سنٹورین ٹینک کسٹم گیٹ سے نکل کر لاہور کی شاہراہ پر جھومتے جھامتے رواں دواں تھے۔

اس نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اپنے دستے کے ۱۱۰ مجاہدوں کو جمع کیا۔ اس کی نظریں مشرقی افق سے اُبھرنے والے کوہ قامت کالے دھوئیں پر جمی رہیں۔ وہ کہہ رہا تھا! "پرتھوی راج چوہان کے جنگی ہاتھی داتا کی نگری کو لتاڑنے نکلے ہیں۔ خبردار! ان میں سے ایک بھی سلامت نہ جانے پائے!"

ایک سو دس رینجرز رائفلیں، سٹین گنیں اور سب مشین گنیں" سونتے جی ٹی روڈ کے آر پار پھیلے ہوئے مورچوں کی طرف لپکے۔

اگر انہیں معلوم بھی ہو جاتا کہ پاکستان کی سرحد پار کرنے والے صرف چند ٹینک ہی نہیں بلکہ ایک پورا آرمرڈ بریگیڈ ہے اور اس کے پیچھے انفنٹری ڈویژن کی گوناگوں رجمنٹوں، دور مار توپوں اور بھاری "مارٹر بیٹریوں" کے بیسیوں تیز، تند ریلے، تو بھی ان کے ماتھے پر بل تک نہ آیا۔ وہ جانتے تھے، بیسویں صدی کی تاریخ اس وقت تک "سینٹورین" کو سٹین گن سے روکنے کی ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکی تھی۔

جس قوم کے جواں سال سپاہی وسطی ایشیا کے پرانے میدانوں میں فنِ حرب

Marfat.com

کی نئی مثالیں قائم کرنے والے تھے۔ اس قوم کی عظمت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔!

کسٹم گیٹ سے گزرنے والے ٹینک، دھان کی کونپلیں روندتے، جنگی ترتیب سے پھیلنے بھی نہ پائے تھے کہ شیراز نے ان پر اپنی سٹین گن کی گولیوں کے جلتے ہوئے انمٹ نشان لگائے۔

چند منٹوں کی مختصر سی جدوجہد کے بعد اس کے پاس صرف ۳۵ سپاہی رہ گئے تھے اور اس نے انہیں قدرے محفوظ مورچوں کی طرف پیچھے ہٹ کر اشارہ کیا۔

اب حملہ آور انفنٹری ڈویژن کے "طوفانی دستے" رینجرز کے خالی کئے ہوئے مورچوں تک آ پہنچے تھے اور "نو رنگ فائیر" آتش فشاں پھٹ پڑا تھا۔

ذرا دیر بعد کچھ اور پیچھے ہٹ کر نیا مورچہ جمانے کے لیے شیراز نے ایک بار پھر اپنے سارے وسائل سمیٹے۔ اس کے اردگرد صرف ۲۲ جانباز ہر افتاد سے نمٹنے کے لئے اشارے کے منتظر کھڑے تھے۔ اس کی نظریں لاہور کی طرف اُٹھیں۔ اور سامنے اونچے ٹیلے پر اٹک کر رہ گئیں۔ یہاں دشمن اپنی کئی مشین گن چوکیاں قائم کر کے شاہراہ لاہور کو زد میں لے چکا تھا۔

اس نے دو مجاہدوں کو، جن میں سے ایک کے پاس "سب مشین گن" تھی، دشمن کو عقب سے گھات میں لینے کا اشارہ کیا۔ اور خود بچے کھچے جوانوں کے ساتھ اطمینان سے ٹیلے کی طرف بڑھا۔

موت کے روبرو شیراز کی بے مثال بے پروائی نے دشمن کو دھوکے میں ڈال دیا۔ وہ اسے اپنا آدمی سمجھ کر گن بیٹھا رہا۔ شیراز نے موقع پاتے ہی سب مشین گن دستے کو اشارہ کیا! "فائیر!"

اس اچانک، بے پناہ بوچھاڑ سے بھارتی مشین گن چوکی کے صرف پانچ سورما پھرتی سے ہاتھ کھڑا کر کے اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوئے۔ انہیں قید میں

Marfat.com

یہ کہتے ہی شیراز نے اپنے سپاہیوں کو اسلحہ اور گولا بارود کے ڈھیر کی طرف متوجہ کیا اور جب "رینجرز" اپنی خالی پیٹیوں کو سٹین اور برین گن کی گولیوں سے پُر کر رہے۔ وہ ایک طرف کھڑا ہنس رہا تھا، اس بات پر کہ خود اس کی اپنی سٹین گن میگزین تو بالکل خالی تھی!

دشمن سے چھینا ہوا اسلحہ ہمیشہ انمول ہوتا ہے۔ لیکن پورے بھاستی جنگی قیدیوں کی قیمت تو تاج محل سے بھی کہیں زیادہ تھی۔ ان سے معلوم کیا جا سکتا تھا کہ جنرل چوہدری صاحب لاہور کے میدان میں اپنی کتنی سپاہ جھونک چکے ہیں۔

قیدیوں کو ساتھ لے کر لاہور کی طرف رُخ پھیرنے سے پہلے شیراز نے دائیں بائیں نگاہ ڈالی۔ دھان، مکی، باجرے اور گنے کے حدِ نگاہ تک لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں ہلکے سرمئی، نیم سلیٹی جھٹپٹے اپنا شبنمیں دامن سمیٹ رہے تھے۔

ذرا دور اسے "لاہور گیریژن" کے ہراول دستے سرحد کی طرف لپکتے دکھائی دیئے پھر چند لمحے بعد ایسٹ بنگال رائفلز کے ایک جوان سال میجر نے اپنی جیپ اس کے قریب آ روکی اور پریشان حال قیدیوں کو دیکھ کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

انہیں میجر کے حوالے کرتے وقت شیراز نے ایک ہی سانس میں سب کچھ بیان کر دیا۔ ونگ ہیڈ کوارٹرز واہگہ سے لے کر جی ٹی روڈ پر مشین گن چوکیوں تک، اس نے کوئی ایک معمولی تفصیل بھی نظر انداز نہیں کی تھی۔

میجر کی نظریں مشرقی افق سے اُبھرنے والے گرد و غبار کے پار نہ جانے کیا ڈھونڈھ رہی تھیں شیراز کی آنکھیں بھی واہگہ کی طرف اُٹھیں، ٹینکوں اور توپوں کی گھن گرج سے بدکے ہوئے مویشی دوڑتے اور چنگھاڑتے ہوئے چلے آ رہے تھے ان کے پیچھے سرحدی بستیوں کے باشندوں، مردوں، عورتوں اور بچوں، کی اُفق تک پھیلی ہوئی بے ترتیب قطاریں، ان کے اوپر بھڑکتے، سنسناتے ہوئے گولوں کے آتشیں سائبان اور ان کے

Marfat.com

اوپر ہگ، مسٹیئر، کینبرا، ویمپائر اور ہنٹر ہوائی جہازوں کے کرتب کے!
شیراز، دانستہ بڑبڑایا! "طوفان، ہولناک طوفان!"
میجر ایک دم چونکا! آپ نے اس کا شایانِ شان استقبال کیا، مسٹر سب انسپکٹر
اب ہماری باری ہے!"

○

چھ ستمبر کے سورج کی ٹھنڈی میٹھی کرنیں داتاؒ کے گنبد کا طواف کر رہی تھیں۔
رنگارنگ وردیوں میں ملبوس، پھول سے ننھے منے بچے بستے اچھالتے سکول
جاتے وقت نکڑوں پر رُک رُک جاتے اور مُڑ مُڑ کر پیچھے دیکھتے۔ ان کی مائیں دروازوں پر
کھڑی مُسکرا رہی تھیں۔
گلی کوچے، دفتر اور کارخانے، ہر جگہ زندگی مُسکرا رہی تھی کہ ایک طیارے نے آسمان
سے ناگہاں ٹوٹ کر لاہور کی فضاؤں میں تہلکہ مچا دیا۔ مگا، ایک سیبر شاہین کی طرح اس پر
جھپٹا۔ جب سیبر نے غوطہ مار کر ساؤنڈ بریئر۔ صوتی رکاوٹ۔ پار کی تو ایک بلا کا کڑکا ہُوا
دفتروں، دکانوں اور مکانوں کے دروازے، کھڑکیاں، اور روشندان ہم آہنگ ہو کر
بج اُٹھے اور اس کے ساتھ ہی سرگوشیوں اور افواہوں کے چشمے اُبل پڑے۔
"بھارتی جہازوں کی بمباری ..... ماڈل ٹاؤن اور باٹا پور کی اینٹ سے اینٹ
بج گئی۔ بھارتی ٹینک جلو مورٹینک آ پہنچے، ..... سیبر نے راکٹ سے ایک ہنٹر کو
نہر میں مار گرایا ——!"
بس، کار، ٹیکسی، رکشا، سکوٹر اور سائیکلوں پر سوار زندہ دلانِ لاہور کے جلوسوں
کا رُخ واہگہ کی طرف مڑ گیا۔ کسی کے ہاتھ میں ہاکی، کسی کے کندھے پر لاٹھی بعض منچلوں نے

Marfat.com

کمر سے پستول بھی لٹکا رکھے تھے۔ کارخانوں میں کام کرنے والے دستکار، دفتری بابو، کالجوں اور سکولوں کے مہم جو، جیالے جوان!

یہ لوگ رائے پتھورا کے بدمست جنگی ہاتھیوں کی یلغار دیکھنے آئے تھے۔ لیکن — اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! گیریژن ملٹری پولیس نے انہیں شالامار کے دروازے پر ہی روک لیا۔

"میرے پیارے ہموطنو!" ایک پرجوش لیفٹیننٹ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی "یہ ۱۹۴۷ء کا فساد نہیں، آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے، بھارتی ٹینک سرحد پار کر آئے ہیں اور ان کے پیچھے جدید، تباہ کن، خودکار ہتھیاروں سے مسلح انفنٹری ڈویژن کئی ڈویژن! لیکن جب تک وطن کے محافظ زندہ ہیں۔ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں کیسے یقین دلاؤں کہ ہمارے تازہ، سرخ خون کی متلاطم خلیجیں اور لاشوں کی فصیلیں دشمن کبھی پار نہ کر پائے گا۔

○

شاہی مسجد لاہور کی دیوار کا سایہ شاعرِ مشرق کے مزار پر ڈھل آیا تھا۔

حملہ آور ٹینک اکا دکا دفاعی چٹانیں روندتے بڑھتے چلے آ رہے تھے! سب کا رُخ نہر کے پُل کی طرف تھا اگر وہ پل پار کر گئے تو۔۔۔۔

پُل کو اُڑانے کی پہلی کوشش ناکام ہو چکی تھی کیونکہ نہر کے پرلے کنارے نو لادی قلعوں کی آڑ میں دشمن اپنے قدم جما چکا تھا۔ سینکڑوں توپیں، بھاری مارٹر اور ہزاروں مشین گنیں لاوا اُگل رہی تھیں۔ دفاع کرنے والی سپاہ کی طرف سے پُل تک زندہ پہنچ جانا معجزہ تھا۔

Marfat.com

"رجمنٹ" کا ایک خوش نصیب سپاہی — نعمت علی شہید۔ آگ کا سمندر چیرتا نہر تک جا پہنچا، وہ کیا کرنے آیا ہے، دشمن جانتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں جہنمی بھٹیوں نے پگھلے ہوئے فولادی دھارے اس دو فٹ چوڑے ستون پہ مرکوز کر دیئے جس پر نگن بیٹھا ہوا نعمت علی ڈائنامیٹ لگا رہا تھا۔

وہ بہت خوش تھا۔ کاش! اسے زندگی کے صرف تین سیکنڈ اور مل جائیں، اتنی دیر میں وہ تار جوڑے گا، پھر ہاتھ ہلا کر "سب اچھا" کا اشارہ دے گا اور بی آر بی نہر کا پل پہاڑ کی طرح ٹوٹ کر دشمن کے نایاب ارادوں کو خاک میں ملا دے گا۔

لیکن اسے ایک سیکنڈ کی بھی مہلت نہ ملی۔ ابھی وہ تار جوڑنے بھی نہ پایا تھا کہ مشین گن کا ایک "برسٹ" اس کے سر میں لگا اور پھر چاروں طرف تاریکیاں چھا گئیں، گھنی، گمبھیر تاریکیاں!

نعمت شہید کے گرتے ہی بھارتی ٹینک، ٹینک سے ٹینک ملائے، چٹان پیکر، پر افشاں تیر کی طرح پل کی طرف لپکے — ہراوّل ٹینک کا اگلا حصّہ پل کو چھو رہا تھا۔

پاکستان کی تاریخ کا عصر آفرین لمحہ صف شکن مجاہدوں کے دل ٹوٹنے لگا۔

"انجینیرز" کا ایک اور آفتاب اقبال نوجوان — میجر آفتاب احمد — جیپوں میں ڈائنامیٹ ٹھونستا روشنی کے مینار کی طرح ابھر کر پل کی طرف دوڑا۔

لاہور کے محافظوں نے ایک خوشگوار سی حرارت محسوس کی۔ توپ خانے کا ایک نوجوان "فائیر" سے ہاتھ کھینچ کر آفتاب کو دیکھنے لگا۔ پنجاب رجمنٹ کے ایک سرفروش نے اپنے پلاٹون کمانڈر سے التجا کی! "اپنے گرینیڈ مجھے دے دیجئے!"

پلاٹون کمانڈر نے اس کے قریب اکوئپ منٹ — لڑیاں دار پیٹی — کی طرف اشارہ کیا! "تم نے ہم سب سے زیادہ گرینیڈ جمع کر رکھے ہیں"

"مجھے بہت سے گرینیڈ چاہئیں!" سپاہی نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ یوں لگتا تھا

Marfat.com

جیسے وہ گرینیڈ نہیں تو کم از کم ان کے نام ہی کو چومنا چاہتا تھا۔

"کیا کرو گے؟"

"تماشے!"

اور پاکستانی سپاہیوں نے صرف ہموطنوں ہی کو نہیں روئے زمین کے فوجی تذکرہ نویسوں کو حیرت انگیز کرشمے دکھائے۔ پچاس رضاکاروں کا ایک دستہ گرینیڈوں سے جھولیاں بھرے نہر کو جاتا دکھائی دیا۔ پھر آن کی آن میں یہ لے کنارے سے ابھرا اور بجلی کے لپکوں کی طرح بھارتی ٹینکوں پر ٹوٹ پڑا۔

شمع وطن کے ان گمنام پروانوں نے ٹینکوں کی توپوں کے دہکتے ہوئے دہانوں "ٹریکوں" اور "گن ٹرنٹوں" پر ایسی کاری ضربیں لگائیں کہ ارجن اور بھیم کے وارثوں نے جس ہتھیار کو کامیابی کی کنجی سمجھ رکھا تھا، ان کے ارمانوں کا مقبرہ بن گیا۔

اور پاکستان کے سجیلے جوان ان ہی فولادی مقبروں کے پیچھے قدم جما کر ایسی ملک بوس دیوار بن گئے جس سے حملہ آور کی تازہ دم، طوفانی لہریں بار بار ٹکرائیں اور ہر بار منہ کی کھائی اور جھاگ اڑاتی پلٹ گئیں۔

ایک دوسرے سے گزوں، فرلانگوں اور کہیں کہیں میلوں دور آئی ہوئی یہ زندہ یادگاریں زمان و مکان سے بے نیاز ہو کر، لاہور کے خطے پر آتشیں حروف سے عظمت، شوکت اور شجاعت کے افسانے لکھ رہی تھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اپنی اپنی جگہ ایک ایک مجاہد افسانہ تھا — حیرت انگیز، پراسرار افسانہ!

برصغیر کی تقسیم نے انہیں ایک انوکھے سانچے میں ڈھالا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو آج سے صرف سترہ سال پہلے اپنا عظیم الشان ماضی بھارت ہی میں چھوڑ آئے تھے بعض ایسے بھی تھے جن کا حافظہ تھوڑی دور تک ساتھ دینے کے بعد ایک دم تاریکی کے گرداب میں ڈوب جاتا تھا، آبائی گھر، ماں باپ، بہن بھائی اور بچپن کے ہمجولی

یہ سب ایسے دھندلے نقش تھے۔ جنہیں ہزاروں سال بوڑھے، برہمنی سامراج کے بے رحم تھپیڑوں نے مسخ کر دیا تھا۔

آج لاہور کی فصیلوں کے نیچے ایک ساتھ ہزاروں داغ جو دبے اٹھے تھے، تراوڑی، دہلی، اجمیر، سومنات، دکن، کلکتے اور سرنگاپٹم کے صدیوں پرانے داغ!

سقوط سرنگاپٹم پر بطور ورثہ ملنے والی غلامی میں پورے دو سو سال تک، پشت ہا پشت کی طویل جدوجہد اور عظیم قربانیوں کے بعد آزادی حاصل کرنے والے دس کروڑ پاکستانی زن و مرد، بچے اور بوڑھے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ خونخوار کالی دیوی کے ۴۵ کروڑ پجاری ان پر زندگی کے دروازے بند کر چکے ہیں۔

اسلام کے اس ازلی دشمن نے توحید پرستوں کو تلوار اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ پوری قوم اپنی بقا کی خاطر طویل جدوجہد کے لیے کمر کسنے لگی۔

چھ ستمبر کا تھکا ہارا، سست رفتار سورج شفق کے گلنار پردے تھام تھام کر خلیج درہ خیبر سے خلیج بنگال کی چٹانوں تک بکھرے ہوئے ذروں کی بے تابی کو حیرت سے تک رہا تھا۔ کہکشاں سمیت پورے نظامِ شمسی کی نظریں اس نہر پہ لگی تھیں جس کے کنارے شام سے پہلے پہلے وطن کے محافظوں کی ناقابلِ تسخیر فلک بوس دیوار مکمل ہو چکی تھی!

Marfat.com

آٹھواں باب

جاگ اُٹھا ہے سارا وطن

کیپٹن صادق کا بکتر بند دستہ، معمول کے مطابق گرد و غبار کے پردوں میں لپٹا ایک بار پھر اپنے مستقر کو لوٹ آیا تھا۔ کمانڈر نے "فریدہ" کا "ہیچ" بند کرنے سے پہلے "تاجدار" پر نگاہ ڈالی اور اپنے ایک انمول موتی — ٹینک — کے ضائع ہو جانے پر اپنا دل مسوس کر رہ گیا۔

نیچے اترنے سے پہلے اس نے اپنے دکھتے ہوئے جسم کا ایک ایک انگ سہلایا مسلسل شب بیداری کی وجہ سے اس کی آنکھیں مشعلوں کی طرح روشن تھیں۔ خشک، الجھے ہوئے بال، بڑھی ہوئی داڑھی، تنے ہوئے اعصاب اور مستقبل کے گوناگوں اندیشے!

کمانڈر سے ڈرائیور تک سارا عملہ ایک دوسرے سے آنکھیں چراتا چپ چاپ نیچے اُترا۔ مشتاق شکاریوں کو رات بھر آگ کا طوفانی سمندر چیرنے کے باوجود ایسی کوئی قابلِ قدر کامیابی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ جس کی خوشخبری بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز کو سنائی جاتی۔

اس نے نیچے اُترتے ہی "فریدہ" کے زخم ٹٹولے اور پھر باری باری دوسرے ٹینکوں کی طرف سرکنے لگا۔ صرف ٹینک ہی نہیں، اس کے بہت سے افسر اور جوان بھی،

Marfat.com

اور اگر سچ پوچھا جائے تو پوری قوم کا دل زخمی تھا۔ پرتھوی راج چوہان کا بدمست جنگی ہاتھی والہگے سے چنگھاڑتا، لاہور کے میدان تاراوڑی، بی آر بی ـــ بمبانوالا راوی بیدیاں نہر تک آپہنچا تھا۔

پچھلے پانچ روز کی بے چینیاں ایک طویل، تاریک منزل کی نشان دہی کر کے ختم ہو چکی تھیں۔ بھارت پورے اٹھارہ برس کی تیاری کے بعد پنتالیس کروڑ بت پرستوں کو فیصلہ کن جنگ کی بھٹی میں جھونک چکا تھا اور اب فتح، مکمل فتح پائے بغیر پاکستانیوں پہ زندگی کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

کمانڈر نے چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ دھان کی نرم، نوخیز، نوکیلی کونپلیں صبح کے سرد جھونکوں سے بل کھاتی، پراسرار سرسراہٹوں کی زبان میں عجیب و غریب داستان دہرا رہی تھیں۔

ٹھیک اٹھارہ سال پہلے یہی دِن تھے اور یہی موسم! ایک بے رحم طوفانی تھپیڑے نے اسے آبائی وطن، باپ دادا کی قبروں اور گھر بار سے جدا کر کے پاکستان کی سرحد پر لا پھینکا تھا۔ برِصغیر کی تقسیم کے وقت خون آشام کالی دیوی کے کالے دل والے پجاریوں نے پاکستان کا نعرہ لگانے والوں پہ جو قیامت توڑی تھی، اِس کی بے ربط دھندلی یادیں نوجوان سپاہی کے دِل میں ابھی تک رینگ رہی تھیں۔ اس نے اپنا گاؤں اجڑتے، ماں باپ، بہن بھائیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے بربریت کا نشانہ بنتے اور لاکھوں مہاجروں پہ مشتمل لٹے پٹے، ستم رسیدہ، غمزدہ قافلوں کو اسی سرحد پہ پناہ لیتے دیکھا تھا۔

وہ اُس وقت مشکل سے پانچ برس کا بچہ، موت کے چنگل سے بچتا، ان ہی قافلوں کے گرد و غبار میں چھپتا، سرکتا، گورداسپور سے فریدہ کے گاؤں تک آپہنچا تھا۔ پھر میاں جی کی شفقت، گاؤں کا مدرسہ، دوسرے ہم جماعت لڑکے اور فریدہ ـــ!

Marfat.com

اور آج زخمی "فریدہ" کے پرسکون سائے میں ماضی پہ طائرانہ نظر ڈالتے وقت محبِ وطن سپاہی کے دِل میں پاکستان کے تابناک مستقبل کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہا۔ اسے یقین تھا، جب دس کروڑ توحید پرستوں نے ایک ساتھ اٹھ کر مرنے مارنے پہ کمر کس لی، تو باطل کے طوفان کا رُخ پھر جائے گا۔

اور اِس طوفان سے ٹکرانے کے لیئے اس نے "تاجدار" کے زخمی ٹینکوں کو پہلی، دوسری اور تیسری قسم کی مرمت کے اعتبار سے ورکشاپوں کی طرف کوچ کا حکم سنایا۔

ملٹری اکیڈمی سے آئے ہوئے نو وارد، نوعمر افسروں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ اور نہیں تو کم از کم آج کے روز وہ پورے اطمینان سے آنے والی رات کے خوابوں میں اپنی استعداد کے مطابق دلفریب رنگ بھرنے کو فارغ تھے۔ وہ کمانڈر کو سیلیوٹ کرتے اپنے گھونسلوں کی طرف چل دیئے اور جیر نے کیپٹن کمانڈر کے قریب سے گزرتے وقت سرگوشی کی! "شیو کے اس موقعے سے فائدہ اُٹھائیے!" اور اس کے ساتھ وہ کمانڈر کو نیم آمادہ پاکر اس سے ذرا دور رُک گیا۔

کمانڈر اپنی ٹھوڑی کھجانے لگا! "پھر غسل اور نئی وردی بدلنے کو جی چاہے گا"۔

"شیو کا مرحلہ تو طے کیجیے!" جیر نے سامنے چار کھونٹیوں کے سہارے بوری کی بھدی ٹیڑھی میڑھی، پھڑپھڑاتی ہوئی دیوار کو دیکھا! "اس فلش سسٹم باتھ میں لیکن بھرا سی پانی پانی موجود ہے۔ میں اتنے میں آپ کی دھلی ہوئی وردی کے بٹن دیکھ لوں!"

کمانڈر نے کچھ دیر کے بعد جیر کو آواز دی۔ اس نے ایک دم پلٹ کر دیکھا کیپٹن ابھی تک اپنی ٹھوڑی کھجاتا کچھ سوچ رہا تھا۔ جیر اس کے قریب آکر رک گیا۔

"جی!"

"ہم نے پچھلی رات جن زخمی افسروں اور جوانوں کو ہسپتال بھیجا تھا، ان کی حالت دیکھنے کو جی چاہتا ہے!"

جیر سامنے ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے وقت اپنی مسکراہٹ روک نہ سکا!

"وردی بدلنے کے بعد وہاں کھڑے ہو جائیے۔ سیالکوٹ جانے والی کئی گاڑیاں۔ ڈی آر، جیپ اور ٹرک اس ٹیلے کو چھو کر گزریں گے، جس کو جی چاہے روک لیجئے۔!"

کمانڈر بھی اس کی مسکراہٹ میں شامل ہو گیا "جیر، تمہیں یہ باتیں کون بتاتا ہے۔؟"

"سیالکوٹ!" کہتے ہی گنز اپنی اور کمانڈر اپنی راہ چل دیا۔

○

سیالکوٹ گہری نیند سے جاگ اُٹھا تھا!

بسوں، کاروں، تانگوں، بانکے سائیکل سواروں اور پیادوں کی ریل پیل ذرا دیر کو معطل ہو گئی لیکن پنواڑیوں اور قہوہ خانوں کے ریڈیو اونچی آواز میں بولنے لگے۔ جگہ جگہ راہگیروں کے جمگھٹے لگ گئے۔ صدر مملکت قوم کو لاہور پر بھارتی حملے سے خبردار کر رہے تھے۔

زندہ دِلانِ لاہور ـــــ مبارک ہو

دشمن نے سب سے پہلے تمہارے دروازے پر دستک دی

اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو اور دُنیا کو بتا دو کہ بھارت نے اس قوم کو للکارا ہے جس کے جانباز تیرہ صدیوں سے عروسِ موت کی تلاش خاکدان کی طنابیں کھینچتے چلے آ رہے ہیں!

کروڑوں سالہ ضعیف سورج نصف النہار پر پہنچ کر شل سا ہو گیا۔ نیچے، بہت دُور مٹھی بھر توحید پرست راوی سے ابھرے، فلک بوس میناروں کی طرح اُبھرتے

Marfat.com

چلے گئے اور ان کا کڑیل سایہ بی آر بی بیدیاں راوی بمبانوالی نہر تک پھیل گیا۔

اسی خونی نہر کے کنارے انہیں ایک ایسے موذی دشمن کو روکنے کا فرض سونپا گیا تھا جس کے بازو حسرؔ سے قصور تک سرگرم پیکار تھے اور اس کی پچھلی صفیں رانا سانگا کے راجستھان سے سیواجی کے مہاراشٹر تک پھیلتی چلی گئی تھیں۔

امریکہ اور روس سمیت یورپ بھر کے سبک رفتار، آتشبار اسلحہ کے انبار، ہمالیہ سے اونچے انبار! عالمی جنگوں کی تاریخ میں ایسا بڑا فوجی طوفان اتنی چھوٹی سی قوم پر آج تک کبھی نہیں ٹوٹا تھا۔ لیکن جیسے جیسے طوفان کی تباہ کاریاں بڑھتی چلی گئیں مدافعت کا عزم جوان ہوتا چلا گیا۔

محاذِ جنگ پر پہلی پاکستانی توپ گرجی ہی تھی کہ "عقب میں" جاگ اُٹھا ہے سارا وطن" کا فلک شگاف نعرہ گونج اُٹھا — بے شک! وطن کا ذرہ ذرہ — سیالکوٹ سے لے کر حیدرآباد تک، ایک ایک جھاڑی کے نیچے سینکڑوں پراسرار کائناتیں آباد ہو گئی تھیں۔

برین اور براؤننگ گنوں سے آراستہ جیپیں، بیر بہوٹیوں کی طرح نہ جانے کہاں سے اُبھر آئی تھیں۔ خودپوش سپاہی۔ وائرلیس سیٹ اور "کامو فلاج" جالیاں۔ دھان، مکی، باجرے اور جوار کے لہلہاتے ہوئے کھیت، بل کھاتی ہوئی پگڈنڈیاں، نم آلود زمین کی سوندھی سوندھی مہک، شیشم، پیپل، دھریک اور آموں کے اودے، گھنے جھنڈ، ان کے نیچے چاق و چوبند محافظوں کی چوکیاں اور چاروں طرف کام میں مگن کسان!

یہی ماحول تھا جس میں پروان چڑھنے کے بعد پاکستان کے سجیلے جوان، ملک کی بڑی بڑی چھاؤنیاں آباد کرنے پہنچ جاتے اور ان چھاؤنیوں میں ہر قسم کی آسودگی حاصل کرنے کے باوجود فراغت کے انمول لمحوں میں ان کے خیال دوبارہ اسی ماحول کی طرف پرواز کرتے تھے۔ یہ پگڈنڈیاں، جھنڈ اور کھیت، ان کی زندگی کی عزیز ترین رومانی

Marfat.com

یادوں کے امین تھے، وہ انہی یادوں کو جاوداں بنانے کے لیئے بنے تھے۔

ایک ایک سپاہی اور افسر نے یہیں پہروں بیٹھ اور گھوم پھر کر ہیر، مرزا صاحباں اور سوہنی مہینوال کے کئی کئی "ختم" کیئے تھے۔ اسی ماحول کی رومان پرور، جذبات انگیز گود میں "ماہیا" پروان چڑھا تھا۔ یہاں کی ایک ایک دوشیزہ اپنے وقت کی ہیر، صاحباں اور سوہنی تھی۔ آج ایک عرصے کی بے تاب تمناؤں کے بعد پاکستان کے محافظوں کو انہی جھنڈوں، کھیتوں اور پگڈنڈیوں پر رانجھوں اور مہینوالوں کے روپ دھارنے کے موقعے نصیب ہوئے تھے، آج وہ صحیح معنوں میں "ڈھول سپاہیا" تھے۔

ان کی مائیں، بہنیں، بیویاں اور سینوں کی رانیاں ان کے آس پاس ایک تابناک، دلفریب مستقبل کی تعمیر میں مصروف تھیں۔ اس مستقبل کو پیدا نہ زمین کرنے کے لیئے بھارتی توپوں کے دہانے آگ اگل رہے تھے۔ لیکن ان کے چھوٹے چھوٹے بچے دیہاتی مدرسوں کے صحن میں چاند تارے سے مزین پرچم کے زیرِ سایہ کھڑے "مرکز یقین شاد باد!" کا ترانہ گا رہے تھے۔

Marfat.com

نواں باب

بدگمانیوں کا پٹارہ

درختوں کے سائے تیزی سے پھیلتے اور گہرے ہوتے چلے جا رہے تھے۔ کیپٹن صادق کی نظریں اپنے مستقر اور ملٹری ہسپتال کے درمیان الجھی ہوئی تھیں۔ وہ سیالکوٹ تک تو آ پہنچا تھا لیکن اب واپس کیسے جائے گا؟

جب اس نے ہسپتال کے دروازے پر قدم رکھا، شام کے جھٹپٹے، کلوروفارم کی تیز لو میں ڈوبے ہوئے کمروں سے نکل کر برآمدے میں رینگ رہے تھے۔ نرسوں کے لباس میں ڈھلی ہوئی فریدہ، ممتاز کو چارج دینے کے بعد سیڑھیوں پہ کھڑی "شب بخیر" کہنے ہی والی تھی کہ اپنے خیال میں کھویا ہوا کیپٹن صادق دونوں کے قریب سے نکل گیا۔

فریدہ نے بے پناہ اضطرار و اضطراب کے باوجود کمال چابکدستی سے ستون کی آڑ لی اور ممتاز کی نظریں کیپٹن صادق کی پشت سے ہٹ کر اس پہ جم گئیں "کیا ہوا؟"

"جانے میں اپنی کوئی چیز کمرے میں بھول آئی ہوں۔"

"جا کر دیکھ لو۔"

"پر کون سی چیز؟"

"فری! بڑی تیزی سے بکھرتی چلی جا رہی ہو، اب تو تمہیں دیکھ کر دل دکھتا ہے۔"

Marfat.com

اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنی توجہ فریدہ سے ہٹانے کے لیے ایک بار پھر کیپٹن صادق کو دیکھنے لگی، وہ نیم تاریک، طویل برآمدے میں ایک ایک دروازے کا کتبہ غور سے پڑھتا، آہستہ آہستہ آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

ممتاز نے اس پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا! "آرمرڈ کور کا خوش قسمت کیپٹن"۔ پھر اس نے فریدہ کی طرف رُخ پھیرا! "اسے ایک نظر دیکھ تو لو، کہیں وہ سچ مچ تمہارا ہی کیپٹن نہ ہو!"

فریدہ "شب بخیر" کہتی چلی گئی اور اپنے کمرے کو تیزی سے جاتے وقت ممتاز کی ٹھک ٹھک سنتے ہی حیران و پریشان کیپٹن صادق اپنے قدموں پر رک کر اس کا انتظار کرنے لگا، ابھی دونوں کے درمیان کچھ فاصلہ باقی تھا کہ کیپٹن نے بیتاب ہو کر پوچھا۔

"آرمرڈ کور کے کچھ جوان آج صبح سویرے یہاں داخل ہوئے ہیں"۔

"کچھ کیوں، بہت سے کہئے" ممتاز اس کے قریب رک گئی۔ "آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں؟"

"سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم"

ممتاز نے دائیں ہاتھ والی وارڈ کو دیکھا "وہاں ——!" پھر کچھ سوچ کر بولی۔

"غالباً انیسواں بستر"

اور وہ اس کا شکریہ ادا کرتا انیسویں بستر کے سامنے پہنچ گیا۔ نوعمر سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم چین سے پڑا سو رہا تھا۔ اس کے مسرور، مطمئن، چہرے پر سہانے سپنوں کے سائے سرکتے دیکھ کر وہ اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکا۔

اس نے جیب سے سگریٹ کی ڈبیاں نکال تپائی پر رکھ دیں اور چپکے سے کرسی پر بیٹھ کر اس کے جاگنے کا انتظار کرنے لگا۔

دُور تک پھیلی ہوئی خاموش وارڈ میں سرسرانے والے بے آواز اندھیرے بڑے عجیب سے لگتے تھے۔ شام تیزی سے گہری ہوتی چلی جارہی تھی۔ وہ بار بار گھڑی دیکھنے لگا۔ انتظار کا ایک ایک پل پہاڑ کی طرح ٹلنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ وہ مضطرب ہوکر اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا۔ عین اسی وقت ممتاز تھرمامیٹر اٹھائے وارڈ میں آئی، کیپٹن صادق اس سے نظریں بچانے کی خاطر اسلم کے چارٹ کو دیکھنے لگا اور ذرا دیر بعد فریدہ کا خط پہچانتے ہی نہ جانے کہاں کھو گیا۔

ممتاز نے اسے جھنجھوڑنے کی کوشش کی! "اس چارٹ پر اتنی عرق ریزی کی کوئی ضرورت نہیں، کیپٹن!" اس نے زخمی کی طرف اشارہ کیا! "اگر ان کے متعلق آپ کے دِل میں کوئی اندیشہ ہو تو فرمائیے، شاید میں ——!"

"اندیشہ؟ کیپٹن صادق ہکلایا! "نہیں، بالکل نہیں!" اور اس کے ساتھ ہی اس نے چارٹ تپائی پر رکھ دیا۔

سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم کی آنکھ کھل گئی اور اپنے کمانڈر کو دیکھتے ہی استقبال کو اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن کیپٹن صادق اور ممتاز نے بیک وقت اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ پھر ممتاز نے "مجھے معاف کیجئے" کے انداز میں تھرمامیٹر سونتا اور کیپٹن صادق کی طرف اشارہ کرکے اسلم کو یاد دلایا! "بڑی دیر سے آپ کے جاگ اُٹھنے کا انتظار کر رہے ہیں" لیکن اس نے اسلم کو اس شدید انتظار پر کمانڈر سے معذرت کرنے کا موقع نہ دیا اور اس کے منہ میں تھرمامیٹر ٹھونسنے کے بعد گھڑی پر نظریں جمائے نبض کی رفتار دیکھنے لگی۔

اندھیرے اور خاموشی کے ساتھ ساتھ کیپٹن صادق کے دل سے اُڈنے والی اداسی بھی تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ اس کی بہکی، بھٹکی نظریں ایک بار پھر چارٹ پر جم گئیں، اور اس کی روح کے عمق سے آواز اُبھری! اتنا بڑا، کھلا دھوکا کون کھاتا!

Marfat.com

جس طرح کروڑوں، اربوں آوازوں میں فریدہ کی آواز لاثانی تھی اسی طرح اس کا خط بھی، اس میں دھوکا کھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ البتہ اسے حیرت تو صرف اس وقت ہوتی جب حیاتیات اور علم الابدان کی گریجویٹ دوشیزہ اس آڑے وقت میں قومی تقاضوں سے منہ موڑ کر میاں جی کا سوگ منانے بیٹھ جاتی۔

پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے فریدہ نے اس کے کندھوں پہ گرا ہوا پہاڑ سا بوجھ اُتار پھینکا۔ اس کا سر فخر سے بلند ہو گیا اور وہ صرف ممتاز اور اسلم ہی نہیں۔ پورے ہسپتال کو بالکل نئے زاویے سے دیکھنے لگا۔

مریض سے فارغ ہوتے ہی چارٹ کی طرف بڑھنے سے پہلے ممتاز نے کیپٹن صادق سے معذرت کی "معاف کیجئے، کیپٹن، یہ میرا فرض تھا!"

"اور آپ نے اسے بڑی دلیری سے نبھایا۔"

پھر اسلم کو بڑی دیر کے بعد پہلی بار زبان سے کام لینے کا موقع ملا۔ وہ رک رک کر کہہ رہا تھا! "آپ نے اتنی زحمت کیوں کی؟"

"تم لوگوں کی حالت دیکھے، تمہاری خیر خیریت دریافت کئے بغیر مجھے چین نہ آیا۔"

اسلم نے آنکھوں آنکھوں میں اپنے کمانڈر کی دوست نوازی کو خراج عقیدت پیش کیا! "میں نے آپریشن کے بعد ہوش میں آتے ہی سب ساتھیوں کی خیر و عافیت پوچھ لی تھی۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہم بچ نکلے اور بہت جلد آپ کی صفوں میں دوبارہ شامل ہوں گے!" پھر وہ چھت پر نظریں جمائے کچھ سوچتا رہا اور خاصی دیر کے بعد اس کے ہونٹ ہلے! "لاہور کا کیا حال ہے؟"

"دشمن کو پوری طرح روک لیا گیا اور وہ صبح سے اس وقت تک نہر کے مشرقی کنارے پڑا ذلیل ہو رہا ہے!"

"اور پُل؟"

Marfat.com

"یقیناً ارمچکا ہو۔"

اسلم نے اطمینان کا طویل، ٹھنڈا سانس لیا!" اور آج کی بے چین رات جس میں بقول کرنل عباسی جنگ اپنا رُخ بدلتی ہے؟"

"آج کی رات جنگ ہمارے حق میں کروٹ بدلے گی۔"

"شکریہ، کیپٹن، اب آپ جائیے۔" اسلم نے بڑی مشکل سے گھڑی پہ نگاہ ڈالی! "رات جوان ہو رہی ہے۔"

"ہمارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟"

"انہیں مجھ پر چھوڑ دیجیے، میں سونے سے پہلے اور کل بھی صبح سویرے، آپ کی طرف سے ان کی خیر خیریت پوچھ لوں گا اور اگر زخموں نے اجازت دی تو رات کے وقت ٹیلی فون کر دوں گا!"

"ہرگز نہیں، میں خود ٹیلی فون کر کے سسٹر سے سب کچھ پوچھ لوں گا۔" اسلم سے مصافحہ کرتے وقت کیپٹن صادق کی نظریں چارٹ کی طرف کھنچ گئیں اور پھر فریدہ کے خط سے آنکھیں چرانے کے لیے اُس نے جواں سال لیفٹیننٹ کو دیکھا! "کسی خاص چیز کی ضرورت؟"

اسلم نے سگریٹ کی ڈبیوں کے انبار کو دیکھا! "وہ تو آپ نے بے کہے پوری کر دی۔"

"تو پھر خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

جب کیپٹن صادق آفیسرز وارڈ سے باہر نکلا، ممتاز اپنے کام سے فارغ ہو کر شاف روم کو جاتے جاتے دہلیز پہ رُک گئی۔ اس کے دل نے کہا! آرمرڈ کور کا یہ کیپٹن فریدہ کے کیپٹن کو ضرور جانتا پہچانتا ہو گا۔ کہہ دو۔ اگر کبھی اُن سے ملاقات ہو جائے تو انہیں بتائیے کہ فریدہ اسی ہسپتال میں آپ کو بلا رہی ہے۔

اور جب کیپٹن صادق اس کے قریب آیا تو دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔
پھر کیپٹن مسکرایا اور "خدا حافظ، سسٹر،" کہتا گزر گیا۔

ممتاز نے اسے روکنے کی بجائے بڑی عقیدت سے ہاتھ لہرایا۔ "خدا حافظ کیپٹن" اِس کے سوا اس کی زبان سے اور کوئی لفظ نہ نکلا۔

ہسپتال کے صدر دروازے تک آتے آتے طرح طرح کے خیالوں نے اس کے دل و دماغ پر یورش کی! اس کھوکھلی شرافت اور وضعداری کی خاطر تمہارا بے رحم کردار کبھی معاف نہیں کیا جائے گا۔ ابھی لوٹ جاؤ اور ڈیوٹی سسٹر سے فریدہ کا پتہ کرو۔ میاں جی کی تعزیت نہ سہی، ویسے بھی اِس کے پاس جانا، اس سے مِلنا، اس کی خیر و عافیت دریافت کرنا اخلاقی فرض ہے۔ پھر اس کی ساری چیزیں۔

جذبات کے تیز و تند دھارے میں بہتے وقت اس نے سنجیدگی سے اپنا دل ٹٹولا! کرنل عباسی کی صاحبزادی اور پروفیسر رضیہ جیسے مخلص دوست اسے اتنی جلدی کسی چیز کی ضرورت محسوس نہیں ہونے دیں گے۔ پھر وہ خود بھی نرس کی حیثیت سے اپنے پاؤں پہ ہموار کھڑی ہو چکی ہے۔ تم نے دوسری جس نرس سے اس کا پتہ پوچھا، اس کے دل میں لاکھوں اچھے برے خیال پیدا ہوں گے، پھر رفتہ رفتہ یہ چہ میگوئیاں ہسپتال ہی نہیں پورے شہر میں اڑ نکلیں گی، اور ایک غم کی ماری دوشیزہ کو پردیس میں سانس لینا مشکل ہو جائے گا — بے چینی کی کوئی ضرورت نہیں، کیا خبر، اگلے روز وہ خود اسی دروازے میں کھڑی تمہیں خوش آمدید کہہ رہی ہو۔

اس خیال کے آتے ہی اسے اپنی مسکراہٹ روکنی مشکل ہو گی! اور تم اسے پہچان نہ سکے پھر —؟

○

Marfat.com

کیپٹن صادق پر بھٹکی سی نگاہ پڑتے ہی فریدہ کے شعور کی شاہراہوں پر سینکڑوں چراغ جل اُٹھے تھے۔ آج پہلی بار، بلیک آوٹ میں سہمے ہوئے سیالکوٹ کا ذرہ ذرہ مُسکراتا نظر آیا۔ جس میدان میں میاں جی گرے تھے، وہیں اس کے سینکڑوں، ہزاروں وارث ایک ایک انچ پر خون کے دریا بہا رہے تھے، قطرہ قطرہ سمندر بن رہا تھا اور اس کی تہ میں بے پناہ طوفان کے تیکھے تیور آسانی سے نظر آ رہے تھے۔

وہ سوچنے لگی! میں دلدار کو جو پیغام دے آئی تھی، انہیں مِل گیا ہوگا! میں نے کیا کہا تھا؟ لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند ایک ایک ذرّے کو آفتاب بنانے والے شاعرِ مشرق کا مولد و مسکن! لیکن اب دشمن یہاں سے اچانک رُخ موڑ کر اس مردِ قلندر کی ابدی آرام گاہ لاہور میں کیا کرنے والا ہے؟

کاش! میں انہیں روک کر اسی ایک سوال کا جواب لے لیتی۔ اور اس کے ساتھ ہی لاکھوں سوالوں، شکوؤں، شکایتوں کے پہاڑ سے اُمڈنے لگے ٹیلی فون پر کرنل عباسی کی زبانی میری التجا کو التفات کے قابل ہی نہ سمجھا گیا۔ پورا ہفتہ بیت رہا ہے، میری زندگی اور موت کی خبر تک نہ لی۔ اور ابھی ابھی میری ویران دنیا پر بے پروائی سے سائے بکھیرتے چلے گئے۔

اپنے ساتھیوں سے ملنے کی خوشی میں اتنا بھی یاد نہ رہا کہ آخر میں بھی تو اسی ہسپتال ہی میں نرس ہوں۔ وہ یوں دامن بچا کر کیوں نکل گئے ہیں نظر نہ آئی یا مجھے پہچان ہی نہ سکے؟

شکست کی پہلی بھیانک جھلک نے اس کی سوچ کے دھاروں کا رُخ موڑ دیا فریدہ کو سویلین کی حیثیت سے پسند کرنے والا سپاہی اسے بطور نرس قبول نہ کر سکا — کیوں؟

ایک ساتھ سارے چراغ بجھ گئے اور وہ اندھیری سڑکوں پر بھٹکتی ہاسٹل میں پہنچ گئی

Marfat.com

پھر اس نے معمول کے خلاف پردے کی آڑ میں کونے کونے کا جائزہ لیا۔ کالج کے بند ہو جانے پر پروفیسر رضیہ لیکچروں کی تیاری سے فارغ ایک کونے میں "بیٹھی کچھ بن رہی تھی۔

فریدہ کو دیکھتے ہی اس نے اون کا گولا اور سلائیاں لپیٹ کر تپائی کے کونے کی طرف سرکائیں اور نہ بایہ اس کے قریب سے چپ چاپ گزرتی کھڑکی کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

رضیہ دیر تک بیٹھی دیکھتی رہی۔ پھر مسکراتی ہوئی آگے بڑھی اور اس کے قریب آکر رک گئی! "تمہاری قسم، رحمت کا فرشتہ لگتی ہو فری!" پھر اس کے ہونٹ اور نتھنے ایک ساتھ پھڑکتے دیکھ کر تاڑ گئی کہ آج وہ ہسپتال ہی سے بھری آئی ہے۔ کیوں؟ وہ سوچنے لگی! مجاہدوں کی حسب دیکھ بھال سے فریدہ کو سکون ملتا تھا آج اس سے یوں اکھڑی اکھڑی دکھائی دینے کی وجہ؟

رضیہ بے اختیار اس سے لپٹ گئی! "کیا بات ہے؟"

"ذرا دم تو لینے دو جیا!"

رضیہ طرح طرح کی باتیں سوچتی ہیٹر کے سامنے آبیٹھی اور اسے "آن" کر کے کھانا گرم کرنے لگی۔ فریدہ ہر چیز سے نظریں چراتی بستر کی طرف بڑھی اور آہستہ سے بولی! "تکلیف نہ کرو! مجھے بھوک نہیں ہے۔" اور اس کے ساتھ ہی کمرے کے دھندلے سناٹے میں گھٹی گھٹی سی ادھوری سسکیاں بتدریج ابھرتی چلی گئیں۔

رضیہ نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ فریدہ تکیے میں منہ چھپائے پڑی لرز رہی تھی۔ آج پہلی بار وہ کانچ کی کمزور چوڑی کی طرح ان سنے چھناکے کے ساتھ ٹوٹ چکی تھی۔

وہ رک رک کر کہہ رہی تھی! "اب تو لوگ مجھے پہچان بھی نہیں سکتے!"

Marfat.com

رضیہ اس کے سرہانے آ بیٹھی اور اپنی انگلیاں اس کے بالوں میں الجھا دیں "کہیں تم کیپٹن صادق کی طرف تو اشارہ نہیں کر رہی ہو ؟" اور پھر خاصی دیر تک فریدہ کو خاموش پا کر اس نے اپنی بات جاری رکھی "ہسپتال آنکلے تھے ؟"

فریدہ بدستور خاموش رہی۔ رضیہ بولی "کب کی بات ہے ؟"

"آج شام کی!"

فریدہ نے آہستہ آہستہ تکیے سے سر اُٹھایا اور رضیہ کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

"تمہارا یہ خیال ہے جس وقت کرنل عباسی انہیں میرا پیغام سنا رہے تھے، اس وقت ٹیلی فون کی برقی رو بند ہو گئی ہو گی ؟"

رضیہ مسکرائی "تمہارے فیصلے پہ کرنل عباسی نے جھک کر سلام کیا تھا کہ اسے کیپٹن بھیا سن لیتے تاروں بھری جھولیاں تمہارے قدموں پہ نہ وار دیتے ؟"

فریدہ کا چہرہ ایک بار پھر تکیے میں چھپ گیا "تم مجھے بیکار بہلاتی ہو جیا!"

کھڑکی کے پار اندھیروں میں بے مقصد جھانکتے وقت رضیہ نے ٹھنڈی آہ بھری "فری! تم کیا جانوں جھیلوں کے کنارے اُترے ہوئے پرندے اور میدانِ جنگ میں سپاہی ہر وقت اشارے کے منتظر ہوتے ہیں۔!"

فریدہ نے بنیائی سے کروٹ بدلی "تمہارا مطلب ہے وہ کرنل عباسی کی بات سنے بغیر ــــ !"

"یقیناً فری، یقیناً! رضیہ نے اس کے منہ سے بات چھین لی: "بوڑھے کرنل کے والہانہ خراجِ عقیدت نے تمہیں یہ سوچنے کا موقع ہی نہ دیا کہ وہ اصل بات کس خوبصورتی سے گول کر گئے "

اور اس کے ساتھ ہی فریدہ کو اپنے گاؤں میں کھیت کے کنارے کیپٹن صادق ہی کی طرح ایک خاموش کھڑا ہوا ٹینک یاد آگیا۔ اس پر لگی ہوئی گنوں کے

دہانے مشتاق، منتظر، آنکھوں کی طرح سرحد پہ چھائی ہوئی تاریکیوں کو ٹٹول رہے تھے۔

فریدہ نے عرصے کے کمزور مریض کی طرح کہنیاں ٹیک کر اپنے آپ کو سنبھالا اور رضیہ کو دیکھنے لگی! "اوہ، مجھے معاف کر دو جیا! حیرت ہے یہ بات خود میری سمجھ میں کیوں نہ آئی؟"

"صرف اس لئے کہ بقول بوا شبید و محبت بدگمانیوں کا پٹارہ ہے۔"

"کیا؟"

رضیہ نے بڑے پیار سے فریدہ کو دیکھا اور ایک ایک لفظ پہ زور دے کر کہا! "اب تم اسی خیال کی میٹھی لوریاں سن کر خوابوں کی خوبصورت وادی میں پہنچ جاؤ اور میں کسی ڈاکٹر کو تمہارے سرہانے بٹھا کر پوچھوں! دن بھر کی تھکی ماندی، بھوکی پیاسی فری کو یوں چین کی نیند کیسے آگئی؟"

Marfat.com

دسواں باب

ساتھیو، مجاہدو!

دس جمادی الثانی کا چاند افق سے جھانک کر لاہوریوں کے عزم و استقلال کو عقیدت سے دیکھ رہا تھا۔

وہ پندرہ صدیوں سے زیادہ کٹھن پندرہ گھنٹوں کا دِن گزارنے کے بعد سوالیہ نشان بنے دسترخوان پر آ بیٹھے۔ پر آج تو کھیتوں، دفتروں اور کارخانوں میں کام سے واپس آنے والوں کے مسکراتے ہونٹوں پہ افسانے تھرک رہے تھے، ایسے افسانے جنہیں سُن کر عروسِ کامرانی کا چہرہ صبح کے تارے کی طرح تابندہ تر ہوتا چلا گیا۔

شہر کے چاروں طرف فوج، اسلحہ اور دور مار میدانی توپیں کھینچنے والی گاڑیوں کا حصار رواں دواں تھا۔ واہگے جانے کے لیئے انہیں جہاں سے جگہ ملتی، طوفانی لہروں کی طرح اچھلتی، بل کھاتی، سرکتی چلی جاتیں۔

پہلی دفاعی دیوار کے چھوٹے بڑے رسخنے "پُر" کرنے کے لیئے ایک ایک دشمن ٹینک کے مقابلے پر مشین گن اور ایک ایک دشمن ڈویژن کے سامنے اور نہیں تو کم از کم ٹبالین بھر شیروں کی صفیں تو آراستہ ہو ہی چکی تھیں۔

نہتے شہری اپنے مٹھی بھر مجاہدوں کو حیرت و حسرت سے تک رہے تھے۔ انہیں

Marfat.com

یقین تھا کہ جس سیلاب کو صرف ایک سو دس رینجرز نے پورے ایک پہر تک بڑی جی داری سے روکے رکھا، فوج کے جانباز انشاء اللہ اس کا رُخ موڑ دیں گے۔

اور پاکستانی فوج نے آزمائش اور ابتلا کے اس عرصہ حشر میں پل بھر کے لیئے بھی قومی امنگوں کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ماؤں، بہنوں اور بیویوں کی عزت اور بچّوں کے مستقبل کی خاطر اُنہوں نے لاہور اور حملہ آور کے درمیان خون کے سمندر اور آگ کے پہاڑ کھڑے کر دیئے۔

دشمن پر کاری ضربیں لگانے کے لئے ان کی توپوں سے نکلنے والے گولے، کائینات کی تاریکیوں میں ٹوٹے ہوئے تاروں کی طرح بھڑک اٹھتے اور ان کی سبزی مائل نیلگوں روشنیوں کے دلفریب، طلسمی عکس لاہور کی شاہراہوں پر رقص کرتے۔

اصل میں وہ اپنے بچّوں — مستقبل کے محافظوں کو انہی منور ڈوریوں سے جھُولا جھُلا رہے تھے۔ اور بالآخر راوی سائفن سے ہربنس پورے تک پھیلی ہوئی توپوں کی لوریاں سُن کر لاہوری بچّے اونگھنے لگے۔

لیکن دوسرے ملکوں میں مقیم پاکستانیوں کو بی بی سی اور "وائس آف امریکہ" نے ایک دَم جھنجھوڑ ڈالا تھا! "بھارتی ٹینک انارکلی میں!"

دُشمن نے پراپیگنڈے کے محاذ پر بھی بڑے زور کا حملہ کیا تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ لاہور اومنی بس سروس کی ایک "ڈبل ڈیکر" کسٹم گیٹ واہگہ پر ہی بھارتی سورماؤں کے ہاتھ لگی تھی۔ اس کی تصویریں، انارکلی بازار کی ان تصویروں کے ساتھ — جن کی لمبی فلم انڈسٹری میں کوئی کمی نہیں تھی — جوڑ دی گئیں اور یوں بھارتی ٹیلی ویژن نے یورپ امریکہ اور افریقہ میں پاکستان پر فتح کا شادیانہ بجایا۔ اس خبر کو سُن کر لندن میں زیرِ تعلیم پاکستانی دوشیزہ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اس کا

Marfat.com

پھولا پھلا خاندان گلبرگ میں رہتا تھا۔ اس کا باپ اور تین بھائی فوج کے تینوں بیڑوں سے وابستہ تھے۔

نیویارک میں ایک پاکستانی تاجر نے جو اپنے بیوی بچے لاہور میں چھوڑ آیا تھا، پاکستانی سفارت خانے کو ٹیلی فون کیا۔ لیکن پورا سفارتی عملہ اپنی سی کوشش کے باوجود اسے مطمئن نہ کر سکا۔

اس بے بنیاد پراپیگنڈے نے دُنیا کو تو خیر حیران کرنا ہی تھا، خود بھارتی لیڈروں کو بھی اُلجھن میں ڈال دیا۔ لوک سبھا میں شری چاون نے بڑے دھڑلے سے کہا تھا! "بھارتی سینکوں نے لاہور کے قریب پاکستانی سرحد پار کر لی"

صرف یہی نہیں جنرل چودھری کے بھانجے میں آکر اس نے ایک تقریر بھی تیار کرالی جس میں سورماؤں کی فاتحانہ یلغار کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا تھا۔ اور حد تو یہ ہے کہ اس فریب خوردہ وزیر جنگ نے اپنی تقریر کے لیے شالامار کو منتخب کیا تھا۔

اور خود جنرل چودھری صاحب نے فاتح افسروں کو جیمخانہ کلب میں "چھوٹے پیگ" پر مدعو کیا تھا۔

ایشیا کی جس خود ساختہ عظیم، قدیم قوم نے پاکستان کو دِل سے کبھی تسلیم ہی نہ کیا ــــ، اس کے طوفانی ڈویژن جیمخانہ کلب میں فتح کا جشن مناتے وقت اپنی خوشیاں دوبالا کرنے کے لیے کیا کیا نہیں کریں گے! یہ دیس میں پاکستانیوں کے دِل ڈوبنے لگے!

ساری دُنیا کو معلوم ہو گیا کہ تنازعہ کشمیر کی آڑ لے کر بھارت کا کاغذی شیر پاکستان کو ہڑپ کرنے کے لیے واہگے سے لاہور پر اچانک جھپٹ پڑا۔ قحط زدہ بھارت، کی ابدی بھوک کا اِس کے سوا اور کوئی علاج ہی نہیں تھا!

جس قدر جلد ممکن ہو سکے، بے دریغ قربانی دے کر، مغربی پنجاب کے حدِ نگاہ تک لہلہاتے ہوئے کھیتوں پر قبضہ کر لیا جائے۔

تقسیم کے بعد ہی سے اِن کھیتوں میں ایک ایک نرم کونپل کی سرسراہٹ سے بھوکے بھارتیوں کے دِل پہ سانپ سے لوٹ جاتے تھے۔

مغربی جرمنی میں مقیم لاہور کے ایک زمیندار کو وہ وقت یاد آگیا جب تقسیم کے صرف چند ہی روز بعد بھارت نے مغربی پنجاب کو ویران کرنے کے لیئے نہری پانی روک لیا تھا۔

کل رات کے پچھلے پہر سے اس وقت تک بی آر بی نام کی جس نہر پہ کشتیوں کے پشتے لگ رہے تھے، وہ لاہور — لاہور کے باشندوں، کسانوں زمینداروں، دستکاروں، دفتری بابوؤں، کالجوں اور سکولوں کے رضا کاروں ہی نے کھودی تھی۔

کھدائی کرتے کرتے کسی اہلِ نظر "کالجیٹ" نے ایک دم ہاتھ روک کر چاروں طرف بھرپور نگاہ ڈالتے اور پسینہ پونچھتے ہوئے کہا تھا! "واہگہ تو محض فریب ہے۔ ہماری اصل سرحد یہی نہر ہو گی!"

"لیکن افسوس!" اس زمیندار نے دِل ہی دِل میں کہا! "دشمن نے یہ سرحد بھی پار کر لی اور اب وہ پاکستان کے دل — لاہور — میں اپنے خونیں پنجے گاڑے اور چھوٹا پیگ چڑھائے پاکستانیوں کے ساتھ اپنی شرطوں پہ صلح کا معاہدہ کر رہا ہو گا!"

کاش! مغربی جرمنی میں مقیم لاہوری زمیندار ہی نہیں بلکہ یورپ، امریکہ اور روس کے عوام، سپاہی اور سالار بھی، پاکستانیوں کی اس ضرب کو دیکھ سکتے جس نے فتح کے جام کی طرف بڑھے ہوئے بازو

Marfat.com

توڑ ڈالے تھے۔

○

چھ ستمبر بھارت کا دن تھا — اس نے ایک ہی روز کے اندر اندر گورداسپور سے فیروز پور تک ایسا آتش فشاں کھڑا کر دیا جس کے کھولتے ہوئے لاوے کا رُخ لاہور کی طرف تھا۔ اور انڈین ایئر فورس کے کینبرا، ویمپائر اور مِگ بمبار اس آگ کو گوجرانوالے، وزیر آباد، گجرات، جہلم اور سرگودھے تک پھیلا چکے تھے۔

لیکن آج، سات ستمبر کے روز انِ شعلوں میں تیرنے کی پاکستان کی باری تھی، گذشتہ رات سینئر کمانڈر فیصلہ کر چکے تھے! لاہور کو بچانے کے لیے دشمن کے بازو پہ کاری ضربیں لگانے کا یہی وقت ہے!

ایڈین ایئر فورس کی اپنی سی کوشش کے باوجود کمکوں اور ساز و سامان کے قافلے پہنچ گئے۔ اور اگرچہ پہلی دفاعی دیوار کے درمیان میلوں لمبے چوڑے شگاف موجود تھے۔ لیکن موت کے متوالوں کو جہاں جہاں قدم جمانے کا موقع ملا، چٹان کی طرح ابھرے، ابھرتے چلے گئے — اور ان چٹانوں کے اوپر پاکستانی فضائیہ کے شاہینوں کی ہیبتناک سرسراہٹیں۔

ان کامیابیوں نے نئی تدبیروں اور تزویروں کے سینکڑوں دروازے کھول دیئے۔ انفنٹری کے ایک سالخوردہ سپاہی کے دِل میں آیا! لاہور اور گوجرانوالے کے درمیان کسی موزوں جگہ سے راوی کو پار کر کے ایک تیز نوکیلی پچر اس زور سے ٹھونکی جائے کہ بی آر بی نہر کے کنارے فتح کا خواب دیکھنے والی

Marfat.com

بھارتی فوج کا جگر پھٹ جائے۔

لیکن اس کام کے لیئے تیز رفتار، بلند پرواز عقابوں کی ایک خاصی لمبی لمبی ڈار درکار تھی۔ جس کے سائے میں "رنجینرز" کے جوان بے روک ٹوک پُل کی تعمیر جاری رکھ سکیں۔ اتنے جہاز کہاں سے آئیں؟

آرمرڈ کور کے ایک آزمودہ کار سینئر افسر کو یہ منصوبہ اس قدر پسند آیا کہ اسے محض جہازوں کی کمی کے باعث رد کرنا اس کے بس میں نہ تھا۔ اگرچہ اس کے ماتحت آرمرڈ دستوں میں اب مزید ریزرو بھرتی کا بوجھ اُٹھانے کی بھی سکت باقی نہیں رہی تھی۔ لیکن اس مجبوری کے باوجود اس نے قابل تقلید ایثار کا مظاہرہ کیا اور نقشے پر نظریں جما کر بولا "اب اور امداد کے لیئے ہوا بازوں کی طرف دیکھتے وقت ندامت سے نظریں جھک جاتی ہیں، یقین کیجئے، سرحد پر منڈلانے والے عقاب ضرورت کے وقت اپنے دوستوں کی امداد سے کبھی دامن نہیں بچائیں گے!" پھر اس نے اصل منصوبہ پیش کرنے والے بوڑھے سپاہی کو دیکھا! "اگر ہمارا ایک مضبوط دستہ، "رنجینرز" کو "کور" کرنے کی ذمہ داری قبول کرلے تو۔؟"

"میں آپ کے مضبوط آرمرڈ دستے سے ہرگز متاثر نہ ہوں گا، بریگیڈیئر خان" ڈویژن کمانڈر نے نقشہ سمیٹا اور اسے بریف کیس میں رکھتے رکھتے رک گیا!

"اس دستے کے کمانڈر کا نام بتایئے!"

"کیپٹن صادق!"

"ہاں — یہ نام تحریر اور تذکروں میں کئی بار دیکھا سنا ہے" ڈویژن کمانڈر نے گھڑی پر نگاہ ڈالی! "اس کی کل کی کارگزاری؟"

"ہسپتال میں زخمی ساتھیوں کی دیکھ بھال!"

"اور گذشتہ رات؟"

Marfat.com

"مکمل آرام کے بعد اب وہ بھوکے باز کی طرح مورچے سے سر اٹھا کر کسی سمت پرواز کے لیئے پر تول رہا ہوگا!"

"تو پھر اسے فوراً منزل پر پہنچ جانے کا حکم سنا دیجیئے!"

شوریٰ میں شرکت کرنے والوں کو رخصت کرتے ہی بریگیڈیئر خان نے بتیابی سے ٹیلی فون کی طرف ہاتھ سرکایا اور اُدھر کیپٹن صادق اپنے ٹیلی فون میں زندگی کی دوڑنے والی لہر محسوس کرتے ہی سگریٹ کا کش لیتے لیتے رک گیا۔ وہ پچھلی رات سے کروٹ پر کروٹ بدل کر نئے دن کے نئے احکام کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور اس نے لپک کر رسیور اُٹھایا! "تاجدار!"

"صبح بخیر، کیپٹن!" بریگیڈیئر خان کی آواز پہچانتے ہی کیپٹن صادق بستر سے اچھلا۔ بریگیڈ کمانڈر بڑی ہمدردی سے پوچھ رہے تھے! "تمہارے زخمی ٹینکوں کا کیا حال ہے؟"

"فریدہ کے سوا باقی سب ورکشاپوں میں کھڑے میرا منہ چڑا رہے ہیں!"

"اور کل رات تمہارے پاس پہنچنے والے نئے فولادی قلعے اور ان کے شاہین صفت جوان ——؟"

"وہ او ——— وہ تو سب کے سب شاد و آباد کھڑے قہقہے لگا رہے ہیں۔"

"محاذ کا نقشہ تم سے کتنی دور ہے؟"

"مشکل سے دو گز —— اور ڈگ آؤٹ میں ٹمٹمانے والے چراغ نے اس کے ذرّے ذرّے کو روشنی کا مینار بنا رکھا ہے۔" کہتے ہی کیپٹن صادق

Marfat.com

نقشے کو غور سے دیکھنے لگا۔

"ذرا اس کے تیرہویں اور چوبیسویں کو آرڈی نیٹ پر نگاہ ڈالو ــــ!"

"مجھے تو اس میں راوی کے باریک، ٹیڑھے میڑھے خط کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔"

"تمہارا خیال سو فیصد درست ہے، کیپٹن! لیکن جب تم وہاں پہنچو گے تو نئی دُنیا آباد دیکھ کر دنگ رہ جاؤ گے۔ رنجینیئرز کے مجاہد پُل کی داغ بیل ڈال چکے ہیں۔ انہیں کور کرنے کا فرض تمہیں سونپا گیا۔" لمحے بھر کی بے ربط، بوجھل خاموشی کے بعد بریگیڈیئر خان نے اچانک سوال کیا! "کیوں ــــ کیسا کام ہے کیپٹن؟"

"آپ کا سب سے بڑا احسان جناب!"

"حوصلے سے کام لو!" بریگیڈیئر خان کا قہقہہ کیپٹن صادق کے ڈگ آؤٹ میں گونج اُٹھا! "بڑے بڑے احسان تو میں نے تم سے بہت دُور چھپا رکھے ہیں ــــ خدا حافظ کیپٹن!"

"خُدا حافظ!" کہتے ہی "تاجدار" کا کمانڈر ڈگ آؤٹ سے نکلا اور ہاتھ کے اشارے سے اپنے ساتھیوں کو ٹینکوں میں سوار ہو کر کوچ ــــ نئی منزل کی طرف کوچ کا حکم سنایا۔!

Marfat.com

سات ستمبر کو چالیس بھارتی طیاروں نے مختلف جگہوں سے سرحد پار کر کے جنگ کے دوسرے روز کا آغاز کیا۔

کل بھی بیس بمبار لاہور، شاہدرہ، گوجرانوالا، وزیرآباد، گجرات اور جہلم پر اُڑتے دیکھے گئے تھے۔ ایک ہنٹر نے گکھڑ ریلوے سٹیشن پر رکی ہوئی "پسنجر" کو ملٹری سپیشل سمجھ کر گولیوں کا نشانہ بنایا۔ جس کے نتیجے میں فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی ایک طالبہ عابدہ طوسی سال دوم شہید ہوئیں۔ بھارتی بمباری کا پہلا شکار!

لیکن پاکستانی شاہینوں نے بھی اس ہنٹر کو سلامتی سے گکھڑ کی فضائیں پار نہ کرنے دیں اور اسے راہوالی کے قریب مار گرایا۔ اس کامیابی کی بھنک پاتے ہی گوجرانوالے کے منچلے ہنٹر کے ڈھانچے تک جا پہنچے اور اس کی "فیوز لاج" کے چمکیلے ٹکڑے ٹرافی کی طرح ہاتھ میں اچھالتے ایک ایک ہموطن کو دکھاتے پھرے۔

آج دشمن کے بگ، کینبرا اور ویمپائیر "ملٹری سپیشلوں" کو نہیں، پاکستان فضائیہ کے قلب — سرگودھا — کے اڈے کو اُڑانے آئے تھے۔ دشمن بیڑے کی پہلی بھنبھناہٹ ٹھیک پانچ بجے سنائی دی۔ یہ صبح کا وہ وقت ہے جب لمحے بھر کو تو زخمی اور بیمار کی بھی آنکھ لگ ہی جاتی ہے۔

لیکن اڈے کی جھاڑیوں میں سمٹے ہوئے سیبر اور "سٹار فائیٹر"، اور ان کے "شریانشین" ہوا باز کل شام ہی شکار کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ "آپریشن روم" روم سے اشارہ پاتے ہی مشرقی پاکستان کے نحر روزگار سکواڈن لیڈر لیم ایم عالم کی قیادت میں صرف تین عقاب، تیر کی طرح فضاؤں میں سنسناتے بادلوں

Marfat.com

کے پار نکل گئے اور اس طرح سرگودھا کی بنجر چٹانوں پہ ساٹھ سالہ فضائی تاریخ کا زریں باب کھُلا۔

انگریز شاعروں نے "معرکۂ لنڈن" کے عنوان سے آر اے ایف کی کامیابیوں پر بڑے شاندار قصیدے کہے تھے۔ اور تو اور بیسویں صدی کے نامور اہلِ قلم، سر ونسٹن چرچل نے بھی اپنی نوبیل انعام یافتہ کتاب "دوسری جنگِ عظیم" میں نازی ہوابازوں پہ انگریز ہوابازوں کی برتری جتانے کے لیئے بڑا زور مارا تھا۔ لیکن سکواڈرن لیڈر عالم نے صرف تیس سیکنڈ میں انڈین ائیر فورس پہ ایسی کاری ضربیں لگائیں جن پہ مستقبل کے ہواباز ہمیشہ فخر کرتے رہیں گے۔

ایک ہی پرواز میں پانچ حملہ آور طیاروں کو سر کے بل گرا کر اس نے نہ صرف نیا ریکارڈ قائم کیا بلکہ انڈین ائیر فورس کو اس حد تک مرعوب کر دیا کہ وہ اس کے بعد ۲۳ ستمبر تک بڑی طاقت کے ساتھ سرگودھا پر دوبارہ حملہ کرنے کی کبھی جرأت نہ کر پائے۔

فضائیہ کو معلوم تھا، پاکستان نے اپنے سارے محدود وسائل سرحد پہ منتقل کر دیئے ہیں۔ اب ملک کے اندر امن و امان قائم رکھنے کا ہمالیہ جتنا پہاڑ اسی کے کندھوں پر آ گرا تھا۔ بری بیڑے کے جانباز چھ ستمبر کی صبح ہی سے جس جس جگہ پاؤں جما کر بیٹھ گئے تھے۔ پورے چوبیس گھنٹوں کی کشمکش کے باوجود انہیں پہلو تک بدلنے کی بھی مہلت نہیں ملی تھی۔

دشمن نے اپنی بے پناہ آتشیں قوت کے ساتھ ان پہ ایسا دباؤ ڈالا تھا کہ فضائیہ کے پر اثر تعاون کے بغیر اس میں کمی کا کوئی امکان نہیں تھا اس آڑے

Marfat.com

وقت میں "نرشتہ صید" ہوابازوں نے بیکراں، نیلگوں فضاؤں میں دُور دُور تک موت کو للکارا تھا۔

چھ ستمبر کی شرمناک ناکامی سے بوکھلائے ہوئے دشمن نے سات ستمبر کی صبح ہی سے، محدود سے دفاعی حصار میں جگہ جگہ شگاف ڈالنے کی مقدور بھر کوششیں شروع کر دی تھیں۔ فیروزپور، امرتسر اور گورداسپور کی شاہراہوں سے کمکی دستوں کا ریلے پر ریلا چڑھتا چلا آ رہا تھا۔ لیکن پاکستانی عقابوں نے قیامت کے کسی قافلے کو منزلِ مقصود تک پہنچنے کی اجازت نہ دی۔

ٹینکوں، طیاروں، طیارہ شکن توپوں اور مارٹروں کے جمگھٹے، رسد اور گولا بارود کے قافلے، کمکی دستوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ریل گاڑیاں، فوجی اہمیت کے مرکز، چھاؤنیاں، ہوائی اڈے اور اسلحہ ساز فیکٹریاں ـــــ صحرا اور دریا ـــــ غرضیکہ بھارت کا ذرہ ذرہ اِن کے شہپروں کی زد میں پڑا لرز رہا تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ فضائیہ نے حملے کے پہلے روز ہی پہر بھر کی یادگار جدوجہد کے بعد نہ صرف طوفان کا زور توڑا تھا بلکہ اس کا رُخ بھارت ہی کی طرف موڑ دیا تھا ـــــ یہ فضائیہ ہی کی کامیابی تھی جس نے پہلے ہی دفاعی خط کو عقب سے محفوظ کر کے دوسرا دفاعی خط کھینچنے کا موقع دیا۔ ساتھ ہی وہ اپنے حریف، بھارتی ہوابازوں کو چند برق رفتار نپی تلی فضائی جھڑپوں میں اِس قدر خوفزدہ کر چکی تھی کہ اب وہ دِن کے وقت پاکستانی فضاؤں میں داخل ہونے سے کترانے لگے۔

دوسری جنگِ عظیم کی گھاگ، نامور انڈین ایئر فورس پر نوخیز پاکستانی عقابوں کے دبدبے کی داستان بھی فضائی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔

Marfat.com

پاکستان کو انڈین ائیر فورس سے جو ترکہ ملا تھا۔ ائیر مارشل ارجن سنگھ کو اس کی حقیقت معلوم تھی۔ چھ ٹائیگر ماتھ — ٹنڈے — دوہرے پروں والے تربیتی جہاز جو سو میل فی گھنٹہ سے تیز نہیں اُڑ سکتے تھے۔ تین گھسے پٹے ڈکوٹے اور ایک فرمیٹر — مال بردار طیارہ!

مارٹی پور، ڈرگ روڈ، لاہور، چک لالہ اور پشاور کے فضائی اڈے ویران اور ان کے "ہینگروں" میں چوکیدار دن بھر پڑے سوتے رہتے تھے۔ صرف چند زیر تربیت پاکستانی ہوا باز بنگلور، پونا اور انبالہ سے خالی ہاتھ یہاں آئے تھے — لیکن ان کے دلوں میں امنگوں کے جہاں آباد تھے۔

ٹھیک سترہ سال پہلے بنگلور کے اڈے پر دو دوست ہوا بازوں نے ایک دوسرے سے آخری بار ہاتھ ملایا۔ ان میں سے ایک — مغربی بنگال کے ہندو ہوا باز — نے افسوس کے ساتھ کہا "نہ جانیں اب ہم کب ملیں گے!"

"بہت جلد!" اس سے رخصت ہونے والے پاکستانی ہوا باز نے جواب دیا۔

"کہاں؟"

"فضاؤں میں!"

اور آج بیسیوں پاکستانی ہوا باز سترہ سال پہلے کیا ہوا وعدہ نبھانے کے لیئے "ساتھیو، مجاہدو!" کے ترانوں سے گونجتی ہوئی فضاؤں میں بھارتی ہوا بازوں کو دن رات للکارتے پھرتے تھے!

Marfat.com

گیارہواں باب

راوی کے کنارے

نصف النہار پر پہنچے ہوئے سورج کی گرم، عمودی کرنیں ذرّے ذرّے کے سینے میں دھنستی چلی جا رہی تھیں۔

کیپٹن صادق، امرود کے جھنڈ میں "فریدہ" پر کھڑا دوربین کی مدد سے میلوں دور راوی کے کنارے اس خوش نصیب خطے کا جائزہ لے رہا تھا جہاں طارق کے وارث — "پاکستان انجینرز" کے جیالے جوان، زمان و مکان سے بے نیاز پل تعمیر کر رہے تھے۔

وہ سوچنے لگا! اگر ان کے کام کی رفتار میں خلل نہ پڑا تو شام تک پل مکمل ہو جائے گا۔ پھر پرلے کنارے سے "طوفانی دستے" بگولوں کی طرح اٹھیں گے اور پورا محاذ ان کی زد میں آجائے گا۔ خاص طور پر لاہور سے دشمن کی توجہ ہٹانے کے لیے کسی آزمودہ کار سپاہی کو بہت عمدہ خیال سوجھا تھا۔

Marfat.com

"اگر ان کے کام کی رفتار میں خلل نہ پڑا" کے خیال کی لذّت محسوس کرتے ہی وہ اپنے ہونٹ چاٹنے لگا۔ نہ جانے دشمن کہاں تھا؟ اس کی راہ دیکھتے دیکھتے دِن ڈھل رہا تھا۔ انتظار کے یہ پہاڑ سے لمحے اسے کبھی راس نہ آئے۔ اس نے آنکھوں سے دوربین ہٹا کر اس کے شیشے رومال سے صاف کئے اور ایک بار پھر نئے سرے سے سرحد کا چپہ چپہ چھاننے لگا۔

حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے ٹیلوں کے سایوں سے عجیب و غریب گہرائیاں امڈنے لگی تھیں۔ کمانڈر کی نظریں ایک بار پھر "ریجنیرز" پر جم گئیں۔ وہ پرلے کنارے پر راوی کے رُخ کے خلاف، مضبوط، فولادی گاڈروں کو ایک دوسرے سے جوڑتے اور انہیں کابلوں اور ڈھبریوں سے کستے آگے سرکتے چلے جا رہے تھے۔

ذرا دیر بعد چند قسمت والے غازی ان کے ایک سرے پر کھڑے اسے کنارے سے سرکائیں گے اور وہ ایک عظیم گھڑی کی سوئی کی طرح اپنے محور پر گھومتا، دریا کو کاٹتا اِس کنارے پر آ لگے گا۔ پھر اسے زمین میں گاڑتے ہی مجاہدوں کے طوفانی دستے یلغار کرتے ــــ

اور اِس خیال کی نسوں کاریوں سے پوری طرح لطف اندوز بھی نہ ہو پاتا تھا کہ ایک "نیٹ" غوطہ لگا کر بادلوں کے پردے چیرتا نمودار ہوا اور پُل کے اُوپر چکر کاٹنے لگا۔ لیکن ابھی وہ آدھا دائرہ بھی طے نہ کر پایا تھا کہ ایک "سیبر" اس پر جھپٹا۔ نیٹ نے اُوپر اُٹھنے کے ہزار جتن کئے لیکن "سیبر" کی

Marfat.com

پُرشکوہ سرسراہٹوں میں اس کی ایک نہ چلی اور وہ بٹیرے کی طرح شہباز کے خوف سے دبکتا اس جھنڈ کی طرف بھاگا جہاں کمانڈر صادق کی قیادت میں "تاجدار" کا ایک ایک جوان ہر قسم کی اُفتاد سے نمٹنے کے لیئے صبح سے منتظر کھڑا تھا۔

سیبر نے تنگ آکر ایک راکٹ داغا۔ کیپٹن صادق کی نظریں نیٹ پر تھیں۔ وہ فضا میں ڈگمگایا۔ پھر اس میں سے ایک شعلہ نکلا اور ذرا دیر بعد اس کی دھجیاں بکھر کر دُور دور جا گریں۔

"ہینچ" میں کھڑے ہوئے کمانڈر نے اپنے سر کے اُوپر، قریب سے گزرنے والے سیبر کے خوش نصیب ہوا باز کو دیکھ کر جوش سے اپنا ہاتھ لہرایا! "یہ ہمارا حصّہ تھا" وہ خوشی سے چیخا! "لیکن اب تمہیں مبارک"۔

ٹینکوں میں صبح سے جکڑے ہوئے جوان خوشی سے بے خود ہو کر اچھلے اور نیٹ کے ٹکڑے تلاش کرنے لگے۔ سیبر کی آواز کو فضاؤں میں جذب ہوئے خاصا وقت گزر چکا تھا۔ لیکن کیپٹن صادق کے کان بدستور اس تھرتھراہٹ پر لگے تھے۔ جو مدھم پڑنے کی بجائے تبدریج ابھرتی چلی جا رہی تھی۔

پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے کچھ جہاز ایک ساتھ ہارڈ تے قریب سے قریب تر آرہے ہوں۔ اِن میں نیٹ، ہنٹر، ویمپائر، کینبرا، روسی مِگ اور فرنچ، مسٹیئرز — پراسرار طیاروں — جیسے سبھی نمونے شامل تھے۔ اب وہ ان کی آواز پہنچاننے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ سب طیارے کچھ اس انداز سے پُل پر آئے گویا چند لمحے پہلے گرنے والا نیٹ انہیں سب کچھ بتا چکا ہو۔ کیپٹن صادق نے نیٹ کے پُرزے سمیٹنے

Marfat.com

والوں کو اشارے سے بلایا۔ دِن بھر کے طویل انتظار کے بعد اللہ نے ان کے لیئے بڑا عمدہ شکار بھیجا تھا۔

اور ابھی ٹینکوں پر نصب توپوں کے دہانے مختلف زاویے ہی بنا رہے تھے کہ سرحد پر اپنی برکی ساتھیوں کی امداد کے صبر آزما کام سے فارغ ہو کر اپنے گھونسلوں کو جانے والے تین پاکستانی طیارے دشمن سکواڈرن پر جھپٹے اور "قیمتی پل" کی حفاظت کے لیئے فضا میں ایک یادگار معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔

سیبروں کے دامن قریب قریب خالی تھے۔ کسی کے پَر کے نیچے ایک اور کسی کے نیچے دو راکٹ خوش قسمتی سے بچ گئے تھے۔ اور سب ہوا بازوں کی خواہش تھی کہ گنّے کے اِن چند تیروں میں سے ایک بھی خطا نہ جانے پائے۔ شکار کو زد میں لانے کے لئے عقابوں کے کرتب دیکھ دیکھ کر کیپٹن صادق خوشی سے جھوم جھوم اُٹھا۔

تیسرا بھارتی طیارہ کاری زخم کھانے کے بعد نیچے گرنے سے پہلے لڑکھڑایا ہی تھا کہ بھارتی فلائیٹ کمانڈر کا دِل دہل گیا اور اسے جان بچا کر بھاگ نکلنے ہی میں نجات کی صورت نظر آئی۔ سیبروں نے تقریباً بیس میل کے دائرے میں پُل کے اُوپر دو تین چکر کاٹے۔ وہ "ریجنرز" کو یقین دلانا چاہتے تھے، ہم خواہ نظر آئیں یا نہ آئیں۔ گھبرانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ بے فکر ہو کر کام کئے جاؤ!

اور ان کا مفہوم سمجھتے ہی پل پر کام کرنے والے جوان فولادی رسّے درست کرنے لگے۔ پاٹ کے مطابق پُل کی لمبائی تقریباً مکمّل ہو چکی تھی

اور اسے پرلے کنارے سے سرکا کر ادھر لانے اور زمین میں گاڑنے کا مرحلہ طے ہوا ہی چاہتا تھا کہ دشمن کو پتہ چل گیا اور اِس منصوبے پہ پانی پھیرنے کے لیئے ایک پوری ٹینک رجمنٹ کے ہراول کو دریا کی طرف بڑھتے دیکھ کر کمانڈر نے اپنے جوانوں کا دِل گرمایا۔!

ہمارے دِن بھر کے صبر اور انتظار کا انعام!" اِس نے سرحد پہ اڑتے ولے گرد و غبار کی طرف اشارہ کیا! "شہادت کے لیئے قسمت آزمانے سے پہلے ایک بات سن لو۔ ہم صرف اپنی فتح کے لیئے آج تک موت کے پیچھے سرگرداں رہے۔ لیکن آج ہمیں دوسرے دوستوں، رنجینئرز کے جوانوں کے ہونٹوں سے فتح کے لگے ہوئے جام کی حفاظت کے لیے قربانی دینی ہو گی۔ لمحے بھر کو بھی پائے ثبات میں لغزش نہ آنے پائے۔ ورنہ قیامت تک ہمارے ماتھے پہ خود غرضی کا داغ بھڑک اُٹھے گا!"

اور یہ کہتے ہی "فریدہ" ہرنی کی طرح اچھلتا، گرد و غبار کے پردوں میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ دشمن کو پُل سے بہت دُور ـــ میلوں دُور روکنا چاہتا تھا۔ تاکہ انجینئرز کے کام کی رفتار میں خلل نہ پڑے۔

تجربہ کار کمانڈر نے اونچے نیچے ٹیلوں کی بھول بھلیاں میں ہراوّل دستے کے ٹینکوں کو اِس ہوشیاری سے الجھایا کہ جب دوسرے ساتھی قریب آئے تو انہیں شکتیمانوں، شرمنوں اور چرچلوں کو دریا کے کنارے بے خبر بیٹھی ہوئی مُرغابیوں کی طرح چن چن کر مارنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔

لیکن اس کے ساتھ ہی دشمن کے پچھلے دستوں نے بھی خوش نصیب شکاریوں کو

Marfat.com

اس عظیم کامیابی پہ چین کا سانس لینے کی مہلت نہ دی اور وہ بجلی کے کوندے کی طرح لپکتے "تاجدار" کے سر پہ آ کڑکے۔!

کمانڈر نے سب سے پہلے مغربی اُفق پہ نگاہ ڈالی۔ وہ دِن اور رات کے درمیانی فاصلے ناپنا چاہتا تھا — ٹینکوں کی جنگ کے طویل تجربے نے اسے دِن اور رات کے وقت حملے اور دفاع کے جُدا جُدا طریقے لکھا دیئے تھے۔

سورج ڈوب رہا تھا اور اس کی زرد، کمزور کرنیں راوی کے کنارے فتح کی آخری منزل طے کرنے والے رنجینرز کے متوالوں کا سینہ ٹٹول رہی تھیں وہ پُل کے ایک سرے پہ کھڑے اسے کنارے سے سرکانے کے اشارے کا انتظار کر رہے تھے۔

پھر اس نے اپنے اردگرد ہار کی طرح آراستہ فولادی قلعوں میں سرگرم کار، چاق و چوبند غازیوں کو جھنجھوڑا "پوری قوم کی موت و حیات کے درمیان صرف تیس منٹ کا وقفہ باقی رہ گیا ہے۔ مکان کی طنابیں تو ہم صدیوں سے کھینچتے ہی چلے آ رہے ہیں۔ آؤ! آج دُنیا کو یہ بھی دکھا دیں کہ بے آواز سر کنے والے زمان کی لگامیں بھی ہماری گرفت میں ہیں۔ وقت کے شہسوار! اپنے راہوار کی لگامیں کھینچو۔ آگے — اور آگے۔"

اور اس کے ثابت قدم ساتھیوں نے کمانڈر کی پیش گوئی صرف بوقت سچ ثابت کر دکھائی۔ ڈوبتے ہوئے سورج پہ سکتہ طاری ہو گیا۔ اس کی ایک نظر بھارتی موٹر بریگیڈ کے اِن ٹینکوں پہ لگی تھی جو حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے چراغوں کی طرح جل رہے تھے اور دوسری نظر راوی کے کنارے پر —!

Marfat.com

پُل کا ایک سرا اُس کنارے کو چھوڑ چکا تھا اور بہت بڑے گھڑیال کی سوئی کی طرح اپنے محور پر گھومتا اِس کنارے کی طرف سرک رہا تھا۔ لیکن اس کی رفتار بہت ہی سست تھی — اعصاب کو چکنا چور کر دینے کی حد تک سست!

عین اسی وقت سینکڑوں بھارتی توپوں کے دہانے کھل گئے۔ ایک ایک انچ پر گرنے والے گولوں کی موسلا دھار برسات شروع ہو گئی اور اس آتشیں برسات میں کماؤں رجمنٹ، راجپوتانہ لانسرز اور لکھ انفنٹری کے برق رفتار ہراول بے روک ٹوک آگے بڑھنے لگے۔

کمانڈر کی نظریں بے اختیار ہو کر سیالکوٹ کی طرف اُٹھیں۔ غالباً وہ بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز کو بتانا چاہتا تھا کہ یہ ہولناک طوفان ہمیں بے بس نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ کے ریکنیئرنس کی کامیابی اب ہمارے ہاتھ سے نکل کر خود اِن کی قسمت کے ہاتھ میں چلی گئی — اللہ ان کا حافظ و ناصر!

○

سورج کے ڈوبتے ہی بھارتی بیٹریوں کے "ریپڈ فائر" سے سرحد کے دھندلے، چٹیل میدان میں زندگی کی لہر دوڑ گئی!

کمانڈر نے فریدہ کے "بینچ" سے سر اُٹھا کر سامنے نگاہ ڈالی۔ "مارٹر فائر" کی روشن محراب قوس قزح کی طرح مشرق سے مغرب تک پھیلتی چلی گئی تھی۔ اس کے نیچے پیش قدمی کرنے والے دشمن دستوں کے سیاہ سائے پہاڑ کی طرح سرکتے

Marfat.com

صاف نظر آنے لگے اور ان کے پیچھے "پُل کے معرکہ" کی کلبلاتی ہوئی بے چینیاں!

وہ سوچنے لگا۔ اگر بکتر بند بھارتی بریگیڈ نے پُل کے منصوبے کو ناکام —

ناکامی کے خیال کو ذہن سے نوچ پھینکنے کے لیے اس نے اپنے اردگرد بکھرے ہوئے "تاجدار" پر نگاہ ڈالی۔ ایک سے دوسرے ٹینک کے درمیانی فاصلے اس کی توقع سے زیادہ بڑھ گئے تھے اور فازلیوں کی صفیں سمٹ چکی تھیں۔ پھر ان زخمیوں کا غم جو اپنے ٹوٹے ہوئے بازو اور ٹانگیں، خاک و خون کے دبیز پردوں میں چھپائے ٹینکوں کے آس پاس خاموش پڑے اپنے ہمدرد کمانڈر کو حسرت سے تک رہے تھے۔

بچے کھچے تھکے ماندے، زخمی ٹینک جس ٹیلے کے دامن میں آرُکے تھے وہاں "مارٹر فائر" کا اتنا زیادہ زور نہیں تھا۔ کمانڈر نے کچھ سوچ کر انہیں اور قریب سمٹ آنے کا اشارہ کیا ہی تھا کہ ایک گولا "فریدہ" کے پہلو میں آبیٹھا۔ "ٹریک" کی دھجیاں بکھیرتا پسلی میں دھنس گیا اور اس کے ساتھ ہی ٹینک میں آگ بھڑک اُٹھی۔

کمانڈر نے عملے کو نیچے کود جانے کا حکم دیا لیکن خود "ہیچ" میں کھڑا نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔ پھر نیچے کود جانے والے ایک ایک جوان دیکھا اور جیر کو موجود نہ پاکر "گن ٹرٹ" میں جھانکنے لگا۔ جیر، اپنے اردگرد تڑپتے، سسکتے ہوئے شعلوں سے بے نیاز مشین گن اُتارنے میں مگن تھا۔ کمانڈر بھی اس کے پاس پہنچ گیا۔ دونوں نے مل کر مشین گن اُتاری اور ذرا دیر بعد مشین گن اور گولیاں سمیٹتے نیچے اُتر آئے۔

Marfat.com

کمانڈر کے تیور دیکھ کر "سیکنڈ اِن کمانڈ" یہ سوچنے میں حق بجانب تھا کہ اب "تاجدار" کو کسی نئی مہم کے لیئے تیار کیا جا رہا ہے۔ اس نے سب سے پہلے سپاہیوں اور ساز و سامان کے اتلاف کی تازہ ترین رپورٹ پیش کی اور ساتھ ہی زخمیوں پر نگاہ ڈالی۔ وہ کمانڈر سے پوچھتے پوچھتے رہ گیا۔ سواری یا سٹریچروں کے بغیر زخمیوں کو ہسپتال کس طرح بھیجا جائے؟

کمانڈر اِن سے نظریں چُرا کر اپنے گرد اگرد جمع ہونے والے افسروں اور جوانوں کی آنکھوں میں جھانکنے لگا! "یہ کہنے سننے کا نہیں، کچھ کر گزرنے کا وقت ہے"۔ اس نے پُل پر نگاہ ڈالی "وطن کی عزت اور بقا کا آخری راستہ! اس کی حفاظت کے لیئے "تاجدار" کے ایک ایک سپاہی کو ایک ایک کمپنی ـــ نہیں، ایک ایک رجمنٹ کی کارگزاری دکھانی پڑے گی۔ یاد رکھو! ہم اکیلے نہیں ہیں۔ راوی کے اُس پار ایک پُورا بٹالین طوفان کی طرح اٹھنے کے حُکم کا منتظر بیٹھا ہے۔ ان کے پیچھے دُور پار توپ خانے اور پھر ہمارے فلک پرواز عقاب!" اس کی نظریں گیارہویں کے اُبھرتے ہوئے چاند میں اٹک گئیں اور چند لمحوں کی صبر آزما خاموشی کے بعد اس نے اپنی بات ختم کی! "چاندنی کی ایک ایک کرن ہماری فتح کی نقیب ہے!"

اس نے افسروں اور جوانوں کی نئی ٹولیاں مرتب کیں۔ ان کے سامنے نقشہ پھیلا کر دشمن رجمنٹوں کے ہیڈ کوارٹرز دکھائے اور انہیں مقررہ "نشانوں" کی طرف الوداع کہنے سے پہلے ایک ایک مجاہد سے مصافحہ کیا! "اگر زندہ رہنے کی تمنا ہے تو موت کو للکارو اور دشمن کی صفوں میں ایسی تباہی مچا دو کہ وہ پیش قدمی کی اُمید سے مایوس ہو کر پسپائی پر مجبور ہو جائے۔!"

Marfat.com

جب دو دو، تین تین جوانوں پر مشتمل ٹولیاں پوری ایک ایک تازہ دم رجمنٹ کی کارگزاری دکھانے کا عزم لیے روانہ ہوگئیں تو سیکنڈ اِن کمانڈر تاڑ گیا اور اس کی بے چین امنگوں کو تھپکتے ہوئے بولا! "تم اِن زخمیوں کو ہسپتال روانہ کرنے کے بعد ہی اپنی مہم پر روانہ ہو سکو گے!"

"کتنی دیر اور انتظار کرنا پڑے گا، کیپٹن؟"

"اس کا جواب کئی باتوں پر موقوف ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ دِل کے ارمان نکالنے کے بعد ہمیں کہاں ملو گے؟"

"سب سے پہلے کوئی ایسی گاڑی تو عنایت کریں جس پر زخمیوں کو ہسپتال بھجوانے کے بعد اطمینان کا سانس لوں" پھر سیکنڈ اِن کمانڈ نے گھڑی پر نگاہ ڈالی اور سرحد کے پار دیکھنے لگا! "اگر زندگی نے ساتھ دیا تو پورے چار گھنٹوں کے بعد اسی جگہ!" کہتے ہی وہ زخمیوں کی طرف چل دیا۔

کمانڈر نے اپنی ٹولی کو کوچ کا اشارہ دیا ہی تھا کہ راوی کے اس پار سے پاکستانی توپیں گرجنے لگیں اور ان سے لپکنے والے شعلوں کی اُفتاد اور رسائی کا حلقہ تیزی سے پھیلتا چلا گیا۔

کیپٹن صادق نے دائیں بائیں نگاہ ڈالی۔ اس کے گرداگرد نیم دائرے میں دشمن کی کئی نئی چوکیاں آباد ہو چکی تھیں اور پُل کی طرف پیش قدمی بدستور جاری تھی۔

پاکستانی توپ خانے کے فائیر کی روشنی میں اس نے دُوربین کی مدد سے "ریکنبرز" کے جیداروں کی کارکردگی کا جائزہ لیا۔ پُل کا دوسرا سرا اس کنارے

Marfat.com

کو چھو رہا تھا۔ پھر اس نے ایک ساتھ دس بارہ غازیوں کو فولادی رسموں کے ساتھ کنارے لگتا دیکھا اور بے اختیار ہو کر انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔

وہ جانتا تھا کہ بٹالین بھر غازی جو صبح ہی سے پُل پار کرنے کے منتظر بیٹھے تھے توپ خانے کے آتشیں پردے کی آڑ لے کر آن کی آن میں اس کنارے پر چٹان کی طرح آجمیں گے۔ اب دشمن ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

"رنجینرز" کی فتح کے سرکش سرور کیسا تھ ہی اپنے جوانوں کی جرأت کا کیف محسوس کرتے ہی اس کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ صرف "رنجینرز" ہی نہیں "تاجدار" بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ کامیابی کی انہیں بھاری قیمت ادا کرنی پڑی تھی — زندہ اور جوان قومیں کامیابیاں تولتے وقت قیمت پر کبھی غور نہیں کرتیں!

اور اس خوشی کے کیف کو دیرپا کرنے کے لیے عقابوں کا سکواڈرن عین وقت پر پہنچا اور دشمن کی پیش قدمی کرنے والی صفیں ٹوٹنے کے لیے جب انہوں نے "فلیئر" گرائے تو روشنی کے سیلاب میں کمانڈر کو انڈین موٹر بریگیڈ ہیڈ کوارٹر صاف نظر آنے لگا۔ اس میں "فخرِ ہند" کے شکتیمان بھی شامل تھے۔ اس کے دل نے کہا! راوی کے اس پار نیا محاذ کھولنے والے مجاہدوں کو اگر کوئی خطرہ پیش آسکتا ہے تو اس میں یہ شکتیمان سب سے آگے ہوں گے۔ انہیں جنگ کی جھیل سے مچھلی کی طرح صاف نکال لینا وقت کی بہت بڑی ضرورت تھی!

جیر کی نظریں بھی اس نئی چوکی میں دور دور تک بکھرے ہوئے ساز و سامان کے انباروں پر لگی تھیں۔ وہ اپنے ہونٹ چاٹنے لگا! کمبختوں کی ہر چیز نئی ہے!"

Marfat.com

کمانڈر مسکرایا! "ہمیں تو صرف ایک جیپ یا" ویپن یرکٹر" کی ضرورت ہے۔"

"معاف کیجئے، کیپٹن! آج تو میں جنرل چودھری کے لنگر کا ساگ پات ضرور چکھوں گا!" یہ کہتے ہی جیر نے بھری ہوئی میگزین "بریچ بلاک" پر ٹکائی اور مشین گن سونتے پھونک پھونک کر قدم رکھتا آگے بڑھنے لگا۔

کیپٹن نے سب ساتھیوں کو پھیل کر دبے پاؤں چلنے کا اشارہ کیا اور وہ توپ کے گولوں سے پڑے ہوئے گڑھوں، ٹیلوں، جھاڑیوں، درختوں اور کھیتوں کی آڑ لیتے شکارگاہ کی طرف رینگنے لگے۔

ذرا دیر بعد کمانڈر ایک جیپ کی آواز پہ کان لگائے اس کی سمت اور فاصلے کا اندازہ لگانے لگا۔ محاذ کی دیکھ بھال کرنے والی انڈین موٹرائزڈ بریگیڈ کی جیپ اس کے منصوبوں میں پکے رنگ بھر رہی تھی۔

کچھ دور تک چلتے چلتے سوچنے کے بعد ایک ٹیلے کے قریب پہنچ کر اس نے ساتھیوں کو قریب آنے کا اشارہ کیا اور جیر سے کہا! "اس جیپ میں زیادہ سے زیادہ ایک برین یا براؤننگ گن اور تین چار سکاؤٹوں کے سوا اور کیا ہوگا؟ تمہارا کمال یہ ہے کہ ایک ہی بوچھاڑ میں چاروں ٹائروں اور ٹینک پر خراش آئے بغیر سب کو ختم کر کے رکھ دو!"

"ایسے ہی ہوگا"۔ جیر نے پوزیشن لے کر "سیفٹی" اور "ریپڈ فائر" کے کنٹرول درست کئے! "اب اسے ذرا آنے دیجئے!"

"وہ آئی!" کمانڈر نے گنر کے کان میں سرگوشی کی۔

Marfat.com

جیر کی انگلی کے اشارے پر مشین گن کے دہانے سے شعلوں کا ایک بھرپور جھرمٹ نکلا۔ پھر دو تین چیخیں سنائی دیں اور اس کے بعد جیپ ایک تیز موڑ کاٹتی اور چیختی میدان سے ہٹ کر کھیت میں جا رُکی۔

اِسی لمحے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے شکار کی کمین گاہوں سے لپکے اور اپنے اپنے شکار کو آدبوچا۔ جیپ کا ڈرائیور، وائرلیس آپریٹر اور مشین گنر ختم ہو چکے تھے۔ صرف پارٹی کا انچارج حوالدار زندہ تھا۔ اس کی ٹانگ بھی جاتی رہی تھی۔

بدقسمتی سے یہی شخص کمانڈر کے حصّے میں آیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ زخمی حوالدار کی آنکھوں سے حسرت اور مایوسی ٹپکنے لگی اور کیپٹن صادق کی آنکھوں سے مروت اور انسان دوستی کے بے پناہ دھارے۔

اس نے جیپ سے "فرسٹ فیلڈ ڈریسنگ" نکالی اور پٹی کے دوران میں دونوں نے آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے سے اتنی باتیں کر لیں کہ کسی کو زبان سے کام لینے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ اتنے میں جیر، بھارتی گنر کی وردی پہنے، اپنی وردی ہاتھوں میں اُچھالتا چپ چاپ کمانڈر کے قریب آ بیٹھا اور زخمی سے کہا! "اب جلدی سے پاس ورڈ بتا دو۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے!"

زخمی نے کمانڈر کو ایسی نظروں سے دیکھا جو کہہ رہی تھیں! اگر آپ ضمانت دیں تو ــــ

اس کے خیال کی آواز سن کر کمانڈر نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا!

تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ پاس ورڈ بتا دو!"

"دوارکا!"

"بہت اچھے!" جیر اس کی طرف سرکا اور اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی وردی کی طرف اشارہ کیا! "اب لمحے بھر کے لیئے یہ وردی تم پہن لو اور اپنی وردی کیپٹن صاحب کو دے دو۔" اور اس کے جواب کا انتظار کئے وردی اُتار کر کمانڈر کے حوالے کر دی اور بڑی شان سے مسکرایا! "اب اس میں میرا کیا قصور، کیپٹن! بھری جیب میں کوئی افسر موجود ہی نہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے آپ بھی حوالدار بن کے دیکھیں۔ بڑا نشہ آئے گا!"

کمانڈر جیپ کی اوٹ میں وردی بدلنے لگا اور دوسرے ساتھی اپنی اپنی بش شرٹوں کے جیبوں سے بھارتی سپاہیوں کی "پے بکیں" نکال کر ان کے نام اور رجمنٹ نمبر رٹنے لگے۔

تھوڑی دیر کے بعد کمانڈر بھی پے بک پر نظریں جمائے جیپ کی اوٹ سے برآمد ہوا اور جیر نے بے ساختہ قہقہہ لگایا! "تمہارا نام؟"

"حوالدار ہردیال!"

"اور نمبر ——؟"

"بہت ہی لمبا ہے۔ یاد کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ لیکن ہم ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کر سکتے!"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں!"

جیر نے دوسری لاشوں کے ساتھ حوالدار کو بھی نیچے اُتارا۔ "دیب اکویپ منٹ" کی لڑیوں سے اس کی مشکیں کسیں۔ منہ میں رومال ٹھونسا اور جھاڑیوں میں لٹا کر ترپال سے اچھی طرح ڈھانپنے کے بعد کمانڈر کو "سب اچھا"

Marfat.com

کی رپورٹ دی۔

کمانڈر نے اپنے ڈرائیور کو جیپ میں بیٹھنے کا اشارہ کیا! اسی وقت زخمیوں کے پاس پہنچو۔ سیکنڈ اِن کمان کو ہمارا سلام دو اور یاد رکھو! سی ایم ایچ سیالکوٹ سے اِدھر کہیں رکنے کا نام نہ لینا!"

انڈین موٹر برگیڈ کی پٹرول جیپ فراٹے بھرتی اور گرد و غبار اُڑاتی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ کمانڈر نے اطمینان کا سانس لینے کے بعد سامنے نگاہ ڈالی انڈین موٹر برگیڈ کے ہیڈ کوارٹرز میں ایک دوسرے سے دُور دُور کھڑے ہوئے شکستیمانوں کی سلیٹی، سیاہ چٹانیں بڑی سہانی دکھائی دے رہی تھیں۔

کمانڈر نے پلٹ کر جیر کو دیکھا! "کیا سمجھے؟"

"سمجھ گیا، کیپٹن — سب کچھ سمجھ گیا!"

بارہواں باب

حوالدار ھردیال

پاکستان ائیر فورس کے سربکف ہوا بازوں نے بھارتی بکتر بند ڈویژن کے ان تمام طوفانی دستوں کو، جو شام ہی سے پل کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے اپنی پے در پے کاری ضربوں سے نہ صرف رُک جانے بلکہ پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔

یوں لگتا تھا کہ سبکیراں، بے سنگ و میل خلا میں ۱۲ رجمادی الثانی کے چاند کی مشعل صرف انہی عقابوں کی رہبری کے لیے روشن کی گئی تھی اور ان کی دور بینی کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں گز نیچے جس شئے نے بھی ذرا سی حرکت کر کے زندگی کا ثبوت دیا۔ ان کی زد سے بچ کر جانے نہ پائی ـــ اور گھنٹے بھر کی آتشباری کے بعد دشمن کی کائنات پر ہو کا عالم طاری ہو گیا۔

اپنے گھونسلے کو واپس جانے سے پہلے ایک ہوا باز نے انڈین موٹر بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز پر غوطہ لگا کر "فلیئر" چھوڑا۔ اس کی بے داغ روشنی میں ذرہ ذرہ چمک اُٹھا اور ساتھیو سمیت جھاڑی میں بیٹھا ہوا کمانڈر اپنی باریک بین نگاہوں میں

Marfat.com

دشمن کیمپ کا کونا کونا چھاننے لگا۔

فلیئر چھوڑنے والے ہوا باز نے اِس ٹولی کے عین سر پر پہنچ کر سیبر کو اوپر اُٹھایا۔ اس کے انجنوں کی ہیبتناک دھمک سے جیر پر کیفیّت سی طاری ہو گئی۔ وہ اپنے طیارے کو دیکھ کر مسکرایا اور اِس کی طرف اشارہ کر کے کمانڈر سے سرگوشی کی! "کہیں یہ ہمیں سفید آنکھوں نہ مروا دے!"

سفید آنکھوں کے حوالے سے کمانڈر کو شیر اور گیدڑ والا پورا لطیفہ یاد آگیا یہ جیر کا مرغوب لطیفہ تھا اور ہفتے بھر کی جنگ میں وہ اسے تقریباً ایک ہزار بار مزے لے لے کر سنا چکا تھا۔ کمانڈر بھی اپنی مسکراہٹ روک نہ سکا اور جیر کو دیکھ کر بولا! "تو پھر تم اپنی آنکھیں سُرخ کیوں نہیں کر لیتے؟"

"جب تک فخرِ سندھ کا کالا ہاتھی سامنے نہ ہو۔ میری آنکھیں سُرخ نہ ہوں گی"۔

"تو پھر سُنو!" کمانڈر نے سب ساتھیوں کو متوجہ کیا! "فلٹر کے بجتے ہی جس جس طرف سے سینگ سمائیں، کیمپ کے اندر پہنچ جاؤ اور کوارٹر گارڈ کے پاس انتظار کرو"

ذرا دور دو تین طیارہ شکن توپیں ایک ساتھ گرجیں پھر ٹریسر راؤنڈز کی سبز، نیلی پیلی پھلجھڑیاں عقاب کے راستے کی نشان دہی کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد سیبر سے چھوٹنے والے دو نیچے تلے راکٹ سنسنائے طیارہ شکن توپیں خاموش ہو گئیں اور انڈین موٹر برگیڈ ہیڈ کوارٹرز پر ایک بار پھر موت کا سکوت چھا گیا۔

پاکستانی طیاروں کی تھرتھراہٹ ابھی تک رات کے سناٹے میں بھٹک رہی تھی۔ کوارٹر گارڈ سے "سب اچھا" کا سائرن بجا اور سب سے پہلے آگ

بجھانے والا عملہ حرکت میں آیا۔ پھر معمول کے مطابق دوسرے لوگ بھی اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔

کیپٹن صادق کی نظریں اس فیڈر پر لگی تھیں جو شکتیمان "کا کوڑ" کھولنے کے لیے ایک پیچ کی جھری میں پیچ کس پھنسا کر نہ جانے کس دُنیا میں جا پہنچا تھا۔ عین ممکن ہے۔ گھر سے آیا ہُوا وہ تازہ خط اس کے ذہن پر سایہ ڈال رہا ہو جس میں گیہوں کی مہنگائی نہیں نایابی کا ذکر بڑے دردناک پیرائے میں کیا گیا تھا۔

پھر حوالدار کی وردی میں ملبوس کمانڈر کو دیکھتے اس نے ندامت کے احساس میں ڈوب کر پیچ کھولنے کی کوشش کی لیکن جب اس کا پیچ کس لگاتار تین بار "سِلپ" ہوا تو حوالدار اس کے قریب پہنچ گیا اور ہمدردی سے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟" اور اِدھر سے کوئی جواب نہ پا کر اپنی بات جاری رکھی! "کھانا کھا لیا؟"

"ہاں — میں تو کھا چکا ہوں!"

"تو پھر تمہیں کس بات کا غم ہے؟"

"نیند — حوالدار جی۔ جب سے یونٹ میں آیا ہوں۔ کام، کام، کام!"

"وہ تو کرنا ہی پڑے گا۔" حوالدار کی نظریں اس جگہ جم گئیں جہاں پانچ چھ ڈانگریاں بڑی بے ترتیبی سے بکھری پڑی تھیں۔ اس نے چھانٹ کر ایسی ڈانگری اُٹھائی جس کی آستین پر کسی نے چاک سے حوالدار کی تین "پھیتیں" کھینچ رکھی تھیں۔ وہ اسے اپنی وردی کے اُوپر پہنتا فٹر کی طرف مُڑا اور اِس سے پیچ کس لینے کی خاطر اپنا ہاتھ بڑھایا! تمہارا ٹول بکس کہاں ہے؟"

فیڑ نے تیزی سے پیچ کس اس کے حوالے کیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر چابیاں نکالیں اور ٹول بکس کی طرف اشارہ کیا! "وہ رہا!"

"اب جاؤ!" حوالدار اس سے چابیوں کا گچھا لے کر اپنے ہاتھ میں اچھالنے لگا! "اور لمبی تان کر سو جاؤ۔ یہ یاد رکھو۔ آئندہ میرے سامنے نیند کا رونا کبھی نہ رونا۔"

فیڑ نے اپنی دس سالہ ملازمت میں ایسے نیک حوالدار بہت کم دیکھے تھے وہ اسے دعائیں دیتا اور ڈانگری اُتار کر پھینکتا اپنے "ڈگ آوٹ" کی طرف بھاگا اور حوالدار ایک ہاتھ میں پیچ کس اور دوسرے میں چابیوں کا گچھا اچھالتا کوارٹر گارڈ کی طرف۔

جیرا سے دیکھتے ہی لپکا اور اس کی ڈانگری کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا! "اس نے میری ڈانگری آپ کو نہیں دی؟"

"نہیں!"

"بڑا اچھڑے باز ہے" جیر نے کمانڈر کے ہاتھ سے پیچ کس لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا! "ذرا بتائیے تو — وہ ہے کہاں؟"

حوالدار نے شکیتمانوں کی قطار کو دیکھ کر بڑے انوکھے انداز میں آنکھ ماری!

"وہاں!"

جیر پیچ کس گھماتا اور "چوری، چوری" کی دھن میں سیٹی بجاتا بالکل دوسری سمت کو کھسکنے لگا۔ حوالدار اسے حیرت سے دیکھ کر بولا! "کہاں؟"

"مجبور ہوں، حوالدار ہردیال جی!" جیرا اپنے قدموں پر رک گیا! "آلو ساگ بھجیا کی مہک کھینچے لئے جا رہی ہے۔" پھر لمحے بھر کی خاموشی میں اس نے

سامنے "لنگر" کی طرف اشارہ کیا اور ایک ایک لفظ پہ زور دے کر کہا!

"پہلے پیٹ پوجا، پھر کام دوجا!"

"جلدی کرو، جلدی!" حوالدار ہردیال بالکل حوالداروں کے سے انداز میں گرجا! "کام بہت ہے اور وقت تھوڑا۔" پھر اس کی نظر اپنے دوسرے ساتھیوں پہ جا پڑی اور اس نے انہیں بھی تشکیبانوں کی طرف چل دینے کا اشارہ کیا۔

تھوڑی دیر بعد جیرا آلو ساگ بھجیا کو دو کاغذی پھلکوں میں لپیٹتا لنگر سے نکل کر سیدھا کمانڈر کے پاس آیا اور چاروں طرف غور سے دیکھنے کے بعد سرگوشی کی! "جنرل چودھری کا تحفہ!" پھر جیب سے رومال نکال کر اس تحفے کو بڑی احتیاط سے باندھا اور اطمینان کا سانس لے کر کمانڈر کو دیکھنے لگا! "جی۔ اب میرے لیئے کیا حکم ہے؟"

"اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ جاؤ۔" کمانڈر نے فخر مند کے "کالے ہاتھیوں" کی طرف اشارہ کیا! "اور ان کا تیل پٹرول اچھی طرح چیک کر لو!" لمحے بھر کی خاموشی میں کمانڈر نے گنر کا چہرہ ٹٹولا! "سمجھ گئے نا۔؟"

جیرا جواب دینے کی بجائے مسکرایا اور خاموشی سے تشکیبانوں کی طرف سرک گیا۔ حوالدار دیر تک کھڑا اسے دیکھتا رہا اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو کوارٹر گارڈ کی آڑ لیتا ان کریٹوں کی طرف چل دیا جو دور دور تک بکھرے پڑے تھے۔

اس نے مشکل سے دس بارہ گز کا فاصلہ طے کیا ہو گا کہ ایک سنتری

Marfat.com

کرسیوں کی قدِ آدم دیوار کے عقب سے اُبھرا اور سنگین چڑھی رائفل تانے اسے للکارنے لگا! "ہالٹ — ہوکمز ڈیئر!"

"فرینڈ۔!" حوالدار بدستور آگے بڑھتا چلا گیا۔

"پاس ورڈ"

"دوارکا" حوالدار سنتری کے قریب سے گزرتا ہوا کرسیوں کی قطار کے پاس رُک گیا اور انہیں غور سے دیکھنے لگا۔

"حوالدار جی!" سنتری کی آواز اور رفتار بھی تیز ہوگئی! "آپ کو عالم ہونا چاہیئے رات کے وقت رجیٹن صاحب کی راہداری کے بغیر یہاں کسی کو آنے کی اجازت نہیں!"

سنتری کے تیور دیکھتے ہی حوالدار نے کرسیوں کے پیچھے قدم جمائے اور جیب میں ہاتھ ٹٹولتے ہوئے بولا!"

رجیٹن صاحب کا پاس میرے جیب میں ہے۔ دیکھنا چاہو تو آؤ دیکھ لو!" پھر اس نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر سنتری کو دکھایا اور وہ شامت کا مارا اسے کھولنے بھی نہ پایا تھا کہ حوالدار نے شیر کی طرح جست لگا کر اس کا گلا دبوچ لیا اور اپنی آہنی گرفت صرف اس وقت ڈھیلی کی جب سنتری ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

اس نے چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ لاش کو کرسیوں میں چھپایا۔ سنگین چڑھی بندوق کندھے سے لٹکائی اور ایک کرسیٹ اُٹھائے ساتھیوں کی طرف بھاگا۔

Marfat.com

جیر نے آگے بڑھ کر کریٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ پیچ کس کی مدد سے اس کا ڈھکنا توڑا اور اس میں بھرے ہوئے ڈائنامیٹ دیکھ کر گنز کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ کمانڈر نے دوسرے ساتھیوں کو بلایا اور ڈائنامیٹ تقسیم کرتے وقت بولا! "سب کام تیار ہے نا؟"

اس کے ساتھیوں نے جلدی کے مارے اسے جواب نہ دیا اور اپنا اپنا حصّہ سمیٹتے، شکتیمانوں میں موزوں جگہ پر رکھنے کے لیئے دوڑے۔ عین اسی وقت ایک اور سنتری کے بوٹوں کی ٹھک ٹھک سن کر حوالدار نے کریٹ کو تیزی سے ٹینک کے نیچے کھسکا دیا اور اپنے ہاتھ جھاڑتا جیر کی طرف بڑھا۔

جیر اپنے کام میں مگن تھا۔ کمانڈر اسے تازہ خطرے سے خبردار کرنے کیلئے کھانسا! "ان ٹینکوں پر کبھی کام بھی کیا ہے؟"

جیر فوراً سنبھلا۔ سنتری کو دیکھا۔ وہ ان سے ذرا دور "راؤنڈ" لگا رہا تھا۔ جیر بولا! "بھئی رام قسم، حوالدار ہردیال جی۔ جبلپور کی جس فیکٹری ماں یہ شکتیمان ڈھلے ہے نا — !" اس نے اپنے حصّے کے ڈائنامیٹ ٹھکانے لگانے کے بعد اپنے ہاتھ بار بار اُلٹ پلٹ کر دیکھے اور بات جاری رکھی! "انہی پاپی ہاتھوں سے اس کی نیو رکھی ہے۔!"

"مجھے تم پر پُورا پُورا بھروسا ہے!" کمانڈر نے گنز کو یقین دلایا! "پر اب ڈینگیں مارنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کوَر لگاؤ، کوَر!"

سنتری دُور نکل گیا تھا — حوالدار نے جیر سمیت سب ساتھیوں کو

ڈائنامیٹوں کے ساتھ تار جوڑنے کا اشارہ کیا اور ابھی ان کا کام آخری مرحلے میں داخل ہوا ہی تھا کہ کمانڈر کے کان ایسی آواز پہ لگ گئے جسے وہ بجا طور پر اوّل دستے کے کمانڈر کی آواز سمجھا۔ وہ اپنے افسروں کو ہدایات سنا رہا تھا۔ یقیناً پل پہ مجوزہ حملے کی ہدایات!

پھر جیسے جیسے غازیوں کے کام کی رفتار تیز ہونے لگی۔ دشمن کیمپ اسی تیزی سے بیدار ہونے لگا۔

حوالدار نے ساتھیوں سے کہا "ایک ایک تار بڑی احتیاط سے کھینچتے کیمپ کے دروازے کی طرف۔ میں ابھی آیا" اور اس کے ساتھ ہی وہ کسی ایسی گاڑی کے کھوج میں نکل گیا جو انہیں دشمن کے نرغے سے نکال کر لے جائے۔

وہ اسی دھن میں سرگرداں ایک "ویپن کیریئر" کے قریب پہنچا ہی تھا کہ ایک نوجوان میجر اچانک اس کے سر پہ آدھمکا "کیا کر رہے ہو؟"

حوالدار نے بڑے زور سے سیلیوٹ مارا "سر! ایک ایسی گاڑی کا کھوج لگا رہا ہوں جس کا پٹرول ٹینک چھلک رہا ہو"

"کیوں ——؟"

"گشت کے لیئے!"

"اچھا —— تو تمہیں گشت کا اس وقت خیال آیا جب ہم اٹیک کرنے جا رہے ہیں۔؟"

"ہم بہت دیر سے نکلے ہوئے ہیں، سر —— کمبخت سیبروں نے راستے

Marfat.com

ہی میں آ لیا۔ جیپ اُڑ گئی۔ ایک جوان کام آیا، دو زخمی ہو گئے۔"

"ویری گڈ، ویری گڈ ـــــ تمہارا نام؟"

"حوالدار ہردیال، بی کمپنی!"

"صبح سویرے دفتر میں رپورٹ کرنا۔ میں تمہارے لیئے اشوک چکر کی پُرزور سفارش کرونگا۔"

اس وقت بھی میری مدد کیجئے، سر۔ ایک ایسی گاڑی جس پر سوار ہو کر ہم ٹیک سے پہلے پُل تک پورے محاذ کا راؤنڈ لگا سکیں!"

میجر نے ذرا دُور رُکی ہوئی جیپ کی طرف اشارہ کیا! "میری جیپ لے جاؤ اس کا سپیئر ٹینک بھی ہونٹوں تک بھرا ہے!"

سپیئر ٹینک والی جیپ مِل جانے کی خوشی میں حوالدار کو سیلیوٹ کرنے کا خیال ہی نہ رہا۔ وہ جیپ کی طرف بھاگا۔ اسے سٹارٹ کیا اور کیمپ کے دروازے کی طرف بڑھتے وقت اس کی چاروں طرف گھومنے والی نظریں میجر پہ جا ٹپڑیں وہ ابھی تک اسی جگہ کھڑا بڑی شان سے چھڑی گھما گھما کر حوالدار ہردیال کو دیکھ رہا تھا اور ساتھ ہی سوچ بھی رہا تھا! بھارت ماتا کے صرف یہی جیدار سپوت اشوک چکر کے حقدار ہیں۔

اس کے قریب سے گزرتے وقت حوالدار کو اپنی حماقت پہ بہت افسوس ہوا ـــ ایسے مہربان میجر کو سیلیوٹ نہ کرنے کی حماقت۔ پھر وہ سٹیرنگ سے ایک ہاتھ اُٹھا کر اسے سیلیوٹ کرتا کیمپ کے دروازے پہ پہنچ گیا۔ جہاں اس کے ساتھی ڈائنامیٹ کے تار سنبھالے بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔

Marfat.com

جیپ کی رفتار مدھم ہوتے ہی تینوں غازی اُچھل کر سوار ہو گئے اور وہ چوکی کی حدود سے نکلے ہی تھے کہ ایک ساتھ کئی ڈیزل انجن کھانستے کھنکھارتے گرجنے لگے۔ ذرا دور جا کر حوالدار نے جیپ روکی اور فیتوں کو آگ لگا دی۔

لیکن انہیں انڈین موٹر برگیڈ ہیڈ کوارٹرز میں چھوٹنے والی آتشبازی سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہ ملا۔ تعاقب کے خوف سے اِن کی جیپ فراٹے بھرتی زمین کی طنابیں کھینچتی اُڑتی چلی جا رہی تھی۔

کمانڈر بڑے انہماک سے ڈائنامیٹ کے دھماکے سنتا اس جگہ آپہنچا جہاں جیر نے اصلی حوالدار ہردیال کو جھاڑیوں میں چھپا کر تریپال سے ڈھانپ دیا تھا۔ جیر کو اسے ڈھونڈھنے میں خاصا وقت لگا۔ وہ قید کے غم اور زندگی کے خوف سے کھسکتا اور سرکتا کسی اور ہی جگہ جا پہنچا تھا۔ یہ تو جیر کی خوش قسمتی ہے کہ برگیڈ ہیڈ کوارٹرز کی طرف سے آنے والی جیپ کی آواز سن کر زخمی حوالدار نے از خود ہلنا جلنا شروع کر دیا۔ اس اُمید پر کہ اپنے ہی سپاہی دوبارہ گشت پر آنکلے ہیں۔

اسے حرکت کرتے دیکھ کر جیر اس کے سر پہ جا دھمکا اور اسے تریپال سمیت جیپ میں رکھنے کے بعد کمانڈر کو "سب اچھے" کا اشارہ دیا۔ کمانڈر نے پہلی بار گھڑی پہ نگاہ ڈالی۔ ساڑھے چار گھنٹے گزر چکے تھے۔ اسے سیکنڈ اِن کمانڈ کی یاد ستانے لگی۔ اس نے ٹھیک چار گھنٹے بعد ملنے کا وعدہ کیا تھا۔

لیکن جب کمانڈر مقررہ جگہ پہ پہنچا تو سیکنڈ اِن کمانڈ کو موجود نہ پا کر اس کے ماتھے پہ شکنوں کا جال پھیل گیا اور ایک ایک شکن میں سینکڑوں اندیشے

رینگنے لگے ـــ اگر سیکنڈ اِن کمانڈ زندہ ہوتا تو ٹھیک چار گھنٹے بعد یہاں پہنچ گیا ہوتا۔

اسے جیپ چلانی مشکل ہو گی۔ جو لوگ پورے ایک ہفتے سے آگ اور خون کے سمندر سے اُٹھنے والی ایک ایک طوفانی لہر میں اس کا ساتھ دیتے چلے آئے تھے، انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے پیچھے چھوڑ جانے کا احساس ـــ وہ ٹھنڈی آہ بھر تا ڈرائیور سیٹ سے اُترا اور دوسرے ساتھیوں کے برابر پیچھے آ بیٹھا۔

جیرا اس کی حالت تاڑ گیا اور اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ڈرائیور کو کہنی مار کر سٹیرنگ سنبھالنے کا اشارہ کیا۔ جیپ جھٹکے کے ساتھ آگے سرکی ہی تھی کہ کمانڈر نے بچھڑے ہوئے دوستوں کی یاد کو تھپکنے کے خیال سے جیرا کے جیب پر نگاہ ڈالی۔ جیرا نے رومال میں لپٹے ہوئے کاغذی پھلکے نکال کر کمانڈر کے سامنے رکھ دیئے اور زخمی حوالدار کے اوپر سے ترپال ہٹا کر اس کی مشکیں کھولنے لگا۔

کمانڈر نے بندھا بندھایا رومال حوالدار ہردیال کے سامنے رکھا "صرف آج کی رات اور اپنے اس دیش کا راشن کھاؤ جس دیش میں گنگا بہتی ہے۔ انشاءاللہ کل صبح سے تم ہمارے مہمان ہو گے!"

حوالدار ہردیال نے آنکھوں آنکھوں میں اس کی انسان دوستی کا شکریہ ادا کرنے کے بعد میزبانوں کو بھی دعوت کی شرکت دی۔ سب نے یک زبان ہو کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ جیرا بولا! "ہماری چوکی یہاں سے قریب ہے ہمارے حصّے کا کھانا بڑی بے تابی سے ہمارا انتظار کر رہا ہو گا۔"

Marfat.com

حوالدار ہردیال کھانے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ کمانڈر نے اس کے زخم کی طرف دیکھا! "اَب آپ کی تکلیف کا کیا حال ہے؟"

"پٹی کے بعد خاصا چین ملا ہے۔"

"حوالدار ہردیال۔ اب میں آپ سے صرف ایک بات اور پوچھوں گا۔" کیپٹن صادق نے سگریٹ نکال کر اسے پیش کیا! "یہ کہ پاکستان کو فتح کرنے کے لیے آپ کے جنرل چودھری صاحب نے ہماری سرحد پر کُل کتنی فوج جمع کر رکھی ہے۔؟"

"اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا بہت مشکل ہے!"

"میں جانتا ہوں حوالدار۔ جانتا ہوں۔ پھر بھی آپ نے کچھ نہ کچھ اندازہ تو لگایا ہوگا۔"

"صرف چار ڈویژن کے سوا بھارت کی ساری فوج اسی محاذ پر پہنچ چکی ہے!"

"شکریہ، حوالدار!"

اور اس کے بعد جیپ میں ایسی خاموشی چھائی جو مختصر سے سفر کے دوران بتدریج گہری ہوتی چلی گئی۔ پھر کچھ دیر بعد جیر نے سب سے پہلے اس سکوت کا طلسم توڑا "تیار ہو جائیے جناب ہم اپنی چوکی کی حدود میں داخل ہو گئے!"

Marfat.com

تیرہواں باب

دلفریب جزیرے

"ڈگ آوٹ" میں قدم رکھتے ہی کمانڈر ٹیلی فون کی طرف لپکا اور بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز سے رابطہ قائم کیا۔ لیکن اِدھر سے بریگیڈیئر خان نے اسے پہل کرنے کا موقع نہ دیا۔ یوں لگتا تھا گویا طویل انتظار سے جنم لینے والے گوناگوں احساسات لفظوں میں ڈھل کر اس کے ہونٹوں میں آ بسے تھے! کیپٹن! الفاظ و احساسات کے جال میں اس بُری طرح اُلجھا ہوں کہ — ذرا دیر پہلے ڈویژن کمانڈر کی دلفریب باتوں نے نہ جانے کہاں پہنچا دیا۔ کہ رہے تھے: رنجیئرز نے "تاجدار" کی قابلِ رشک امداد سے اس محاذ کی پہلی اور بڑی شاندار کامیابی حاصل کر لی۔ مجاہدوں نے دشمن کے دونوں بازو توڑ ڈالے — ہمارا ایک طوفانی دستہ کھیم کرن سے اُبھر کر فیروز پور اور امرتسر پر سایہ ڈال رہا ہے اور دوسرا دستہ، راوی کے اِس نوتعمیر پُل کو عبور کر تا گورداسپور سے پٹھانکوٹ تک سارا علاقہ اپنی زد میں لے چکا ہے۔ انہوں نے مجھے خاص طور پر ہدایت کی ہے کہ تمہیں تاجدار کی اِس خداداد

Marfat.com

کامیابی پر ان کی طرف سے پرخلوص ہدیۂ تبریک پیش کروں۔"

اس پرخلوص ہدیۂ تبریک کے بعد کمانڈر نے انڈین موٹر برگیڈ ہیڈ کوارٹرز والا کارنامہ دہرانے کی ضرورت محسوس نہ کی اور اسے خاموش پاکر بریگیڈیئر خان نے اپنی بات جاری رکھی "تم کس قدر تھکے ہوئے ہو؟ تمہارے سانسوں کی رفتار بتا رہی ہے اور میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسی وقت اطمینان سے بستر پر دراز ہو کر چین کی نیند سو جاؤ، ایسی نیند جو تمہیں سہانے سپنوں کے دلفریب جزیروں میں پہنچا دے ـــــ خدا حافظ، کیپٹن!"

"دلفریب جزیروں" کا نام سنتے ہی کیپٹن صادق کے خیالات سی، ایم، ایچ سیالکوٹ کی طرف پرواز کرنے لگے۔ ڈویژن کمانڈر کے پرخلوص ہدیہ تبریک نے محبِ وطن سپاہی کو زندگی میں پہلی بار ایسی مسرّت سے آشنا کیا جس میں فریدہ کو شامل کرنے کی بیتاب خواہش سے گریز اس کے بس میں نہ تھا۔

میاں جی کی موت کے بعد اپنے دل میں سینکڑوں داغ سمیٹے، گاؤں سے رخصت ہوتے وقت اس نے کیپٹن صادق کو جو پیغام بھیجا تھا۔ آج وہ بڑے اعتماد کے ساتھ اس کا جواب دینے کے قابل تھا۔ وہ اسے بتانا چاہتا تھا! فریدہ ـــ دیکھ لو! ہم نے تمہاری خواہش کے مطابق، پاکستان کا خواب دیکھنے والے محسن کے مولد و مسکن سیالکوٹ اور اس کی ابدی آرام گاہ، لاہور پر بھی کوئی آنچ نہ آنے دی۔ ان لاشوں کی دیواریں اور خون سے خندقیں پُر کر کے انہیں محفوظ کر دیا۔

اب تم دونوں شہر آنے والی نسلوں کو میراث کے طور پر بڑے فخر سے پیش کر سکو گی!

Marfat.com

اور اس کے ساتھ اس کا دِل اس بھاری قیمت کے ناقابلِ برداشت بوجھ سے بیٹھنے لگا جو اِن شاندار کامیابیوں کے عوض غازیوں کو ادا کرنی پڑی تھی۔ صرف "تاجدار" ہی کو لیجئے جس کا صرف نام ہی نام باقی رہ گیا ــــ "تاج" کے سارے موتی وطن کی مٹی میں دَب چکے تھے۔ اور تو اور خود "فریدہ" بھی اس سے ہمیشہ کے لیئے بچھڑ چکا تھا۔

اس کا جی چاہا، فریدہ کو صاف صاف بتا دے! اتنی بڑی کامیابیوں کے بعد زندگی میں پہلی بار تنہائی کا احساس ستانے لگا ہے۔ خُدا کے لیئے لمحے بھر کو میری دنیا میں پہنچ جاؤ اور میں کل صبح سویرے جس نئے ٹینک میں بیٹھ کر وطن کے مستقبل کی نئی منزلوں کا سُراغ لگانے والا ہوں، اپنے ہاتھ سے اِس پہ اپنا نام لکھ جاؤ۔ تمہاری قسم! یہی نام ہے جس کا ایک ایک حرف چاروں طرف چھائی ہوئی گمبھیر تاریکیوں میں روشنی کے میناروں کی طرح اُبھر کر میری رہنمائی کرتا ہے۔

اس نے ایک بار پھر رسیور منہ سے لگایا! "ذرا سی ایم ایچ سیالکوٹ سے ملا دیجئے!"

سی ایم ایچ کے سٹاف روم میں بجنے والی گھنٹی کی گونج وارڈ کے اس حِصّے میں صاف سنائی دینے لگی جہاں ڈیوٹی ڈاکٹر، فریدہ اور نرسنگ سپاہی کی مدد سے ایک بے ہوش، زخمی افسر کو خون دے رہا تھا۔

گھنٹی کی آواز سنتے ہی فریدہ اور سپاہی سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم کی نظریں ایک ساتھ ٹیلی فون والے کمرے کی طرف اُٹھیں۔ ڈاکٹر نے نرسنگ سپاہی کو ٹیلی فون پر جانے کا اشارہ کیا اور جب تک وہ کمرے میں داخل نہ ہو گیا۔ فریدہ اور اسلم

Marfat.com

کی مشتاق نظریں اس کی پشت پر جمی رہیں۔

اس نے جاتے ہی رسیور اُٹھایا "سی ایم ایچ سیالکوٹ!"

اُدھر سے کیپٹن صادق نے پوچھا "سسٹر کہاں ہے؟"

"آپ کس سسٹر سے بات کرنا چاہتے ہیں؟"

"بھئی — ڈیوٹی نرس، سسٹر —" فریدہ کہتے کہتے کیپٹن صادق نے بڑی مشکل سے اپنی زبان روکی اور اس کے ساتھ ہی وہ جھینپ کر ہکلایا "میں اصل میں سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم سے بات کرنا چاہتا ہوں!"

"ذرا انتظار کیجئے!" کہتے ہی نرسنگ سپاہی وارڈ میں آیا "کوئی صاحب سسٹر بلا رہے ہیں!"

"کس سسٹر کو؟" فریدہ نے بیتابی سے پوچھا۔ اس کی آواز ایک زخمی سی چیخ تھی جس میں خوشی، سرور، اشتیاق اور اندیشے ایک دوسرے میں گھل مل کر ایسی حیرت انگیز چمک میں ڈھل گئے جو تمام تر اس کی آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔

ڈاکٹر نے زخمی افسر سے نظریں ہٹا کر فریدہ کو کچھ اس انداز سے دیکھا کہ وہ جھینپ کر رہ گئی۔ عین اسی وقت نرسنگ سپاہی اس کے آڑے آیا۔ وہ ڈاکٹر سے کہہ رہا تھا "وہ صاحب اصل میں سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم سے بات کرنا چاہتے ہیں!"

فریدہ کے دل سے پہاڑ سا بوجھ اُتر گیا اور اپنا نام سنتے ہی اسلم بیتابی سے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ فریدہ کے صبر و ضبط کا پیمانہ چھلک اُٹھا "آرام سے لیٹے رہیئے!" اس نے اسلم کو ڈانٹ پلائی۔ یہ اصل میں ٹیلی فون والی چوٹ

Marfat.com

کا درد تھا۔

"بہت اچھا، سسٹر!" اسلم نے ٹھنڈی آہ بھرنے کے بعد نرسنگ سپاہی کو اشارے بلایا! "ان سے کہہ دیجئے آپ کے سارے ساتھی رو لصبحت اور دُعاؤں سے معمور سلام عرض کرتے ہیں۔ ایک دو خوش نصیبوں کو تو کل سے چلنے پھرنے کی بھی اجازت مل جائے گی لیکن مجھے ——!" وہ معاً خاموش ہو گیا اور قدرے توقف کے بعد فریدہ کو دیکھ کر التجا کی! "اگر اجازت ہو تو میں اپنے کمانڈر کو آپ سے متعارف کراؤں؟" اور فریدہ کے جواب کا انتظار کیئے بغیر بات جاری رکھی! "میں ان سے صرف اتنا عرض کروں گا کہ اگرچہ اس وقت ڈیوٹی پر تعینات سسٹر کل والی سسٹر سے ہزار درجے ہمدرد اور مہربان ہیں۔ لیکن نہ جانے میری حالت پر انہیں ترس کیوں نہ آیا!"

"میرے متعلق جو جی میں آئے۔ اپنے کمانڈر سے کہہ دیجئے!" کہتے ہی فریدہ اپنے کام میں لگ گئی۔ ڈاکٹر نے خون کا دباؤ ناپنے والہ آلہ سمیٹا۔ جانے سے پہلے مریض کے چہرے پر نگاہ ڈالی اور فریدہ سے کہا! "سسٹر! ہم اس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ مریض کی حالت رات بھر، آپ کی توجہ کی محتاج رہے گی۔" وہ جاتے جاتے رک گیا اور کچھ سوچ کر بولا! "خدانہ کرے اگر مریض کی بے چینی بڑھ جائے تو مجھے فوراً اطلاع کیجئے۔"

ڈاکٹر کو رخصت کرنے کے بعد فریدہ مریض کے سرہانے —— بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں خون کی بوتل میں جمی تھیں جس سے قطرہ قطرہ خون زخمی کے جسم میں منتقل ہو رہا تھا —— اور جب طویل انتظار کے بعد بوتل خالی ہو گئی،

Marfat.com

تو اسلم نے مریض کی رگ سے سرنج ہٹالی ـــــ لمحے بھر کے لیئے اس کی نبض دیکھی وہ معمول کے مطابق چل رہی تھی۔

اس نے اطمینان کا سانس لینے کے بعد مریض پہ کمبل درست کیا اور وارڈ پہ اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔ ہر چیز پہ سناٹا چھایا ہوا تھا۔ چند قمقمے اور اسلم کی انگلیوں میں خاموش سلگنے والے سگریٹ کے سوا پورے وارڈ میں زندگی کی اور کوئی نشانی موجود نہ تھی۔

وہ شب بیدار، نوعمر سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم کی طرف غیر ارادی طور پہ کھنچنے لگی۔ اس کے قریب سے گزرتے وقت فریدہ کے قدم خوشی اور خواہش کے خلاف رک گئے۔ اپنا اضطراب چھپانے کے لیئے وہ اس کے سرہانے کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف تیزی سے بڑھی اور اسے آہستہ آہستہ بند کر دیا۔

اپنے بستر سے چاندنی کے اُجلے اُجلے داغ یوں اچانک معدوم ہوتے دیکھ کر اسلم نے تڑپ کر کھڑکی پہ نگاہ ڈالی۔ فریدہ بڑی احتیاط کے ساتھ پردہ پھیلا رہی تھی۔

"سسٹر ـــ اگر یہ ہسپتال کے قانون کی خلاف ورزی نہ ہو تو خدا کے لیئے اسے کھلا رہنے دیجئے!"

فریدہ نے چونک کر اسے دیکھا اور تیزی سے پردہ لپیٹ کر کھڑکی چوپٹ کھول دی! "مجھے ڈر تھا کہیں آپ کو سردی نہ لگ رہی ہو۔"

"اگر اس راستے سے گولیاں بھی آ رہی ہوں۔" اسلم نے ہاتھ سے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا! "تو بھی میں اپنی موت پہ اس چاندنی کو ترجیح دونگا!"

فریدہ، اِس دلچسپ نوجوان کے ساتھ کچھ اور باتیں کرنے کی خواہش رد نہ کر سکی اور کھڑکی سے آہستہ آہستہ سرکتی اس کے سرہانے رُک گئی! "اس چاندنی میں ایسی کونسی بات ہَے؟"

اپنے تصوّر کے انمول سرور کو دیرپا کرنے کے لیئے اسلم نے آنکھیں بند کر لیں! "بچھڑے ہوئے ساتھیوں اور میرے درمیان صرف انہی خاموش کرنوں ہی کی ایک ایسی قدر مشترک باقی رہ گئی ہَے جو مجھ ایسے مجبور، معذور سپاہی کے بستر ہی کو نہیں میرے تمام صحت مند ساتھیوں، ان کے ڈگ آؤٹوں، مورچوں، میدانوں اور "فریدہ سمیت "تاجدار" کے سارے ٹینکوں کو بیک وقت چوم رہی ہیں!"

فریدہ — بدنصیب فریدہ! فریدہ کے دِل سے بے آواز سی ہوک اُٹھی! اگر تم گھنٹی کی آواز سنتے ہی ٹیلی فون پر پہنچ گئی ہوتیں تو "ان" سے انتہائی دلچسپ ملاقات ہو جاتی۔

شعلہ صفت احساسات کی یورش سے فریدہ کا سلگتا ہوا سایہ محسوس کرتے ہی اسلم نے تڑپ کر آنکھیں کھول دیں اور رحمت کے فرشتے — فریدہ کو کھویا کھویا سا پا کر بولا! "آپ کہاں ہیں — سِسٹر؟"

فریدہ ایک دم سنبھلی اور بڑی خوبصورتی سے بات کا رُخ پھیر دیا! "ہیں یہ سوچ رہی تھی کہ — آپ بہت سگریٹ پیتے ہیں۔"

اسلم بڑے تفہیمانہ انداز میں مسکرایا! "آپ کا خیال ہے، سِسٹر۔ ورنہ خُدا جھوٹ نہ بلوائے مجھے آخری بار سگریٹ پیئے پورے تیس منٹ گزر چکے

Marfat.com

ہیں!" اس نے گردن پھیر کر ڈبیوں کے ڈھیر پہ نگاہ ڈالی "میرے کمانڈر کا تحفہ۔ ہر سگریٹ کے ساتھ اِن کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور دشمن کی طرح نیند بھی مجھ سے کالے کوسوں دُور بھاگ جاتی ہے!"

فریدہ نے نادانستگی میں بات بڑھائی! "نیند نہ آنے میں زخموں کی تکلیف کا بڑا دخل ہے۔"

"معاف کیجئے سسٹر۔ آپ بھی رات بھر جاگتی اور چائے پیتی رہتی ہیں!" میں پوچھ سکتا ہوں آپ کو کہاں زخم لگا ہے؟ کہتے کہتے اسلم رک گیا۔

فریدہ ہکلائی! "مجھے تو آپ لوگوں کی دیکھ بھال کے لیے مجبوراً ساری رات آنکھوں میں کاٹنا پڑتی ہے۔"

اسلم نے آہستہ آہستہ رُخ پھیر کر فریدہ کو دیکھا! "یہیں پڑے پڑے بیسیوں نرسوں سے پالا پڑا ہے اور ان کے بے نیاز خراٹوں کی بازگشت ــــ یقین کیجئے، یوں لگتا ہے گویا آپ کے مورچے پر ایک ساتھ سینکڑوں سنٹورین چارج کر رہے ہوں۔"

فریدہ مُسکرائی ــــ پہلی بار بے تکلفی سے مسکرائی اور اسلم بھی فیاضی کے ساتھ اس کی خوشیوں میں شریک ہو گیا۔

پھر ذرا دیر بعد پورے وارڈ کو اسی جانی پہچانی خاموشی کی زد پہ چڑھتے دیکھ کر فریدہ سے چپ نہ رہا گیا! "تو پھر آپ کے نزدیک ان کی غافل نیندوں اور میرے رت جگے کی کوئی خاص وجہ؟"

"یادوں کا جادو، سسٹر ــــ دوستوں کے دائرے میں ماضی کی دلفریب

یادیں، مستقبل کے گہرے، گھنے اندیشے، ناکامیوں کے غم اور کامیابیوں کی لازوال مسرتیں!"

سگریٹ کے لیئے اسلم کو ہاتھ سرکاتے دیکھ کر فریدہ بیتابی سے آگے بڑھی۔ ڈبی اُٹھائی، اسے بڑے پیار سے کھولا اور سگریٹ نکال کر اس کے ہونٹوں سے لگایا۔ ہر کام کو بے مثال تیزی سے پورا کرنے والی سسٹر فریدہ کے دل میں اس مختصر سے عمل کو طول دینے کی خواہش نہ جانے تحت الشعور کے کس تاریک گوشے سے سر اُٹھا رہی تھی۔ اسے کہیں یہ بات تو مجبور نہیں کر رہی تھی؟ کہ بقول اسلم یہ سگریٹ اس کے کمانڈر کا انمول تحفہ ہے اور ہر سگریٹ کیساتھ اس کی یاد تازہ ہو جاتی ہے!

اسلم کی خاموشی، سوالیہ نظریں اپنے چہرے پر چبھتی محسوس کر کے فریدہ نے جلدی سے لائیٹر جلایا اور اسلم نے سگریٹ کا کش لینے کے بعد آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اپنے منہ سے آہستہ آہستہ خارج ہونے والے دھوئیں کی آڑ لیتا محاذِ جنگ پر اپنے ساتھیوں کے پاس جا بیٹھا تھا۔ تیل، پٹرول۔ پگھلے ہوئے فولاد اور گرم خون کی تازہ مہک "بریچوں" کی روح میں اُتر جانے والی سریلی آواز، دشمن ٹینکوں کے اُڑتے ہوئے پرخچوں کی پُراسرار سرسراہٹیں، موت سے زندگی کا کھیل اور اس کے بعد پورے محاذ پر چھا جانے والا سکوت، بلا کا سکوت!

چائے کی پیالی سے ٹکرانے والے چمچے کی آواز سُن کر اسلم نے آنکھیں کھولیں۔ سامنے تپائی پر دو پیالیاں رکھی تھیں، اور ان کے پاس فریدہ کرسی پر خاموش بیٹھی اسے حیرت سے تک رہی تھی، وہ مُسکرائی! "آپ کہاں چلے گئے تھے مسٹر

Marfat.com

لیفٹیننٹ ؟"

"محاذ پر!"

"حالانکہ آپ تین روز سے میرے سامنے اِسی بستر پر خاموش پڑے ہیں۔ چائے پیجئے۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے!"

"اور ٹھنڈا ہونے دیجئے۔"

"کیوں؟"

"ہم جلے ہوئے سپاہیوں کے دِل گرمی کے تصور سے کانپ اُٹھتے ہیں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہزار احتیاط کے باوجود فریدہ سر سے پاؤں تک لرز اُٹھی۔ اب کیپٹن صادق سے مزید ایک لمحے کی دوری بھی ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ اپنے دِل میں چھپی ہوئی خواہش سے جھینپتی، کسمسائی اسلم کو دیکھنے لگی! اگر آپ چاہیں تو میں ٹیلی فون یہیں اُٹھا لاؤں، پھر جب تک جی چاہے۔ کمانڈر سے باتیں کرتے اور چائے پیتے رہیئے!"

اسلم نے گھڑی پر نگاہ ڈالی اور اپنی آہ ضبط نہ کر سکا "شکریہ، سسٹر۔ اِس ہمدردی کا بے حد شکریہ۔ کیا خبر، اسی لمحے اِن کی آنکھ لگی ہو!"

اس نے گردن پھیر کر فریدہ کو دیکھا۔ وہ اِس سے نظریں چراتی، کھڑکی کے پار لان میں پھولوں سے خاموش سرگوشیاں کرنے والی چاندنی میں نہ جانے کیا ڈھونڈھ رہی تھی۔

اسلم رک رک کر کہہ رہا تھا! "مجھے ٹیلی فون پر ان سے بات کرنے کی کیا ضرورت

Marfat.com

ہے! ہم دونوں چاندنی کی انہی منور ڈوریوں کے ذریعے سوتے جاگتے ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہی رہتے ہیں۔"

"خدا حافظ!" کہتے ہی فریدہ وارڈ سے نکل کر لان کی طرف چل دی۔ اسلم اسے یاد دلانا چاہتا تھا اپنی پیالی تو ساتھ لیتے جائیے لیکن وہ اس کی آواز سے دُور جا چکی تھی!

Marfat.com

پچھترواں باب

سی ایم ایچ

گیارہ جمادی الثانی کا جھٹپٹا، شرماتا، ابھرتا ہوا سورج شوال کے چاند سے بھی پیارا لگ رہا تھا۔ اس سے پھوٹنے والی ایک ایک کرن، وطن کے ذرّے ذرّے کو زندگی، عزت اور احترام سے مالا مال، لازوال زندگی کی خوشخبری سنا رہی تھی۔

پوری قوم کی عورتیں اور مرد، فتح کے عزم سے سرشار ہو کر اُٹھے اور اِن کی سطوت و شوکت کے سامنے شہروں اور چھاؤنیوں کی درمیانی دیواریں — جنہیں انگریز نے فوجی غلبے کی بحالی کے لیے پوری دو صدیوں میں تعمیر کیا تھا — دھواں بن کر اُڑ گئیں — اب سویلین اور سپاہی کا امتیاز مٹ چکا تھا۔

بھارت نے کشمیر سے کاٹھیاواڑ تک پھیلی ہوئی سرحد پر ایسی آگ لگائی تھی جس کی تپش نے درہ خیبر سے خلیج بنگال تک ایک ایک گھر کا سکھ چین لوٹ لیا تھا۔ کمسن بچوں کے باپ، مانگ بھری بہنوں کے جوان بھائی، ضعیف ماؤں کے

Marfat.com

اکلوتے سہارے اور محوِ خواب دلہنوں کے اکلوتے سہاگ ـــ امیدوں، امنگوں، خوشیوں اور خواہشوں کے ایک ایک البیلے قافلے کا رُخ، وقت کے بے آواز دھارے کی طرح صرف ایک ہی طرف ـــ میدانِ جنگ کی طرف مڑ گیا تھا۔

گاؤں کی دیواروں کو چھو کر جانے والی سڑکوں، دوراہوں اور گلی کوچوں میں عجیب و غریب الوداعی نظارے سمٹ آئے تھے۔ گوناگوں تحفے، چلتے پانی، مٹھائیاں۔ پھل پھول، یٰسین، مزّمل، آیت الکرسی اور دُعائے گنج العرش سے مڑھے ہوئے تعویذ، پنجسورے اور حمائل شریف، دُعائیں، آہیں اور آنسو ـــ اور جانے والے ایک ایک انمول تحفہ قبول کرتے، ہنستے، مسکراتے موت سے قریب تر ہوتے چلے جا رہے تھے۔

پھر سیالکوٹ کی عید کا رچاؤ؟ اللہ، اللہ! یہاں پھلوں پھولوں کی مہک آہوں کی تپش اور آنسوؤں کی تری کے ساتھ ساتھ ادھر سے اُدھر بہنے والے خون کا عالم تو کچھ اور تھا۔ تیرہ سو سال سے تلواروں کا نشانہ بنتی چلی آنے والی قوم زندگی سے خون کا رشتہ جانتی پہچانتی تھی ـــ جوان گرم خون کی خندقیں، گہری جھیلیں، بے کراں سمندر!

اور ان کا طلاطم بحال رکھنے کے لیئے ایثار پیشہ قوم نے اپنی نسوں کے چشمے کھول دیئے۔ خون پیش کرنے والوں کی تیزی سے پھیلتی ہوئی صفیں دیکھ کر سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم ہی نہیں بلکہ اس کی عیادت کو آئی ہوئی ماں اور بہن کے سر بھی احسان کے بوجھ سے جھک گئے۔

اسلم نے ایک پھول سی بچی کو خوش آمدید کہنے کے لیئے اپنے بازو پھیلائے۔

Marfat.com

یہ بچّی اسے بڑا پیارا سا گلدستہ پیش کرنے آرہی تھی اور اس کی یا شاید باجی ذرا پیچھے تھی اس نے بچّی کے ذریعے اسلم سے پوچھا! "آپ ہمارا کوئی اور تحفہ بھی قبول کریں گے ---؟"

"شکریہ، بہن!" اسلم نے بچّی کے ہاتھ سے گلدستہ لے لیا! "اس کے سوا مجھے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اپنے تحفے سپاہیوں کو پیش کیجئے۔!"

"بہت سوں کے پاس گئے۔" مخیر خاتون کی آواز تمام تر شکایت میں بدل گئی! "ہر طرف سے یہی جواب ملتا ہے، ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں!"

"اور وہ جھوٹ نہیں کہتے۔" اسلم کی ماں نے اسے عقیدت سے دیکھا! جن لوگوں کو آپ نے اپنا خون، اپنی زندگی پیش کر دی انہیں اور کس چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے؟"

"میں آج پہلی بار خون دینے آئی ہوں۔ لیکن اتنی لمبی قطار لگی ہے کہ الامان! سوچا، انتظار کا یہ وقت اپنے محافظ بھائیوں کی ضرورتیں معلوم کرنے میں گزار دوں۔"

مخیر خاتون نے ایک بار پھر اسلم کو دیکھا! "آپ اپنی پسند کی کسی کتاب ہی کا نام لیجئے!"

اسلم نے اپنے دونوں زخمی بازو اوپر اٹھا! "پڑھوں گا کیسے؟"

زخمی نوجوان کی حالت سے متاثر ہو کر نیک دل خاتون آہیں بھرتی اور آنسو پونچھتی واپس چلی گئی اور اس کے تعاقب میں اسلم کی نظریں دروازے کی طرف اٹھیں۔

سسٹر فریدہ، دو تین بڑے بڑے بنڈل اٹھائے اندر آرہی تھی۔ نرس کے لباس میں رحمت کا فرشتہ نظر آنے والی دوشیزہ "فضیتی"، میں بالکل پری سی لگتی تھی۔

جب وہ اپنا بوجھ ایک ایک کر کے تپائی پر اتار کر فارغ ہو چکی تو اسلم نے

اسے اپنے گھر والوں سے متعارف کرایا! "میری امّی، اور وہ میری بڑی بہن" پھر ذرا دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے فریدہ کی آنکھوں میں جھانکنے کی ناکام کوشش کی! "اور یہ ہیں مجھے ٹھنڈی چائے پلانے والی سسٹر فریدہ!"

اسلم کی ماں، بہن اور فریدہ بڑے تپاک سے ملیں اور بڑی بی نے فریدہ کا شکریہ ادا کیا! "ہم جب سے یہاں آئی ہیں۔ آپ ہی کی باتیں ہو رہی ہیں!"

"آپ — یعنی میں؟" فریدہ بنڈل کھولتے کھولتے رک گئی۔

"ہاں، آپ اور سسٹر ممتاز اور اسلم کے کمانڈر کیپٹن صادق —!"

فریدہ خاموشی سے بنڈل کھولتی اور ان میں لپٹی ہوئی چیزیں نکال کر تپائی پر سجاتی رہی۔ وارڈ میں چکر لگاتے وقت فریدہ کو دیکھ کر ممتاز بھی ادھر آنکلی سب سے پہلے مہمانوں سے پوچھا! "آپ کے لیے اور چائے لاؤں؟" پھر ہر طرف سے انکار کے بعد اس نے فریدہ کو دیکھا — "ارے فری — اس وقت تم کہاں؟"

"مجھے بیا کی بہنیں، بھانجیاں اور بھتیجیاں کھینچ لائیں۔"

"کس کام کے لیے؟" ممتاز اپنی حیرت چھپا نہ سکی۔

بنڈل کھولتے وقت فریدہ کے ہاتھ رک گئے اور اس نے گردن پھیر کر ممتاز کو دیکھا! "بطور سفارشی —!"

"کیا، وہ سب کی سب نرسیں بھرتی ہونا چاہتی ہیں؟"

"نہیں خون دینے آئی ہیں اور قطار میں اس لئے انتظار نہیں کر سکتیں کہ انہیں آج ہی گاؤں واپس جانا ہے۔"

ممتاز نے تپائی پہ سجے ہوئے تحفوں کو غور سے دیکھنے کے بعد اس آخری

Marfat.com

بنڈل کی طرف اشارہ کیا جسے فریدہ کھول رہی تھی! "اس میں کیا ہے؟"

جواب دینے کی بجائے فریدہ نے ایک ٹرانزیسٹر نکال کر ممتاز کو دکھایا اور وہ اسے اتنا بھایا کہ خوشی کی چیخ ضبط نہ کر سکی! "بھئی بڑا پیارا سیٹ ہے فری۔ تمہاری قسم، کہاں سے مار لائی ہو؟"

"یہ سب کچھ جیا کے گھر والوں نے بطور تحفہ بھیجا ہے۔

"اچھا ——!" سب چیزوں کو باری باری پھر سے دیکھنے کے بعد ممتاز نے اسلم کے چارٹ پر تفہیمانہ سے انداز میں نگاہ ڈالی اور آخر میں اسلم کو دیکھ کر مسکرائی "اور یہ ساری چیزیں صرف آرمرڈ کور ہی کے حصّے میں آئیں؟"

ممتاز کے معنی خیز جملے سنتے ہی فریدہ کے چہرے پر ایک ساتھ کئی رنگ نکھرے اور ممتاز اِن سے لطف اندوز ہوتی جانے والی تھی کہ اسلم کی بہن نے اس سے درخواست کی۔ "سسٹر! میرا بھی خون دینے کو جی چاہتا ہے۔"

"فوراً آیئے!" کہتے ہی ممتاز اسے ساتھ لیتی چلی گئی اور فریدہ نے اسلم کی ماں سے کہا! "دوپہر کا کھانا ایک ساتھ کھائیں گے۔"

"معاف کیجو، بیٹی" بڑی بی نے معذرت کی! "ہم جن لوگوں کے ہاں مہمان ٹھہرے ہیں۔ وہ ہمیں اس کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے۔"

"تو پھر شام کو سہی۔"

اب کی اسلم نے معذرت کی! "شام کو آپ ڈیوٹی دیں گی یا اِن کی مہمان نوازی کریں گی؟"

"دونوں میرے فرائض ہیں" فریدہ نے اسے یقین دلایا! "اور بہت آسانی

Marfat.com

سے پورے ہوں گے !"

بڑی بی بولیں !" اوّل تو اس تکلیف کی سرے سے کوئی ضرورت ہی نہیں۔ لیکن دعوت سے انکار بھی نہیں ہو سکتا — اگر ہم اسے کل دوپہر پہ چھوڑیں تو کیا حرج ہے۔؟"

شفقت سے معمور، معمر خاتون کا شکریہ ادا کرنے کے بعد فریدہ نے ماں بیٹے سے اجازت لی اور دائیں بائیں نگاہ ڈالی — جیر، ایک ہاتھ میں اٹیچی کیس اور دوسرے ہاتھ میں سگرٹوں کا بنڈل تھامے وارڈ کے دروازے پہ بُت کی طرح جما کھڑا تھا۔

فریدہ کی بیتاب نگاہوں نے ایک ہی لمحے کے اندر اندر اٹیچی کیس اور جیر کو بار بار دیکھا — پھر اس کے قدم والہانہ حرکت کرنے لگے۔

اسلم بھی جیر کو دیکھ چکا تھا اور اسے ہاتھ کے اشارے سے بلانے ہی والا تھا کہ فریدہ کو اس کی طرف تیزی سے کھنچتے دیکھ کر اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔

وارڈ میں آہستہ آہستہ سرکنے والے جیر کی نگاہیں فریدہ کے پاؤں پہ اور فریدہ کی نگاہیں اس کے چہرے پہ لگی تھیں۔ اس کے قریب سے گزرتے وقت جیر کا جی چاہا اس سے سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم کا پتہ پوچھے۔ لیکن فریدہ نے اسے بات کرنے کی مہلت ہی نہ دی !" جیر — !" سرگوشی کے سے انداز میں کہہ رہی تھی۔" اس دُنیا میں کوئی ایسا آدمی بھی ہونا چاہیئے جو اور کچھ نہیں تو کم از کم میرا نام اور پتہ ہی پوچھ لے !"

"بی بی — اوہ بی بی !" جیر سٹپٹایا اور متواتر کئی لمحوں تک حیران کھڑا نہ جانے

پھر اٹیچی کیس کی طرف اشارہ کر کے بولا !" اسی سے پوچھیے۔ میں تو آپ ہی کے لیے یہاں آیا ہوں "

"تمہیں میرا پتہ کس نے بتایا ؟"

"کمانڈر نے !"

"کمانڈر ـــ ! انہیں یہ انٹلی جنس رپورٹ کہاں سے ملی ؟"

"اسلم صاحب کے چارٹ سے "

اسلم صاحب کے چارٹ پہ میرا خط پہچاننے والا کمانڈر خود مجھے کیوں نہ پہچان سکا ؟ کہتے کہتے فریدہ چپ ہو گئی اور اس کی نظریں اسلم کے سرہانے لٹکے ہوئے چارٹ سے پھسلتی اسلم کے چہرے پہ جم گئیں اور اسے جیر کے ساتھ آنکھوں آنکھوں میں باتیں کرتے دیکھ کر اس نے سٹاف روم کی طرف اشارہ کیا !" ان سے فارغ ہوتے ہی وہاں پہنچو !"

سی ایم ایچ کی خاموشیاں ڈھلتی دوپہر کی گہرائیوں میں ڈوبتی چلی جا رہی تھیں۔ اٹیچی کیس کا ڈھکنا اُٹھا کر اس میں جھانکتے ہی فریدہ کہیں سے کہیں جا پہنچی ـــ عام استعمال کے دو تین جوڑے، جن کی سلوٹوں میں اس کے پیارے گاؤں بھٹکتی ہوئی مہک بڑی عاجزی سے پڑی دم توڑ رہی تھی اور چند انمول، خاموش یادیں، البم، جس میں کیپٹن صادق، میاں جی اور خود فریدہ کی بھی کئی تصویریں شامل

تھیں۔

دُشمن کے اچانک حملے نے اسے جب دُنیا سے یوں اچانک محروم کر دیا تھا جس میں اپنے آپ کو پہچاننا بڑا کٹھن کام تھا۔ اور کسی نشانی کا کھوج لگاتے وقت اِس کی نظریں جبیر پہ جا لگیں۔ وہ چائے پی کے سامنے بُت بنا بیٹھا تھا۔

فریدہ نے البم بند کر کے اٹیچی کیس میں رکھ دیا اور ایک دبی دبی سی ٹھنڈی آہ بھر کر جبیر کو مخاطب کیا! "میاں جی کو کہاں دفن کیا تھا"؟

"جہاں گرے تھے"۔

"اور میرا موتی؟"

"میاں جی سے بہت پہلے کام آچکا تھا"۔

"تم لوگوں نے میری پروا کیوں نہ کی؟"

"آپ نے دغدار کی معرفت کمانڈر کو جو پیغام بھیجا تھا۔ وہ آج تک اس پہ عمل کر کے آپ ہی کو تو ڈھونڈ رہے ہیں!"

"جھوٹ کہتے ہو"۔ فریدہ کی آواز بتدریج بلند ہوتی چلی گئی! "وہ اپنے ساتھیوں سے ملنے اسی ہسپتال میں آچکے ہیں"۔

اپنے جذبات کی سرکشی محسوس کرتے ہی جبیر نے چائے کی پیالی مضبوطی سے تھام لی! "یہ اُن کا فرض تھا!" اس نے یکے بعد دیگرے چائے کی کئی چسکیاں لیں! "اور وہ اپنے ساتھیوں کے خون اور آنسوؤں میں بھی آپ کی ایک ایک نشانی پہنچانتے چلے گئے"۔

فریدہ اپنے لیئے ایک اور پیالی بنانے لگی! "کون سی نشانی؟"

Marfat.com

"اسلم صاحب کا چارٹ ـــ وہ ٹینک پر بھی آپ کے ہاتھ کی تحریر فوراً پہچان گئے تھے۔"

"اوہ ـــ ہاں! فریدہ کا کیا حال ہے؟"

"بچھڑ گیا!"

"کیسے؟"

"جل گیا!"

ایک جانباز سپاہی بڑی بے تکلفی سے اتنی بڑی بات کہہ گیا جس کے سیاق وسباق پر غور کرتے وقت فریدہ نے اپنا دِل ڈوبتا محسوس کیا اور نادانستہ بڑبڑائی، "جیر! یہ اتنے بڑے بڑے ٹینک یوں آن کی آن میں جل کیسے جاتے ہیں۔؟"

"جیسے یہ پھول اپنے رنگ سے بھڑک اُٹھتے ہیں!" جیر نے پیالی خالی کر کے فریدہ کی طرف سرکائی اور طاق میں سجے ہوئے گملوں کو دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہوں کے تعاقب میں فریدہ کی نظریں بھی پھولوں پر جم گئیں اور اِس کے دِل نے کہا! بقول سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم زندگی سے موت کا کھیل، انتہائی دردناک، صبر آزما، اعصاب شکن کھیل۔

اس نے حیاتیات کی روشنی میں زندگی اور موت کے کھیل پہ غور کرتے وقت جیر کے لیئے ایک اور پیالی بنائی اور اس کی طرف سرکا ہی رہی تھی کہ ممتاز دھم سے اندر آئی۔ لمحے بھر کے لیئے فریدہ، جیر اور اِن دونوں کے درمیان سرکتی ہوئی پیالی کو دیکھا ـــ پھر زور سے ہنسی! "تو گویا آج آرمرڈ کور کا دِن ہے!" اس نے ایٹچی کیس کی طرف اشارہ کیا! "اور یہ تحفہ یقیناً کمانڈر نے پیش کیا ہوگا۔" پھر

Marfat.com

وہ کسی طرف سے جواب کا انتظار کئے بغیر مسکراتی اور لہراتی چلی گئی !" بھئی، تمہاری قسم، بڑی بے مروت ہو فری ـــ ایسے عمدہ تحفے بھیجنے اور لانے والے کو خالی اور ٹھنڈی چائے میں بھگتانا ـــ لاحول ولا قوۃ !"

فریدہ نے ممتاز کو سر سے پاؤں تک دیکھنے کے بعد رُوئے سُخن جیر کی طرف پھیرا !" یہ ہیں کرنل عباسی کی صاحبزادی تاج، ممتاز، ان کی بدتمیزی کا اُن سے کوئی ذکر نہ کرنا "

"ضرور کرنا" ممتاز نے دونوں کے درمیان کرسی پر بیٹھتے ہی جیر سے التجا کی !" لیکن سب سے پہلے میری بدتمیزی کو ذرا سمجھ لو۔ وہ یہ کہ میں فری سے بار بار کہتی رہی محاذِ جنگ سے ایٹچی کیس لانے والے مہمان کو پر تکلف کھانا کھلاؤ اور ساتھ ہی کمانڈر کی بھی دعوت کرو، بڑی زوردار دعوت !"

"تکلف کی اس لیئے ضرورت نہیں کہ آج کل ہم دن رات دعوتیں اُڑا رہے ہیں ـــ !"

فریدہ اور ممتاز نے ایک ساتھ جیر کو دیکھا، ممتاز بولی !" محاذِ جنگ پر دعوتیں ؟ کہیں وہ دعوتوں کے خواب نہ ہوں "

"مہکتی، مُسکراتی ہوئی دعوتیں، سسٹر !" جیر نے ممتاز کو یقین دلایا !" حلوے، زعفرانی متنجن، مُرغ پلاؤ، مٹھائیاں اور پھل پھُول، صرف یہی نہیں بلکہ ہمارے سویلین بھائی گولا بارود بھی ہمارے مورچوں تک، پہنچا رہے ہیں "

"تم بھی نرے سپاہی ہو اور تمہارے کمانڈر بھی !" ممتاز نے جیر سے نظریں ہٹا کر فریدہ کو دیکھا !" لیکن تمہیں تو آدمیت کا ثبوت دینا چاہیئے۔ فری،

Marfat.com

انہیں اسی وقت میرے گھر لے جاؤ۔ کھانا تیار ہوگا۔ اپنے کمانڈر کے لیئے بھی جو کچھ بھیجنے کو جی چاہے خوان ساماں سے کہو، منٹوں میں تیار کر دے گا۔"

"سسٹر، میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔" جیر نے اصرار کیا۔ "میں جانے سے پہلے ایک بار اور اسلم صاحب سے ملوں گا۔ یہ بتائیے کہ ان کی امّی بیٹھی ہیں یا چلی گئیں؟"

"ان کی بہن بھی،" ممتاز بولی "جانے کا نام ہی نہیں لیتی تھیں۔ بڑی مشکل سے رخصت کیا۔"

"اب تم ایک کام کرو،" تاج! فریدہ نے درخواست کی "جیا، بلڈنبک میں بیٹھی میری راہ تک رہی ہوگی۔ اسے ذرا دیر کے لیئے فوراً میرے پاس بھیج دو ــــــ"

ممتاز دروازے کی طرف جاتے جاتے فریدہ پر جھکی "اسے بلانے کی کیا ضرورت ہے! ہم بھی ترجمان کا فرض بخوبی ادا کر سکتے ہیں!"

"اب جا بھی لے، کمبخت!"

"بہت اچھا ــــ" کہتے ہی ممتاز کمرے سے چلی گئی۔ جیر نے چائے کی پیالی اٹھائی اور فریدہ تاڑ گئی اب وہ اڑنے کے لیئے پر تول رہا ہے۔ اپنے دسترخوان پر پلے ہوئے جیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنا کس قدر مشکل کام تھا! فریدہ کی نظریں ٹیلی فون پر جم گئیں اور وہ بے دھیانی میں بڑبڑائی "میری آج رات کی ڈیوٹی ہے۔"

"ہمیں معلوم ہے۔"

Marfat.com

فریدہ جی کڑا کر کے جیر کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی۔ میں ان کے ٹیلی فون کا انتظار کروں ! لیکن گاؤں کے ماحول میں پروان چڑھنے والی فریدہ اور جیر بھی اپنے اپنے خیالوں کی آواز سُن کر جھینپ سے گئے اور ساتھ ہی فریدہ کے بھڑکتے ہوئے جذبات نے بغاوت کر دی ! "ان کا ٹیلی فون نمبر کیا ہے !"

فریدہ کو دیکھنے کی بجائے جیر کی نظریں کھڑکی کے پار اُفق پر جم گئیں اور اس کے منہ سے بے اختیار نکلا ! "اِس زمانے میں باز کے گھونسلے کا پتہ کون لگا سکتا ہے ؟" پھر اسے اپنی تلخ گوئی کا جلتا ہوا احساس ستانے لگا اور اس نے فریدہ کو یقین دلانے کی کوشش کی ! "اب میں انہیں پہلی فرصت ہی میں یہیں بھیجوں گا !"

فریدہ کے منہ سے نکلنے والا تھا کہ اپنا وعدہ بھول نہ جانا لیکن اس نے بدحواسی میں بات بدلی ! "تھوڑی سی ٹھنڈی میٹھی لسی بھجوانے کو جی چاہتا ہے"

جیر کے دل میں خیال آیا کہ بڑے فخر سے کہہ دے ! آج کل وہ ٹھنڈی میٹھی لسی میں نہا رہے ہیں۔ لیکن پھر اسے فلش سسٹم ہاتھ میں بچا ہوا گیلن بھر باسی پانی یاد آگیا۔ وہ شرم سے سر جھکائے اُٹھا۔ دروازے میں پہنچ کر رک گیا اور کمرے میں بے مقصد گھورتے ہوئے بولا ! "خدا حافظ !"

"خدا حافظ جیر ! "

Marfat.com

پندرہواں باب

آئینۂ ایّام

آٹھ ستمبر کا ایک ایک پل خوشی کے شادیانے بجاتا گزرا۔ ایک طرف محاذ جنگ سے شاندار کامیابیوں کی خبریں آ رہی تھیں اور دوسری طرف تمام ہمدرد ممالک سے ۔۔۔ چین، ایران اور ترکی کے علاوہ سعودی عرب اور اردن کے عوام بھی کھلم کھلا پاکستان کی حمایت پر اُتر آئے۔

ایران کے وزیر اعظم نے تہران کے فضائی اڈّے سے آواز دی "دوستو! قدم جمائے رکھو۔ میں افقرہ جا رہا ہوں۔ ترک عوام اور حکومت سے یہ معلوم کرنے کہ ہم اِس آڑے وقت میں آپ لوگوں کے لیئے کیا کر سکتے ہیں"

اور صدر سوئیکارنو بحر ہند کے اس پار سے پکارا "انڈونیشی رضا کاروں کا پہلا دستہ پاکستان کی طرف کوچ کے لیئے پر تول رہا ہے!"

پاکستانیوں نے یہ ساری کامیابیاں اور کامرانیاں بڑی بھاری قیمت دے کر حاصل کی تھیں۔ اس روز "بچے" کا چہرہ جس انداز سے دمک رہا تھا، وہ اصل

Marfat.com

میں شہیدوں ہی کے خون کی سُرخی تھی ـــــ وطن پہ کام کرنے والوں کا ابلتا ہُوا،
گُلنار خون، اِن کے یتیم ستم رسیدہ بچوں کے آنسو، نوعروس بیوہ خواتین کی آہیں
اور ضعیف ماؤں کی فریادیں۔!

پھر دس کروڑ توحید پرستوں کی شاندار قومی روایات، جو منٹو پارک سے
لے کر بدر ـــــ بدرۃ الکبریٰ تک پوری تیرہ صدیوں پر پھیلی ہوئی تھیں۔ زمانہ جانتا
ہے بھری پُری کائنات سے صرف ۳۱۳ حق پرست توحید کا پرچم لہراتے تاریخِ عالم
کی طویل، تاریک شاہراہ پر اُبھرے ہی تھے کہ ان پر چاروں طرف سے کفر کے
طوفان ٹوٹ پڑے۔ حالانکہ مراکش سے ماسکوئی، جدید ماسکو، اور میڈرڈ سے
موئن جو دڑو کا ذرہ ذرہ روزِ ازل سے اِسی پرچم کے پرسکون سائے کی آس لگائے
تڑپ رہا تھا ـــــ

بحرِ ظلمات میں گھوڑے ڈال دینے والے شہسواروں نے جب ایک مظلوم
بہن کی چیخیں سُن کر برصغیر ہند کی طرف لگام موڑی تو ہندوکش کی برف پوش چوٹیاں
ان کی پیشوائی کے لیے زمین تک جھک گئیں اور دریائے سندھ کی لہروں نے
کناروں سے اُچھل اُچھل کر ان کے پاؤں چوم لیے!

اور دیبل کی فصیلوں کے نیچے اسلام کے جواں سال فرزند، محمد بن قاسم کی
صرف ایک ہی ٹھوکر نے مہابھارت کی سات ہزار سالہ ـــــ عظمتوں کے ہمالیہ
بوسس راج محل خاک میں ملا کر رکھ دیتے تھے۔

لیکن اٹھارہویں صدی کے خاتمے پر سقوط سرنگاپٹم کے بعد زمانے نے
کروٹ بدلی اور ہندوستان کے انگریز فاتح نے اشوک اعظم کے گھنڈروں کی

Marfat.com

کی تعمیرِ نو کا انتہائی تشویش ناک کام شروع کر دیا۔ اس حکمتِ عملی کے بغیر اسے اپنی قومی امنگوں کے پنپنے کی اور کوئی صورت ہی نظر نہ آئی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب جبل الطارق سے جاوا تک سمندروں کی ملکہ برطانیہ کا ڈنکا بج رہا تھا۔

سکندریہ، حضرت عمرؓ بن العاص کے سکندریہ پر لرزنے والے یونین جیک کا سایہ مہدی کے سوڈان سے گزرتا براعظم افریقہ کے جنوبی ساحل تک پھیل گیا تھا اور فلسطین پر چڑھ دوڑنے والا شیر دل رچرڈ، صلاح الدین ایوبی کے خوف سے بھاگتے وقت جس صلیب کو خلیج طبریہ کے کنارے پھینک گیا تھا۔ اب وہ بیت المقدس کے صدر دروازے پر نصب تھی، ہارون کے بغداد، عباس صفوی کے ایران اور بت شکن سلطان محمود کے غزنہ تک سارا علاقہ اس کی زد میں تھا۔

اگر ہندی مسلمانوں کی تیزی سے پھڑک اُٹھنے والی رگ حمیت ہندوؤں کے ہاتھ سے کٹوا دی جائے تو عراق اور خلیج فارس میں اُبلنے والے کالے سونے — تیل — کے چشموں پر مستقل اجارہ داری کا راستہ ہموار ہو جائے گا اور اوقیانوس سے انڈونیشیا کے جزیروں تک بکھرے ہوئے کروڑوں توحید پرستوں کے ماتھے پر ابدی غلامی کی مہر لگ جائے گی۔

سید احمدؒ اور سید اسمٰعیل شہیدؒ کی قومی تحریکیں اصل میں اسلام دشمن قوتوں کے انہی ناپاک منصوبوں کی پیش بینی ہی کا ردِ عمل تھیں۔ یہ انہی تحریکوں کا نتیجہ تھا کہ جب انگریز اور ہندو چکی کے دو پاٹ بن کر مسلمانوں کو پیس رہے تھے۔ عین اسی وقت سخت جان قوم کا بچہ بچہ یک زبان ہو کر برِ صغیر کے طول و عرض میں "لے کے رہیں گے پاکستان!" کا نعرہ بلند کر رہا تھا۔

صرف پینتالیس کروڑ بت پرست ہی نہیں، انگریز بھی اپنی سلطنت کے سارے وسائل یکجا کر کے تشکیلِ پاکستان کے راستے میں چٹان کی طرح جم گیا۔ روئے زمین پر چھائے ہوئے تثلیث پرست یورپ اور امریکہ کے مدبر اچھی طرح جانتے تھے کہ بابلیوں، آشوریوں، کلارینوں، آتش پرستوں، مصریوں، یونانیوں اور رومیوں ہی کی طرح بُت پرست بھارتی قوم بھی مُردہ ہو چکی۔ لیکن مسلمان ہر دور میں تنفس کی طرح اپنے نفس کی آگ میں جلنے اور اپنی راکھ سے نئی نویلی نسل پیدا کرنے کی خلاداد صلاحیتوں کا مالک ہے۔

یہی وہ صحرائی عقاب ہے جو پوری تیرہ صدیاں پہلے جزیرہ نمائے عربستان سے اُٹھا اور ایک طرف شمالی افریقہ سے ہسپانیہ اور جرمنی کی سرحد تک وسطی یورپ پر اپنا سایہ ڈالتا اُڑتا چلا گیا۔ دوسری طرف ہندوکش کی چوٹیوں سے اُتر کر پنجاب کے میدانوں، گنگا جمنا کے دوآبوں اور ست پڑا کے نوکیلے سلسلوں کو روندتا حیدر آباد دکن سے خلیج بنگال اور دریائے سندھ کے دہانے پر ایک بار پھر بحیرۂ عرب کی جانی پہچانی، نیلگوں لہروں سے آملا۔

جن قوموں کو تاریخ کے کسی موڑ پر دنیا کے اِن پُراسرار غازیوں سے واسطہ پڑ چکا تھا، اچھی طرح جانتی تھیں کہ بنی نوعِ انسان کے قافلے کا یہ نووارد، سست رفتار مسافر جوہری عہد میں بھی تابکار گرد و غبار اَٹے ہوئے اُفق پر ڈگمگاتا نئی کائناتوں کی طرف مائلِ پرواز ہے۔ اس کے پر مضبوط تھے اور یہ طوفانی جھونکا اس کی بلندیوں میں اور اضافہ کر دیتا تھا۔

اگر پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو گیا تو بحر الکاہل کے دامن سے اوقیانوس کے

Marfat.com

گریبان تک ایک ایسا پہاڑ سا ابھر آئے گا جسے بین البراعظمی میزائل اور ہیڈروجن بم بھی پار نہ کر پائیں گے!

پاکستان وجود میں آیا لیکن بے پر و بال —

قیصرۂ ہند ملکہ وکٹوریہ کے پوتے — برِّ صغیر کے آخری وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن اور اس کے یارِ غار پنڈت نہرو کی ملی بھگت سے غیر منقسم ہندوستان کا سرکاری خزانہ، فوج، گولا بارود اور ریل گاڑیاں تک ہندو کے قبضے میں چلی گئیں۔ تثلیث پرست اور بت پرست دوستوں کی اس گہری، گھناؤنی سازش کا مقصد صرف یہ تھا کہ پاکستان کے حصّے کا ساز و سامان روک کر ہندوستان کی اِن مسلمان ریاستوں کو ہتھیا لیا جائے جو پاکستان میں شامل ہونے والی ہیں — جوناگڑھ، مانگرول اور مانا ودار اس سازش کے زندہ ثبوت ہیں!

دوسری طرف جن سنگھی اور مہاسبھائی غنڈے اسی اسلحہ کو بے دریغ استعمال کر کے پاکستان کو جانے والے مہاجر قافلوں کا قتلِ عام کرنے لگے۔ انڈین آرمی کی چند مسلمان رجمنٹوں کو بھارت ہی میں روک لینے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمان اکثریت کی ریاست — جموں و کشمیر — کا ڈوگرہ مہاراجہ اطمینان کے ساتھ بھارتی یونین میں شامل ہو گیا —

اس ریاست کے تمام راستے پاکستان سے گزرتے ہیں اور تاریخ، جغرافیہ تہذیب، تمدن، ثقافت، معیشت اور معاشرت — غرضیکہ ہر اعتبار سے کشمیر کے پچاس لاکھ مسلمان مغربی پاکستان ہی سے وابستہ ہیں۔

جب کشمیریوں نے اِس اطلاق کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو ان کا

Marfat.com

گلا دبانے کے لیئے بھارتی فوج کشمیر پہنچ گئی اور کشمیریوں کے قتلِ عام اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ اور جب اپنی مظلوم بہنوں اور معصوم بچوں کی اعانت کے لئے سرحد کے غیور پٹھان وادی میں داخل ہوئے تو لارڈ مونٹ بیٹن اقوام متحدہ کی دہائی دینے لگا۔

خود پنڈت نہرو نے بھارت کے وزیرِ اعظم کی حیثیت سے، اقوام متحدہ کے بھرے اجلاس میں روئے زمین کی حکومتوں کو یقین دلایا تھا! "آپ لوگ وادی میں امن بحال کرانے کے لیئے ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں، امن قائم ہوتے ہی کشمیریوں سے پوچھا جائے گا، وہ بھارت یا پاکستان میں سے کس کے ساتھ الحاق کے خواہشمند ہیں اور ان کی خواہش کا احترام کیا جائے گا!"

اقوام متحدہ کی ضمانت اور پنڈت نہرو کے وعدے پر اعتبار کر کے پاکستان نے وادی میں امن و امان قائم کرانے کی ذمہ داری قبول کی تھی۔ لیکن امن قائم ہوتے ہی بھارت نے رائے شماری کے بجائے ان دریاؤں کا رُخ موڑنا شروع کر دیا جو وادی سے نکل کر پاکستان کے میدانوں میں بہتے ہیں، ساتھ ہی اس پانی کو بھی روک لیا جو بھارتی دریاؤں سے پاکستانی نہروں میں آتا تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ برِ صغیر کی تقسیم محض اس لئے قبول کی گئی تھی کہ کانگریسی لیڈروں کو یقین تھا! کہ پاکستان چند روز بھی قائم نہیں رہے گا۔ اور مسلمانوں کی فطری صلاحیتوں سے بے خبر قوم کے رہنماؤں کا یہ خیال بڑی حد تک درست تھا۔ ملک کے تمام بڑے بڑے کارخانے، اسلحہ ساز فیکٹریاں، چھاؤنیاں، فضائی اڈے اور بندرگاہیں بھارت ہی کے حصے میں آئی تھیں۔

Marfat.com

پھر انگریز کے سو سالہ فرعونی دور کی ساری حکمتیں مسلمانوں کو پسماندہ رکھنے کے لیے وقف ہو چکی تھیں اور اِس بدنصیب قوم کی زندگی کے ہر شعبے پر "بنیا" پوری طرح چھایا ہوا تھا۔

لیکن اِس معجزے کو کیا کہا جائے کہ آزادی کی فضا میں لینے والے پہلے سانس کے ساتھ یہ روائتی پسماندہ قوم ترقی کی ناقابل قیاس رفعتیں چھونے لگی۔ پر افسوس! ایک دوسرے کے آگے پیچھے قائدِ اعظم اور قائدِ ملّت کے بے وقت انتقال کے ساتھ ہی نو آزاد قوم کی برق رفتار ترقی کا رُخ زوال کی طرف مڑ گیا۔

"انڈین سول سروس" کے چند بے ضمیر افسروں اور قوم فروش سیاستدانوں کا ایک ٹولہ، پیرِ تسمہ پا کی طرح قوم کے کندھوں پر مسلط ہو گیا۔ ان کے پیچھے نو دولتے جی حضوریوں کی لمبی قطاریں، درمیان میں معلق خود دار، سفید پوش درمیانی طبقہ اور اِن سب کی ٹھوکروں میں سسکتے ہوئے عوام!

مضبوط، لمبے بازوؤں والے خوش نصیب، بیوک، ننگلے اور بنک بلنس" کی دھُن میں قومی مفاد کو لتاڑنے لگے اور حکمران ٹولہ اپنے اقتدار کی حفاظت کے لیے ان پرانے گھاگ گندم نما جو فروشوں کا آہنی بن گیا جن کے تمام وسائل بُت پرست بھارت کو ایشیا کا کاغذی شیر ثابت کرنے کے لیے وقف ہو چکے تھے!

یہ طرفہ تماشا ہے کہ پاکستان کے "پُر خلوص دوستوں" میں روئے زمین کا مانا ہوا حیلہ جو سوداگر برطانیہ اور جمہوریت مآب امریکہ سب سے آگے تھے برطانیہ، جو نہر سویز پر قبضہ بحال رکھنے کے لیے اسمٰعیلیہ سے قاہرہ تک دریائے

Marfat.com

نیل کے دو طرفہ بستیوں پر بم برسا رہا تھا اور سویز کے بعد مشرق بعید کے جبل الطارق
سنگاپور اور کوناگوں قدرتی وسائل سے مالا مال، نو دریافت براعظم آسٹریلیا کے
تحفظ سے مایوس ہو کر بحر ہند میں ہر تنکے کا سہارا ڈھونڈھ رہا تھا۔

اور عظیم امریکی قوم کے عظیم سربراہ، جو بحرالکاہل کے اُس پار سے اُبھرنے
والے "سرخ ستارے" کی خون رنگ روشنیاں دیکھ کر واشنگٹن میں بیٹھے کانپ
رہے تھے، انہیں ایسے بہادر دوستوں کی تلاش تھی جو شکاگو اور نیویارک
کی نائٹ کلبوں اور "میامی بیچ" کو۔ جہاں حسنیۂ عالم کے انتخاب کی تقریب سے
روئے زمین کی رنگین تتلیوں" میں حسن کے مقابلے ہوتے ہیں۔ دشمن سے
محفوظ رکھیں۔!

پاکستان کے رنگیلے حکمران اپنے دوستوں سے رائفلوں اور سنگینوں
کی امداد حاصل کرتے رہے تاکہ قوم کے ان بھوکے، بے روزگار عوام کو ہمیشہ
کے لیے خاموش کر دیا جائے جو "بنیادی حقوق" اور بہتر معاشی حالات کے
نعرے لگا کر شہر شہر میں مظاہرے کرتے پھرتے تھے اور ان کے "دوستوں"
کو روس اور چین کی سرحدوں کے قریب ایسے "مانیٹرنگ سٹیشنوں" اور
اڈوں کی ضرورت تھی جہاں سے ان کے یو ۲ ــــ جاسوس طیارے ــــ
بے روک ٹوک پرواز کر کے کمیونسٹوں کی فوجی نقل و حرکت، جوہری اسلحہ
اور میزائیل ساز کارخانوں کی تصویریں حاصل کریں۔

بیچ گلٹری، میٹروپول، انٹرکانٹینٹل اور پارک ہوٹل میں ڈیز اور "نیلی
ڈانس" کے رسیا حکمران مسند اقتدار کے حصول کی کشمکش میں کس منزل پر جا پہنچے

Marfat.com

تھے ؟ اُس عہد کا ایک زبان زدِ خاص و عام لطیفہ بڑی عکاسی کرتا ہے ! آئی، سی، ایس کے کسی امتحان میں انٹرویو لینے والے نے اُمیدوار سے پوچھا!

"پاکستان کے وزیرِ اعظم کا نام بتاؤ!"

اور اُمیدوار نے بڑے اعتماد سے جواب دیا! "جس ملک کا وزیرِ اعظم ہر روز بدل جاتا ہو۔ اس کا صحیح نام تو صرف بخومی ہی بتا سکتا ہے!"

○

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کی قیادت میں پہلی بار ایسی مستحکم حکومت قائم ہوئی جس کی وحدتِ عمل و خیال کی نظیر پیش کرنا محال ہے۔ اس انقلابی حکومت نے عوام کا اعتماد حاصل کرتے ہی ایک لمحہ ضائع کئے بغیر لیاقت نہرو معاہدے، نہری پانی اور سرحدوں کی نشان دہی جیسے اہم مسئلے طے کرنے کے بعد تنازعۂ کشمیر اور قومی امنگوں سے ہم آہنگ خارجہ پالیسی پر توجہ مبذول کی۔

پھر ۱۹۶۲ء میں عالمی حالات نے غیر متوقع پلٹا کھایا۔ سرحدوں کی نشان دہی پہ بات چیت کرتے کرتے جمہوریہ چین اور بھارت میں ٹھن گئی۔ چینی سپاہ تبّت کی ڈھلانوں سے اُتری اور نیفا ــــ نارتھ ایسٹرن فرنٹیر ایجنسی ــــ کے کمانڈر انچیف کول چائے کے کھیتوں میں چھپتے چھپاتے، نمونیہ کا بہانہ کر کے ہسپتال میں آ لیٹے۔

کمیونسٹ چین کے ہاتھوں سامراجی بھارت کی شکست کے خیال سے

یورپ اور امریکہ کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ روسی مِگ، فرنچ، مسٹیئر، برطانوی ویمپائر، کینبرا، ہنٹر اور نیٹ طیاروں کے سکواڈرن اور امریکی خودکار اسلحہ سے لدے پھندے جہاز کلکتے میں آ اترے اور امریکی سفیر نے پنڈت نہرو کی پیٹھ ٹھونکی "جے جیکار کا نعرہ لگاتے آگے بڑھیے۔ اگر ضرورت پڑی تو امریکی سپاہ بھی بھارتی سورماؤں کے کندھے سے کندھا مِلا کر میدان میں اُتر آئے گی!"

لیکن جواں سال صدر کنیڈی کو اس بات کا کوئی علم نہ تھا کہ پنڈت نہرو، چیسٹر باولز جیسے سینکڑوں سفیروں کو رگڑ کر اپنے ماتھے پر تلک لگا چکے تھے۔ اس نے امریکی سفیر کو بڑے اطمینان سے جواب دیا! "گھبراتے کیوں ہو؟ میرا بھارت ہاتھی جتنا بڑا ملک ہے۔ اسے اُٹھتے اُٹھتے وقت لگے گا۔!"

اور اس ہاتھی کو کیل کانٹے سے لیس کرنے میں چینی مالیخولیا کے دائمی مریض، امریکہ نے بڑے پاپڑ بیلے۔ گوناگوں اسلحہ کے قافلے تھے کہ نالوٹ، معاہدہ شمالی اوقیانوس کے مختلف اڈوں سے بھارت کو دندناتے چلے آتے تھے۔

پاکستان نے اپنے پُرخلوص دوست سے بار بار کہا! "یہ لوپرس کا ہاتھی ہے۔ اسے جس طرف سے ایک بار مقتک پر چوٹ لگ چکی ہو۔ عمر بھر ادھر کا رُخ نہیں کرتا۔ یہ تو حیدرآباد، جوناگڑھ اور گوا جیسی مرغابیوں کے شکار کا دھنی ہے۔ یقین کیجئے۔ یہ بم، گولے، طیارے اور ٹینک پاکستان ہی کے خلاف استعمال ہوں گے!"

امریکہ نے ایک بار پھر ہمیں بہلانے کی کوشش کی! "بھارت کو صرف اس شرط پر اسلحہ دیا جا رہا ہے کہ وہ اسے پاکستان پر حملے کے لیے کبھی استعمال

Marfat.com

نہیں کرے گا۔ لیکن پاکستانیوں کو تو ہندو کی نسطائی ذہنیت کا پتہ تھا۔ ایک ہزار سالہ طویل، تلخ تجربہ تھا۔ ہم نے کچھ اور اونچی آواز میں شکایت کی تو ہمارے تنک مزاج حلیف، امریکی صدر کے ماتھے پر بل آ گئے۔

ساری دنیا دیکھ رہی تھی، امریکہ اپنے پرانے دشمن، جمہوریہ چین کے خلاف بھارت کو بارود خانے میں تبدیل کر رہا ہے اور چونکہ بھارت ہمارا ازلی دشمن تھا۔ اس لیے اس کی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہوئی فوجی طاقت سے ہمارے اضطراب کا بڑھنا بالکل قدرتی بات تھی۔

ہم نے قومی تحفظ کے لیئے اپنے صدیوں پرانے ہمسائے چین کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ امریکہ نے تمام دوستانہ معاہدے اور مراسم بالائے طاق رکھ کر پاکستان کے تیسرے پانچ سالہ منصوبے کی امداد روک لی۔ پاکستانیوں کا ماتھا ٹھنکا۔

یہ کسی غریب کو کشتی میں سوار کرا کے چپکے سے رسہ کاٹ دینے والی بات تھی۔!

ہمارے دوستوں کے اس اقدام سے چال باز دشمن کے ہاتھ اور مضبوط ہو گئے اور بدمست بھارتی ہاتھی نے مظلوم کشمیریوں کو بے دریغ لتاڑنا شروع کر دیا۔ ان کے محبوب رہنما شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ کو کشمیر سے کالے کوسوں دور نیلگری کی پہاڑیوں میں بند کر دیا گیا اور حضرت بل کی خانقاہ سے موئے مقدس چرا کر بھارت کے بے دین لیڈروں نے اس مرکز ہی کو ختم کرنا چاہا جو صرف پچاس لاکھ کشمیریوں ہی نہیں برصغیر کے کروڑوں

Marfat.com

مسلمانوں کی تمناؤں کا مرجع، ملجا اور ماوا ہے۔

ان گوناگوں دراز دستیوں کے خلاف وادی میں جگہ جگہ مظاہرے ہونے لگے، ڈوگرہ پولیس نے کشمیری طالبات اور طلبا کو منتشر کرنے کے لیئے مشین گنوں کے دہانے کھول دیئے۔ چند ہی روز کے اندر اندر، مظلوم، محکوم قوم کے قتلِ عام سے جنتِ نظیر کشمیر کا ذرہ ذرہ زعفران زار بن گیا اور چناروں میں لگی ہوئی آگ کا عکس دُور دُور پڑنے لگا۔

اِس ظلم، بربریت اور بہیمیت کے خلاف پاکستان نے بھارت سے پرزور احتجاج کیا ہی تھا کہ رانا سانگا کے وارث رَن کچھ پہ چڑھ دوڑے۔ بلیشک! یہ ایک آزمائشی جھڑپ تھی۔ شری لیشونت راؤ چاون دیکھنا چاہتے تھے کہ فوجی اعتبار سے پاکستان کتنے پانی میں ہے۔!

لیکن یہاں منہ کی کھلنے کے باوجود کشمیر میں بھارتیوں کے ہاتھ بدستور کھلے رہے اور جب آزاد کشمیر کے ایثار پیشہ مجاہد اپنی بہنوں اور بچوں کے قتل عام کو روکنے کے لیئے سری نگر پر جھپٹے تو بھارت اپنے مچھیروں کا زور لگا کر چلایا! پاکستانی سپاہی کشمیر میں داخل ہو گئے، ـــــ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے، کشمیر پہ حملہ بھارت پہ حملہ ہے!"

پھر ۲۳ اگست کی رات کو بھارتی توپ خانے نے اعوان شریف پر اچانک گولے برسا کر گجرات کے ایک ہرے بھرے گاؤں کو شعلوں میں لپیٹ لیا۔ بین الاقوامی سرحد کی حفاظت کے لیئے پاکستانی جانباز، مجاہدین آزاد کشمیر کے ساتھ چھمب پر چاند تارے کا سایہ ڈالتے اور یکم ستمبر کو چھمب فتح کر کے

Marfat.com

جوڑیاں سے دیوا کی طرف بڑھے اور بھارت نے ۶ ستمبر کو لاہور پر اور ۸ ستمبر کو سیالکوٹ کی سرحد پر بھرپور حملہ کر دیا۔

لال قلعے میں شری شاستری نے بڑے فخر سے کہا "اب ہم بھی اپنی مرضی کے محاذ کھولیں گے!" اور اس اعلان کے ساتھ ہی بھارتی فوج نے کارگل کی اس چوکی پر، جسے معاہدہ رن کچھ کی رو سے صرف چند ہی روز پہلے خالی کیا گیا تھا، دوبارہ قبضہ کر لیا اور اگلے روز ٹٹوال اور درہ حاجی پیر پر!

رائے پتھورا کے جانشینوں کی ان "شاندار فتوحات" پر بھارتی پریس نے تحسین و آفرین کے ڈونگرے برسائے اور شری چاون نے لوک سبھا میں سر اونچا کر کے کہا "بھارتی سورماؤں نے کشمیر میں کئی جگہ سے جنگ بندی لائن پار کر لی۔ آئندہ بھی ہم جس جگہ مناسب سمجھیں اس کمزور فرضی خط کو پار کرتے رہیں گے—!"

پرتھوی راج چوہان کے بدمست جنگی ہاتھیوں، بھارتی ٹینکوں، کی اس ہولناک یلغار کے پردے میں ہمارے "مخلص دوستوں" نے چین کے ساتھ دوستی کی سزا میں پاکستان کے منہ پر طمانچہ مارنا چاہا تھا۔ لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پاکستان کے برّی شیروں، بحری عقابوں اور فلک پرواز شہبازوں نے جرت انگیز عزم و استقلال کا مظاہرہ کر کے یہی طمانچہ خود انہی کے رخساروں کی طرف پھیر دیا۔ اور ان "چچی تلی کاری ضربوں سے اکیلا بھارت ہی نہیں بلکہ کچھ اور لوگ بھی تلملا اُٹھے!

اَن گنت برّی اور فضائی طمانچوں کے بعد "مہا بھارت" کے ماتھے پر ایک اور

Marfat.com

ذلت، بحری ہزیمت کا امٹ داغ لگنا ابھی باقی تھا۔ خوش قسمتی سے یہ بھی آٹھ اور نو ستمبر کی درمیانی "رات ہی کی بات" ہے!

پاکستانی بحریہ کے ایک بیڑے نے علمبردار جہاز "بابر" کی قیادت میں لنگر اُٹھایا ہی تھا کہ ۱۳ رجمادی الثانی کا چاند صدیوں سے وقف انتظار عروس کی طرح، بادلوں کی شبرنگ چلمن سے جھانکنے لگا۔ بحریہ کے افسر اور جوان عرشے پر کھڑے مسکرا رہے تھے۔ داہر کی راجدھانی، دیبل، کی رقیب کراچی کی جھلملاتی ہوئی روشنیاں انہیں الوداع کہہ رہی تھیں اور چاندنی کی دوشیزہ، بحرہ عرب کی لہروں کا نیلگوں نقاب اوڑھے طویل پرواز بحری عقابوں کے قدموں میں بچھی جا رہی تھی۔

اس نے پرشکوہ اسلامی بیڑے کی پہلی جھلک اس وقت دیکھی تھی جب مٹھی بھر صحرانشینوں نے مشرقی رومی سلطنت کے دل، روم ثانی، کنواری ماں کے شہر قسطنطنیہ پر توحید کا پرچم لہرانے کے لئے بیروت کے ساحل سے لنگر اُٹھایا تھا۔ جبرالڑ روڈیش، روڈز، افریطیش۔ کریٹ اور قبرص اسی مظفر و منصور مہم کی یادگاریں تھیں جو انیسویں صدی تک مسلمانوں کی چوکیاں بنی رہیں۔

اس جواں بخت قوم کے جنگی بیڑوں کو کاسابلانکا سے کنیسٹین اور سیکنڈے نیویا سے سندھ کے ساحل تک پھیلے ہوئے ساتوں سمندروں کی ایک ایک لہر جانتی تھی۔ اوقیانوس کے کنارے مراکش کی قدیم بندرگاہ کاسابلانکا ــــ دارالبیضا ــــ وہی مبارک مقام ہے جہاں شمالی افریقہ کے فاتح عقبہ بن نافع نے اپنا گھوڑا بحر ظلمات میں ڈال دیا تھا۔

پھر جبل الطارق کی وہ خوش نصیب چٹان جس کے نیچے فاتح ہسپانیہ

Marfat.com

طارق بن زیاد نے لنگر ڈالا تھا، فخر سے سینہ تانے سامنے کھڑی تھی۔ اور بحیرۂ روم کی متوالی لہریں "ہرقل کے ستونوں" سے ابھی تک مصروف راز و نیاز تھیں۔ یہ وہی لہریں ہیں جنہوں نے حضرت عمرؓ کے دور سے لے کر سولہویں صدی تک ایسے بیڑے شاید ہی کبھی دیکھے تھے جن کے مستولوں پہ ہلال کے سوا کوئی اور، اجنبی پرچم لہرا رہا ہو۔

اسی سمندر کے کنارے، الجزائر میں، ایک پتھریلے برج پہ آشیاں نشین بحری عقاب — خیرالدین باربروسا — کی نظریں یورپ کے ساحل کی نبض ٹٹولتی رہتی تھیں۔ لہروں کا یہ رازدان کپتان کل پیش آنے والے واقعات کی بو آج سونگھ لیتا تھا۔ ہاں، ہاں! وہی باربروسا جس نے فرانس کے شہنشاہ چارلس کی کمان میں پرتگال، جنوآ، وینس، روم غرضیکہ یورپ بھر کے متحدہ بیڑے کو ایسی شرمناک شکست دی تھی کہ مغربی دنیا کا نامور اطالوی امیرالبحار، آندریا ڈوریا، اپنے مستول پہ جلتے ہوئے چراغ بجھا کر شمالی کھاڑیوں کی طرف بھاگ نکلا تھا۔

بحیرۂ ایڈریاٹک کی اس فیصلہ کن جنگ کے کچھ اشعار، ڈوور سے ڈینیوب کے کناروں تک آباد ماہی گیروں کو آج تک یاد ہیں!

باربروسا کے جانشین بربروسا نے اٹھارویں صدی کی آنکھیں بند ہوتے ہوئے بھی بحیرۂ روم میں داخل ہونے والے یورپی جہازوں سے خراج وصول کرتے رہے۔ بیسویں صدی کے رہنما ملک — امریکہ — کی کانگریس نے اپنی مختصر سی زندگی میں سب سے پہلے جس "بل" پر دستخط کیے۔ وہ اسی خراج کی رقم سے متعلق تھا۔ الجزائر کے جیالے ملاحوں کی خدمت میں پیش کیا جانے والا خراج!

Marfat.com

اور اُن کے پُر دم وارثوں، ــ پاکستانی ملاحوں کو صدیوں کے بعد جنگی بیڑے کی تیواروں پہ ہاتھ جمانے کا موقع بلا تھا۔ ان کا رُخ دُوارکا کی طرف تھا، ــ کاٹھیاواڑ کے ساحل پر آباد اس دوارکا کی طرف جہاں "مہابھارت" کے مشہور زمانہ ہیرو، کرشن جی مہاراج نے آنکھ کھولی تھی۔ وہی سانولے، سلونے کرشن مراری جن کی، بنسری نے "گوکل کی گوپیوں" کے دِل موہ لیئے تھے۔

یہاں صرف وہ جگت مندر ہی نہیں تھا جس کے "گلاب گوں" تلالبوں میں آنکھ مچولی کھیلنے والی "جل پریوں" کی ساڑھیاں سمیٹ کرشن جی درختوں میں چھپ جاتے تھے بلکہ امریکہ نے چین کے خلاف، بھارت کے فوجی مواصلات میں آسانی کے لیئے ساٹھ کروڑ روپے کا جو قیمتی ریڈار بطور امداد پیش کیا تھا، دوارکا کے ساحل پر ہی نصب تھا۔ بھارتی بمباروں نے اسی ریڈار کی مدد سے کراچی، بدین، ملتان، کوہاٹ اور پشاور کے شہریوں پہ بم برسائے تھے۔

دوارکا کی بو سونگھتے ہی سرفروشوں کی بیتاب تمنائیں بہکنے لگیں۔ پچھلے تین روز کی بری اور فضائی کامرانیوں کا نشہ بہت ہی سرکش تھا۔ توپچیوں کے قدم غیر ارادی طور پہ توپوں کی طرف سرکنے لگے اور کپتان نے ان کا دِل گرمایا۔

"اگرچہ دوارکا کا لائیٹ ہاؤس بھی بلیک اوٹ" کا پردہ اوڑھے سو رہا ہے۔ لیکن تمہیں اپنے نشانے ڈھونڈھنے میں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ شہدائے سومنات کے خون نے کاٹھیاواڑ کے ذرے ذرے کو منور کر رکھا ہے۔!"

اس کے بعد کیا ہوا؟ جگت مندر کا ساکت، سنہری کلس سب کچھ جانتا ہے۔ ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں نے بحیرہ عرب سے ایک کوندا لپکتا دیکھا اور

Marfat.com

اسی لمحے دوارکا میں آگ بھڑک اُٹھی۔ ریڈار سٹیشن پیوند زمین ہو چکا تھا۔ ساحل کی حفاظت کرنے والے توپ خانے دھواں بن کر کاٹھیاواڑ کی فضاؤں میں تحلیل ہو گئے۔ صرف شعلے باقی تھے، جن کی زبان "بابر" کے عرشے پر مسرور و مطمئن کھڑے ہوئے نمازی بخوبی سمجھ رہے تھے! "مقصد پورا ہو گیا!"

کپتان نے مسکرا کر واپسی کا اشارہ کیا اور ابھی بابر نے رُخ پھیرا ہی تھا کہ تین بھارتی طیارے دوارکا کا انتقام لینے کے لیئے اس پر جھپٹے۔ یہ وہ دِن ہیں جب سرگودھا کے چند عرش پرواز عقاب، ائیر مارشل ارجن سنگھ بار بار بتا چکے تھے۔ صرف تین طیاروں کے گرنے سے تو بحیرۂ عرب کی البیلی لہریں جاگ اُٹھنے پر راضی نہیں ہوں گی۔

بے شک، دوارکا کے شعلے اور تین بھارتی طیاروں کی تباہی، لہروں کی نیند میں خلل نہ ڈال سکی اور "بابر" اپنے قدم چومنے والی نندا سی ہوئی لہروں کو بڑے پیار سے تھپکتا اپنی بندرگاہ کو لوٹ آیا۔

391
1102

Marfat.com

سولہواں باب

قیامت کی رات

تیرہ جمادی الثانی کا چاند ڈھلا ہی تھا کہ دوار کا سے لپکنے والے شعلوں کی تپش سیالکوٹ کی فضاؤں میں آ رچی، ہولناک سناٹے میں موت کی بو باس اور بارود کے بوجھ سے ڈگمگاتے ہوئے لپٹوں نے صادق کو بے چین کر دیا۔ پچھلے ایک ہفتے سے محاذ پر ایسا سناٹا کبھی نہیں چھایا تھا۔

جھنگروں کی بے ربط، بے ہنگام سیٹیاں ہی نہیں خشک، نیم سوختہ پتوں کے تا حدِ نگاہ پھیلے ہوئے فرشوں پر اِن کی نقل و حرکت سے پیدا ہونے والی آوازیں اور ان آوازوں کی دیرپا بازگشت بھی سکوت میں رنگتی صاف سنائی دیتی تھی۔

وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ بقول کرنل عباسی آج کی رات جنگ کونسا رُخ بدلتی ہے! لیکن کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی ٹِک ٹک نے اِس کے خیالوں کو کسی اور طرف موڑ دیا۔ اس نے مضطرب ہو کر گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ ریڈیم آمیز

Marfat.com

ہندسوں کے جھرمٹ میں بھڑکتی ہوئی سوئیاں کہیں اور اشارے کر رہی تھیں

سی، ایم، ایچ سیالکوٹ، سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم، فریدہ اور جیر ــــ

جیر کو انڈین موٹر بریگیڈ کے فیاض میجر کی سپیرٹنگ والی جیپ پر صبح سویرے اس لیے سیالکوٹ بھیجا گیا تھا کہ وہ قیدی حوالدار ہردیال کو بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز میں چھوڑتا، اسلم سمیت دوسرے ساتھیوں کی خیر و عافیت پوچھتا اور ایچی کیس فریدہ کے حوالے کرتا فوراً واپس آجائے گا ــــ اسے اب تک لوٹ آنا چاہیئے تھا۔

اور اس کے ساتھ وہ ایک عجیب و غریب خیال کے کیف سے سرشار ہو کر بے اختیار جھوم اُٹھا! فریدہ سے ٹیلی فون پر پوچھ کیوں نہ لوں؟ جیر اس وقت تک ہسپتال میں بیٹھا کونسی کہانی سنا رہا ہے۔ زندگی میں پہلی بار اپنی اکلوتی تمنا سے براہِ راست بات کرنے کا ایسا معمول بہانہ پھر قسمت ہی سے ہاتھ آئے گا۔

وہ انجانے تذبذب کے ساتھ ٹیلی فون کی طرف جھکا اور جذبوں کی فراوانی سے اس کا ہاتھ لمحے کے لیئے محسوس طور پر کانپا! اور کیا کہو گے؟ اس نے رسیور کان سے لگایا اور اسے پتھر کی طرح بے جان محسوس کرتے ہی چکر دیا۔ آٹھ روز گھمسان کی جنگ میں دن رات لگاتار کام کرنے والا ٹیلی فون میدانِ جنگ میں قیامت کا دغادے رہا تھا۔

وہ گہرے سکوت میں ڈوبے ہو "ڈگ آوٹ" سے شیر کی طرح اُبھرا اور کھلی فضا میں بھی پہلے سے کسی قدر اور ہیبتناک سناٹے نے لپک کر اسے

Marfat.com

خوش آمدید کہا۔

"تاجدار" کے ہلکے پھلکے ہیڈ کوارٹرز میں آج کمانڈر کے علاوہ صرف دو سپاہی، ڈرائیور اور آپریٹر، باقی بچ گئے تھے اور کمانڈر ہی کی طرح دونوں ڈگ آؤٹ کے کنارے خاموش کھڑے سناٹے میں نہ جانے کیا ڈھونڈ رہے تھے۔

کمانڈر ان کی طرف اور وہ کمانڈر کی طرف بڑھے۔ پھر قریب آنے پر ڈرائیور اور ائرلیس آپریٹر نے سیلیوٹ کیا۔

"کیا خبر ہے؟" کمانڈر نے برملا پوچھا۔

دونوں سپاہیوں نے ایک ساتھ نفی میں سر ہلایا۔

"کچھ تو پتہ لگنا ہی چاہیئے۔" کمانڈر چاروں طرف بیتابی سے گھورنے لگا "ورنہ ہم کوئی نشان چھوڑے بغیر ان سناٹوں میں ڈوب جائیں گے!"

وہ ان کے قریب سے سرکتا آگے بڑھا ہی تھا کہ ڈرائیور نے اسے وردی کا خیال دلایا! "رات کے وقت دشمن حوالدار کٹ، میں ——!" اور وہ اپنی بات پوری بھی نہ کر پایا تھا کہ مارٹر کا شیل سنسناتا ہوا آیا اور ڈگ آؤٹ سمیت دونوں سپاہیوں کی دھجیاں بکھیرتا سناٹے میں سما گیا۔

کمانڈر نے اٹھنے سے پہلے گردن پھیر کر عین اسی جگہ نگاہ ڈالی جہاں چند لمحے پہلے اس کے آخری دو ساتھی اسے مشورہ دے رہے تھے۔ لیکن اب مشوروں پر عمل کرنے کا وقت گذر چکا تھا، بقول کرنل عباسی جنگ اپنا رخ بدل چکی تھی۔

اس نے بیتابی سے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنی رانوں سے بندھے

Marfat.com

ہوئے دونوں گرینیڈ ٹوٹے، "تاجدار" کے ترکش کے آخری دو تیر، — اور قریبی چوکی کی طرف دوڑا۔ ممکن ہے وہاں سے کوئی تازہ خبر مل جائے۔ اللہ کرے اس کا ٹیلی فون کام کر رہا ہو۔

ساتھ والی چوکی کو ڈھونڈھنے کی ناکامی پہ اس کا ماتھا ٹھنکا اور وہ سوچنے لگا کہیں دشمن ہمارے مواصلات کا خط کاٹتا — ! لیکن اس کے چاروں طرف پُراسرار سرسراہٹوں نے اس کے خیالوں کا سلسلہ درہم برہم کر دیا اور وہ چوکس چوکنا ہو کر جھاڑی کی طرف لپکا۔

ڈھلے ہوئے چاند کی چاندنی پیلی پڑ گئی تھی اور دھواں دھار گرد و غبار کے دبیز پردوں میں لپٹے ہوئے قامت، متحرک سائے اور ناقابلِ تسریح سرسراہٹیں۔ اور اشتیاق و اضطراب کے اسی عالم میں اپنے آپ کو ایک ویران جزیرے کی طرح موجود پا کر اس کے ہونٹوں پہ ناقابلِ فہم تبسم کے سائے پھیل گئے، زندگی کے سدا بہار پھوٹتے، گنگناتے ہوئے چشمے، جھرنوں اور آبشاروں کا خرام ترنم خرام!

اور ساتھ ہی یہ کھٹکا بھی بدستور دامنگیر رہا کہ یہی میلی، مٹیالی، بلگجی خاندنی سایوں اور سرسراہٹوں کے سمندر میں بلا کا ہیجان پیدا کر دے گی مشرقی اُفق کے تاریک سینے سے اُبھرنے والی قیامت خیز لہریں آتش افروز اژدہا کی طرح پھنکارتی اور بل کھاتی اسے گھیر لیں گی اور —

اپنے اوپر سنسناتے ہوئے شیل سے بچنے کے لیے وہ آگے سرکا اور ذرا دیر بعد اپنے جسم پہ پاؤں سے گردن تک گرد و غبار کی موٹی، بھدی چادر

Marfat.com

گرفت محسوس کر کے آگے ہی آگے سرکتا چلا گیا۔ اب انتظار کا وقت گزر چکا تھا۔ دشمن رستے اپنی شیلوں کی زبانی ایک دوسرے کو حملہ کرنے کا اشارہ دے رہے تھے۔ عنقریب حملہ ہونے والا تھا۔ کہاں؟

کاش! اسے معلوم ہوتا کہ "یہ گوکل کے کنہیا" — کرشن مراری کی جنم بھومی دوآر کا پر بحری عقابوں کی کاری ضرب کا ردِّ عمل تھا۔ پینتالیس کروڑ بُت پرست غضبناک ہو کر سیالکوٹ پر بھرپور وار کر چکے تھے۔ جنرل چوہدری کے نقطۂ نگاہ سے یہ آخری اور فیصلہ کُن وار تھا۔ اور اس کے لیے رَن کچھ کی ہزیمت کے بعد ہی سے تیاری ہو رہی تھی۔

ہمالیہ کی ترائیوں میں بسنے والے جنگجو، جفاکش گورکھوں کے انفنٹری بریگیڈ، مہاراشٹر کے کٹھیلے، سجیلے مرہٹوں کی پلٹنیں، راجستھان کے طرح دار راجپوت بانکوں کے برق رفتار مشینی رسالے، گرانڈیل جاٹوں کے دوربار میدانی توپ خانے اور دوآبے کے کڑیل سکھوں کی رجمنٹیں۔

جنرل چودھری کا اپنا خاص ڈویژن "فخرِ ہند" سب سے آگے تھا اور اس میں شامل شکتیمانوں پر کالے ہاتھی کا نشان دُور سے نظر آتا تھا۔ مسلمانوں کے ادنیٰ دشمن، تثلیث پرست، صلیب بردار مغرب کی بے دریغ فوجی امداد نے پورس کے ہاتھی میں پھر سے جان ڈال دی تھی۔

○

سیالکوٹ چھاؤنی میں سرِ شام گرنے والے پہلے گولے ہی نے یہ راز فاش کر دیا تھا کہ لاہور کا نامراد دشمن اَب سیالکوٹ اور ڈسکے سے اُبھر کر جی ٹی روڈ ــــ پاکستان کے فوجی مواصلات کی شاہ رگ پر خنجر کی نوک رکھنے والا ہے۔!

پھر بے دریغ گولہ باری نے شہر پر زلزلہ سا بپا کر دیا۔ سیالکوٹی عورتیں اور مرد، بچّے بوڑھے اور جوان اپنے پاؤں پر اُٹھ کھڑے ہوئے اور فتح کی دھن میں دوسروں ہی نہیں خود اپنے آپ سے بھی بے نیاز ہو گئے۔ پورے شہر میں کوئی چیز کھٹکتی تھی تو صرف تنہائی اور تنہائی کا شدید احساس ــــ موت کی ہلچل میں کھوئے سے کھوا چھلنے کے باوجود گرد و پیش پر نگاہ ڈالنے کی فرصت کسے تھی۔!

رات ڈھلتی اور زخمی قافلوں کی تعداد و رفتار بڑھتی چلی گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے مڈل سپتال صرف ارضِ سیالکوٹ ہی نہیں پوری کائنات میں حرکت کرنے والی ہر چیز کا محور و مرکز ہے۔ محاذ سے زخمی مجاہد، مضافات اور شہر سے زخمی شہری، پھول سے بچّے، اور اِن کے ورثا، آہوں میں ڈوبی ہوئی عمر رسیدہ مائیں، خون کے آنسو روتی بہنیں، بہ ملبب سوگوار نوعروسیں اور ایک ایک کا حیرت و حسرت سے منہ تکنے والے حیران، پریشان معصوم بچے!

بے رحم حالات فریدہ اور ممتاز سمیت بیگم عباسی اور پروفیسر رضیہ کو بھی یہیں کھینچ لائے تھے اور سیکنڈ لیفٹیننٹ ان میں شاملِ ہو کر ایسا مجسم سوالیہ نشان بن گیا جس کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

Marfat.com

فریدہ اور ممتاز آپریشن تھیٹر میں مشینوں کی طرح کام کر رہی تھیں۔ آج تو ٹیلی فون کی مصروفیت پر بھی رحم آتا تھا۔ پل پل کے بعد گھنٹی کی گونج کے ساتھ فریدہ کی نظریں ڈیل میں اٹک اٹک جاتیں۔ جیر نے پہلی فرصت میں کمانڈر کو ادھر بھیجنے کا وعدہ تو کیا ہی تھا۔ وہ "تاجدار" کے ہیڈ کوارٹرز میں قدم رکھتے ہی ٹیلی فون کرنا بھی نہیں بھولے گا۔ پر افسوس! آج ہاتھ سے رسیور کا درمیانی فاصلہ کون پار کر سکتا تھا۔

رات بھر ہسپتال کو مڑنے والی تیز رفتار ایمبولینسوں کی چیخیں سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم کے ذہن پر ضربیں مارتی رہیں اور اب اس میں اتنی بات ہی نہیں تھی کہ وارڈ میں دیوانہ وار در آنے والے سرجنوں، نرسوں اور نرسنگ سپاہیوں کی آہیں، ان کے لباس کی خراشیں برداشت کر سکتا۔

لیکن اس بدقسمتی کو کیا کہا جائے کہ جن زخمیوں کی مرہم پٹی ہو چکی تھی، انہیں وارڈوں میں منتقل کرنے کا یہی وقت تھا۔ پہیے دار، بے آواز سٹریچروں پر دراز، خاموش، مدہوش مجاہد، دن رات کے مسلسل کام سے چور چور عملہ، وارڈ کی اونگھتی ہوئی فضائیں اور سدھ ماتی رات!

سسٹر ممتاز نے چائے کی پیالی تپائی پر رکھی ہی تھی کہ اسلم نے آنکھیں کھولیں، سب سے پہلے پیالی کو دیکھا، پھر سسٹر ممتاز کو! "اور سسٹر فریدہ کو؟"

"اسی نے بھجوائی ہے۔" ممتاز نے پیالی کی طرف اشارہ کیا اور ساتھ ہی مسکرائی۔ "اس میں برف ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں!"

اسلم بھی مسکرایا۔ لیکن اس کی مسکراہٹوں میں آنسو گھل گئے تھے۔ ممتاز،

Marfat.com

نیند کے جوش سے اسلم کی سُرخ، سُوجی ہوئی آنکھوں میں جھانکنے کی جرات نہ پاکر ان سے کتراتی چل دی۔ وہ کہہ رہی تھی! "فریدہ فارغ ہوتے ہی سیدھی آپ کے پاس آئے گی"۔

مُمتاز نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ لیکن فریدہ کو فرصت کب نصیب ہوئی تھی؛ اِس کی فرصتیں اور فراغتیں تو جنگ نے لوٹ لی تھیں۔ اس کے سامنے لگاتار آٹھ روز سے خون کے چشمے اُبل رہے تھے، آگے چیخیں، پیچھے آہیں، اور وہ ایک ایک چشمے میں جھانکتی، چیخیں اور آہیں سنتی عزم و استقلال کا مہتاب بنی گردش کر رہی تھی۔

آپریشن تھیٹر میں ایک ایک زخمی اس کی نظروں سے گزرا تھا لیکن اس کے اضطراب کا یہ عالم تھا کہ طویل وقفہ کے بعد چائے کے چند گھونٹ پینے کے لیے فرصت کے جو چار لمحے ملے تھے اِن کی آڑ میں چارٹ پڑھتی پھرتی تھی۔ کوئی کیپٹن صادق "تاجدار" کا کوئی اور افسر یا سپاہی یا ایسا کوئی آدمی جو اس کی خبر سنائے۔ بے سود! مٹھی منید ھر والی سے الہڑ ریلوے سٹیشن تک ارضِ سیالکوٹ پر ایسا بھرپور طوفان چھایا تھا جس کے ہیبتناک کڑکوں میں کان پڑی آواز بھی سُنائی نہیں دیتی تھی۔

پھر ایک طرف سے فریدہ نے وارڈ میں قدم رکھا۔ دوسری طرف سے ممتاز نے ایک ہاتھ میں چائے سے لبریز تھرماس اور دوسرے میں پیالیاں، اس نے سب چیزیں تپائی پر رکھیں اور اسلم اور فریدہ سے نظریں چرانے کے لیے پیالیاں بھرنے لگی۔

Marfat.com

اسلم کے قریب کرسی پر چپ چاپ بیٹھتے ہی فریدہ نے اپنا سر درد سے پھٹتا محسوس کیا اسے بالکل نادانستہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ پھر اسے معاً اسلم اور ممتاز کی موجودگی کا خیال آیا اور اپنی روح کی گہرائیوں سے ابھرنے والی آتش بار آہ کو ایک سانس میں پی جانے کے لیئے پیالی اُٹھائی۔

چائے نوشی کے دوران میں کسی نے منہ سے کوئی بات نہ کی، نہ آنکھوں سے پھر اسلم اپنی خالی پیالی تپائی پر رکھتے وقت بے اختیار ہو کر فریدہ کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ "تاجدار" سے کوئی ٹیلیفون، کوئی خبر، کوئی سن گن، لیکن ان آنکھوں میں کہکشاں کی طرح تا حدِ نگاہ پھیلتا ہوا سوالیہ نشان دیکھ کر اس کے ہونٹ بھنچ گئے۔ فریدہ نے سگریٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ لیکن آج اسلم کی دُنیا اسلم کی زد میں تھی۔ فریدہ پہلی نظر ہی میں اس انقلاب کی تہہ تک جا پہنچی تھی۔

اسلم نے سگریٹ سلگاتے ہی معذرت کی "معاف کیجئے، سسٹر! اب میں اپنا کام خود کرنے کے قابل ہو گیا ہوں۔"

فریدہ نے اسے دیکھا، دیر تک دیکھتی اور سوچتی رہی! جواں سال شہباز کیا کہنا چاہتا تھا؟ وہ سمجھ گئی! "مجھے خوشی ہوئی!" فریدہ نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی! "اب شاید کل آپ کو چلنے پھرنے کی اجازت مل جائے گی اور دوسرے تیسرے روز ——!"

"تیسرے روز نہیں، کل، سسٹر!" اسلم نے اس کے منہ سے بات چھین لی! خدا کے لیئے کل، میں وعدہ کرتا ہوں ——" پھر وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر معاً

Marfat.com

خاموش ہو گیا۔ "جاتے ہی آپ کو ٹیلی فون کر دونگا" کے الفاظ ابھی تک اس کے ہونٹوں پہ سہمے، سمٹے، دبکے بیٹھے تھے۔ اِن کی پر آشوب تھرتھراہٹوں سے بچنے کے لیے فریدہ خالی پیالی تپائی پہ رکھ کر اُٹھی۔ آگے بڑھ کر اسلم کے سرہانے دریچہ کھول دیا اور پردہ سمیٹنے لگی۔

اپنے چہرے پہ چاندنی کی بھیگی بھیگی، نیم بقرئی، نیم سنہری ریشمی لچھیاں سی سرسراتی محسوس کر کے اسلم تڑپ کر اُٹھ بیٹھا۔ اس کا رُخ دریچے کی طرف تھا، نظریں فریدہ پہ، اس کے منہ سے بے اختیار نکلا! "زندہ باد، سسٹر!"

اسلم بیٹھا اسے دُعائیں دے رہا تھا؟ فریدہ دریچے کے پار جھانکنے لگی پھر لان کی طرف اس کے اُٹھنے والے قدموں کی رفتار، تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی اور وہ چاندنی کی بھیگی بھیگی، نیم نقرئی، نیم سنہری ریشمی لچھیوں کے توسّل سے ایک ایسی کائنات میں پہنچ گئی۔ جہاں کیپٹن صادق طویل، تابناک ماضی اور ضو فشاں، بے کراں مستقبل سمیت اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا تھا۔

Marfat.com

سترہواں باب

جئے ہند!

آج سے پورے پچاس برس پہلے، پہلی جنگِ عظیم میں برطانوی بحریہ کے نوجوان "فرسٹ سی لارڈ" ونسٹن چرچل نے ایک رواں دواں فولادی قلعے کا خواب دیکھا۔ فرانس کے محبِ وطن سپاہی بریگیڈیر جنرل چارلس ڈیگال نے بیسویں صدی کے اِس ناقابلِ دفاع، جارحانہ ہتھیار کی اہمیت و امکانات پہ پہلی کتاب لکھی اور نامور جرمن سپہ سالار رومیل نے پہلی بار چند ٹینکوں کے ساتھ سکندریہ سے سائبیریا تک "جرمن ٹینک کور" کی دھاک بٹھائی۔

جب رومیل نے ناقابلِ تسخیر "میگناٹ لائن" ایک طرف چھوڑ کر فرانس سے رو و بار انگلستان کی طرف رُخ پھیرا تھا تو مشہورِ زمانہ انگریز جرنیل منٹگمری پورے دو لاکھ ہموطن سپاہیوں سمیت اسلحہ اور رسد شیربرگ کے ساحل پہ پھینک کر جزائرِ برطانیہ کو اُمڈ بھاگا تھا اور وزیرِ اعظم چرچل نے سینٹ پال میں دوزانو جھک کر کنواری ماں کا شکریہ ادا کیا تھا! تو نے انگلستان کو تباہی سے

Marfat.com

بچالیا!"

لیکن جب چھ سو ٹینکوں کی آڑ میں پورے چار بھارتی آرمرڈ ڈویژنوں نے پاکستان کا خواب دیکھنے والے کے وطن سیالکوٹ پر یلغار کی تو اس کے محافظوں کے پیچھے ایسا کوئی جزیرہ نہیں تھا، جہاں انہیں پناہ ملتی۔ اگر ان کے قدم اُکھڑ جاتے تو کشمیر سے کاٹھیاواڑ تک تنی کمان کے چلے پر ایسا نوکیلا تیر چڑھا تھا جو اباسین کے مغربی کناروں تک ہموار دھنستا چلا جاتا۔

تقسیم کے وقت سے بہار، کلکتے، کانپور، بمبئی، گڑھ مکتیسر، دِلی اور مشرقی پنجاب کے لگے ہوئے زخم ابھی تک بہہ رہے تھے۔ بچہ بچہ جانتا تھا کہ آج دشمن کے ہاتھ سلامت چھوڑ دیئے گئے تو وہ پاکستان کو آتشِ فشاں میں بدل دے گا۔

پاکستان کو آتش فشاں بنانے کیلئے دوسری جنگِ عظیم کے بعد ٹینکوں کی تاریخ کی سب سے بڑی جنگ پاکستان کے سٹالن گراڈ "سیالکوٹ" کی مصیلوں ہی کے نیچے تیج گڑھ میں لڑی جا رہی تھی۔ یہ طوفان ازل ہی سے اِسی چوڑے چٹیل میدان کی قسمت میں لکھا تھا۔ یہاں تناور گھنے درختوں کی رکاوٹ تھی، نہ نہر۔ پھر دھان، مکی، باجرے، جوار اور گنّے کے قد آور کھیت حدِ نگاہ تک حملہ آور کے مورچوں کی بڑے خلوص سے پردہ داری کر رہے تھے۔

ان سازگار حالات سے فائدہ اُٹھا کر سیالکوٹ پر قبضہ کرنے کی دشمن کو ایسی جلدی تھی کہ وہ پورے آٹھ روز میں بھی، آندھی کی طرح ایک دوسرے پر چڑھی چلی آنے والی سپاہ اور ساز و سامان کو مربوط و منظم نہ کر پایا۔ سچ تو یہ ہے کہ فاتح کی موت کے تصوّر سے مبہوت، سراب خوردہ بھارتیوں کو مجاہدوں کے مورچے

گندم کے گودام نظر آتے تھے اور اِن کی چال ڈھال سے پتہ چلتا تھا، کہ وہ شکتیمانوں کی چٹانوں کے عقب اُبھرتے، گندم کی بوریاں کندھے پر رکھیں گے اور انہی کالی چٹانوں کی آڑ لیتے دلی کو لوٹ جائیں گے۔

بے مثال افراتفری کے اسی عالم میں، اگلے روز صبح سویرے کیپٹن صادق نے اپنے آپ کو ایک ایسی کارواں سرائے میں موجود پایا، جس کے طور طریقے بتا رہے تھے کہ یہ ٹرانزٹ کیمپ ہے۔ اِدھر سے جانے، اُدھر سے آنے والے سورماؤں کا این بسیرا۔ وہ یہیں اپنی جگہ بنانے کے لیے بڑے عزم و اعتماد کیساتھ اپنی ایڑیاں گاڑھ رہا تھا کہ ایک رنگیلے، راجپوت رسالدار میجر نے اِسے اپنی طرف بلایا! "تمہارا نام؟"

"حوالدار ہردیال!"

"کونسی یونٹ؟"

کیپٹن صادق کی نظریں رسالدار میجر کی آنکھوں میں ڈوبتی، روح کی گہرائیوں میں اُترتی چلی گئیں اور حوالدار کی سوچ کے برعکس زمانہ شناس رسالدار میجر یہ سمجھنے میں حق بجانب تھا کہ کوئی سمجھ دار سینئر این سی او اس مسافر خانے کی ذمہ داری آسانی سے نہیں اُٹھائے گا۔

وہ تیزی سے بولا! ہمی نہیں تم بھی جانتے ہو، ٹرانزٹ کیمپ میں چار دن سے زیادہ کون ٹھہرا ہے۔ تم آج سے این سی او انچارج کیمپ ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ یہاں ڈسپلن قائم رکھنے میں تمہیں جبری تکلیف نہ ہو گی۔ ہم سے جہاں تک ہو سکا، تمہاری مدد کریں گے۔"

Marfat.com

وہ نوجوان حوالدار کی آنکھوں میں اطمینان کے ڈھلتے ہوئے سائے دیکھ کر مُسکرایا! "ہم ایسی جنگ لڑ رہے ہیں، جس میں پاٹ وَن اور پاٹ ٹو آرڈروں کے جھمیلے کی جرورت ہی نہیں۔ ہمارا کام جبانی چلے گا" پھر وہ کچھ سوچ کر بولا! "اور اگر تم ایسی لکیریں مارنا جانتے ہو جو جرادیر بعد کھود تمہاری سمجھ میں بھی آجائیں ——!" اس نے بش شرٹ کے تھیلا نما جیب سے نوٹ بک اور اِس میں اُڑسی ہوئی پنسل حوالدار کی طرف بڑھائی! "یہ لو۔"

حوالدار نے نوٹ بک وصول پاتے ہی رسالدار میجر کو سیلیوٹ بھی کیا اور ساتھ ہی اطمینان کا سانس بھی لیا۔ رسالدار میجر جاتے جاتے رک گیا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ حوالدار بدستور اپنی جگہ جما کھڑا تھا۔

رسالدار میجر نے کہا! "تمہیں یہ بتانا تو بھول ہی چلا تھا کہ آج ہمیں تین سو مہمانوں کے کھانے کا انتجام کرنا ہوگا۔ کوارٹر ماسٹر سب کچھ جانتا ہے۔ راشن بیس کو چلا گیا ہوگا۔ اب تمہیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ کھانا جرا ڈھنگ کا ہو اور جب وہ کھانے بیٹھیں تو کوئی دوسرا حرام کھور اِس پر ہاتھ صاف نہ کر جائے" وہ مُڑتے مُڑتے رُک گیا۔ اسے شاید کئی روز کے بعد کسی خاصے سمجھ دار حوالدار کے ساتھ باتیں کرنے کا موقع مِلا تھا!

"اُلٹا جمانہ ہے حوالدار، جب ہم حوالدار کوہما، منی پور اور امپھل کے پار دوسری جنگِ عجیم لڑ رہے تھے نا، دِن رات بھگوڑوں کا چیچا رہتا تھا۔ لیکن آج تو یوں لگے جیسے اناج کی قلت نے اُن کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ کم بخت پران چھوڑ دیتے ہیں پر مُلکا نہیں چھوڑتے!"

ایک اور زوردار سیلیوٹ کے سہارے رسالدار میجر کو رخصت کرتے

Marfat.com

ہی حوالدار نے تین سو کھانوں کی یادداشت نوٹ بک میں محفوظ کر کے جیب میں ٹھونسی اور بٹن بند کرتے وقت اس کی نظریں رسالدار میجر پر لگی رہیں۔ وہ بھی اپنے طور پر بہت مطمئن چلا جا رہا تھا۔

حوالدار کے ذہن میں ایک شعر مچلنے لگا، جس کی لذت محسوس کرتے ہی وہ بے اختیار مسکرا اُٹھا۔ اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ، انہیں کچھ نہ کہو!

کیپٹن صادق، این سی او انچارج ٹرانزٹ کیمپ بن کر کیمپ سے ذرا بچتا اس ٹیلے پر جا آباد ہوا جہاں سے مشرقی اور مغربی گذرگاہیں اس کی نگاہوں میں تھیں۔ "تاجدار" کے تھکے ماندہ کمانڈر کو پورے دس روز کے بعد فراغت ملی تھی۔ اس نے اپنے ڈگ آؤٹ کو آرام دہ بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

ڈگ آوٹ کے منہ پر ہی ایک چار شاخی گھونٹی گڑی تھی، جس کی ایک ایک شاخ پر پانی سے لبریز چھاگلیں جھول رہی تھیں اور تام چینی کا نیاتہ دار مگ دور ہی سے نظر آتا تھا۔

ڈگ آوٹ میں ٹاٹ پٹی کا فرش، نئی نیلی دری، سلیقے سے تہ کی ہوئی جالی کی مچھر دانی، نیا نرم کمبل اور سلور کی کیتلی۔

وقت بے وقت میس کو جانے والا ہر سپاہی ڈگ آوٹ کو چھو کر گزرتا، اس یقین کیساتھ کہ کیمپ کی کمان تو "میجر" ہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ نظروں میں کھٹکنے والے کو ڈیوٹی پر ٹانگ دیا اور آنکھوں میں سما جانے والے کے نوکری پہرے معاف!

مگر ے — حیلہ جو سپاہی مکھیوں کی طرح بھنبھنانے لگے۔ کوئی "میجر" کی کیتلی

Marfat.com

میں چائے لانے اور کوئی پانی کی چھاگل بھرنے کے اشاروں کا منتظر!

اور وہ اپنے ڈگ آؤٹ میں مگن بیٹھا چائے کی جرعہ نوشی کا خط اُٹھا ہی رہا تھا کہ اس کی نظریں اچانک گھڑی پہ جا پڑیں۔ پھر اس نے مگ میں بچی کھچی چائے کو دیکھا اور اسے ایک ہی سانس میں چڑھاتا باہر نکل آیا۔

○

پاکستان کی تاریخ کا طویل ترین، نوستمبر کا دِن ڈھل رہا تھا۔ چاروں طرف سے توپ خانوں، ٹینکوں، سپاہ بردار لاریوں اور اسلحہ بردار گاڑیوں کے قطار در قطار قافلے اور ان پہ بھارتی بمباروں کے تنے ہوئے سائبان — حدِ نگاہ تک مٹھیں مارتے ہوئے اس فولادی سیلاب کا رُخ سیالکوٹ کی طرف تھا۔

وہ اپنے ہونٹ کاٹتا میس کو مڑنے ہی والا تھا کہ داہنے ہاتھ، ذرا اور ایک عجیب و غریب دستے کو بے ترتیبی سے ڈگ آؤٹ کی طرف دگمگاتے دیکھ کر رُک گیا۔

گریزن ملٹری پولیس کے چند پریشان حال جوان ایک ایسے سپاہی کو کشاں کشاں لیئے چلے آ رہے تھے جس کی چال ڈھال حوالدار کی آنکھوں میں ڈھلی تھی۔ وہ اسے پہچاننے میں کبھی دھوکا نہ کھا سکا۔

اس نے دستے کو ڈگ آؤٹ سے چند گز دُور ہی جا لیا اور سپاہی کو دیر تک دیکھنے کے بعد برملا کہا! "بہت تیرے سری رام کی، بلیٹے! اب کی تو کورٹ

Marfat.com

مارشل میں گولی سے اُڑ جائے گا۔ پوری یونٹ کو معلوم ہے، تو اس روز شکتیمان کی انسپکشن اَدھوری چھوڑ کر آج ماتھے لگا۔ نہیں، اب میں کچھ نہیں کر سکتا!

"کیا کروں حوالدار ہردیال جی، آسمان سے گرا، کھجور میں اٹکا۔" سری رام نے لمحے بھر کی خاموشی میں کیریزن ملٹری پولیس کے ایک سپاہی کو دیکھا! "اور اب اِس کے چھوڑے ہوئے یہ شکرے صبح سے جگہ جگہ گھسیٹتے پھرتے ہیں، صرف یہ معلوم کرنے کہ میں کون ہوں۔" اور اِس کے ساتھ ہی وہ حوالدار کی آنکھوں میں جھانکتے ہی مُسکرایا! "کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا!"

حوالدار کچھ اور کہے سنے، کسی اور کو کہنے سننے کا موقع دیئے بغیر انہی قدموں پر گھوم گیا اور پورے دستے کی قیادت کرتا ڈگ آوٹ میں آ اُترا اس نے سب سے پہلے ٹھنڈے پانی کے چھلکتے ہوئے جام پیش کئے۔ پھر تیز، تُند چائے اور اُوپر سے سگریٹ، جنہیں سلگاتے ہی سب نے دیوار سے ٹیک لگائی اور پاؤں پسار کر بیٹھ گئے۔

حوالدار نے سگریٹ کا طویل کش لیا اور دستے کے کمانڈر مائیک کو دیکھا! "ہم سب نوجوانی، ناتجربکاری کا شکار ہیں۔ ہم نے وہ خبر دس روز پہلے ہی اُڑا دی جو کسی وجہ سے سچی نہ نکلی۔" اس نے باری باری سب کو دیکھا۔ "وہی — انارکلی میں ہمارے شکتیمانوں کے داخل ہو جانے والی خبر — اور اب دوسری یہ خبر کہ تم پاکستانیوں کے دھوکے میں خود اپنوں کی مشکیں کس رہے ہو۔ ارے پاپیو!" وہ اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکا! "اگر کسی باہر کے اخبار والے نے سن لیا، تو دوسری بار کی جگ ہنسائی — ایک ایک چائے اور؟" اِس دعوت کی آڑ میں

Marfat.com

اس نے گیریژن ملٹری پولیس والوں کے چہرے ٹٹولے۔ اپنی اپنی جگہ ہر شخص مطمئن تھا۔ اب اسے آخری وار کرتے ذرا دیر نہ لگی۔ اس نے سری رام کو دیکھا! "میری کمپنی، پوری رجمنٹ، نہیں نہیں، بھارتی سینا کا سب سے بڑا پاپی سری رام۔ بلا کا گنر، بس، اب ہم نے اسے وصول پالیا!"

اور پھر نائیک نئی نہیں دستے کا ایک ایک سپاہی، حوالدار ہردیال این سی او انچارج ٹرانزٹ کیمپ کی ذہانت اور اصابت رائے کو خراجِ عقیدت پیش کرتا رخصت چاہنے لگا۔

ڈگ آؤٹ سے برآمد ہونے والے جلوس کی قیادت بھی حوالدار ہی نے کی تھی۔ پھر باہر کھڑے ہو کر اس نے مہمانوں کو تازہ سگریٹ پیش کئے۔ اور ایک ایک سے پُرتپاک مصافحے کے بعد انہیں رخصت کیا۔ پھر جب وہ کافی دُور نکل گئے تو اس نے اپنا سگریٹ سلگانے سے پہلے ایک سگریٹ سری رام کو بھی دیا! "جیر — تم نے بہت دیر کر دی۔ کہاں تھے؟"

"وہاں، جہاں سسٹر فریدہ اور سسٹر ممتاز کی مُسکراہٹوں سے پھوٹنے والی پھلجھڑیوں کے عکس نیم تاریک برآمدوں میں جا اُبھرتے۔ ان کے پار روبصحت سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم کا ہنستا، مُسکراتا چہرہ اور آنکھوں میں ناچتا، گنگناتا تبسم!"

"کچھ اور بھی —!"

جیر نے کمانڈر کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ خواب میں بڑبڑا رہا ہو۔ جیر نے اسے جگایا! "ہر چیز آپ کو یاد کرتی تھی!"

کمانڈر جاگ اُٹھا تھا! ان یادوں کو ہم تک صحیح سلامت پہنچانے میں تمہیں

Marfat.com

کوئی خاص تکلف تو نہیں اُٹھانی پڑی ؟"

"کوئی خاص ؟ نہیں ! سوائے اس کے کہ فریدہ میں لگی ہوئی گن اور انڈین موٹر برگیڈ کی جیپ ایک دوسرے کی ضد نکلیں "۔

"کیسے ؟"

"میں اِس خیال میں آپ کی طرف اُڑتا چلا آرہا تھا کہ پاؤں ایکسی لیٹر پر نہیں بلکہ میری انگلیاں ٹرگر پر ہیں ۔ مجھے یقین تھا کہ بیرل سے چھوٹا ہوا راکٹ شکیتمانوں کے بیچوں بیچ سرکتا پار نکل جائے گا "۔

"پھر کیا ہوا ؟"

"دھڑام ـــــ ! نہیں، معاف کیجئے ۔ ابھی جیپ اور شکیتمان میں پورا آدھا سیکنڈ باقی تھا ۔ میں سیٹرنگ کے بل اچھلا، اس اُمید پر کہ جیپ ٹوٹینک کے صاف پار جا اترے گی اور میں بھی گن بیرل سے کہیں نہ کہیں لپٹ ہی جاؤنگا ۔ پر میرا اندازہ غلط نکلا "۔

"کیا کہا ؟"

"جھوٹ نہیں بولوں گا حضور ۔ اعتبار نہ آئے تو گیریژن ملٹری پولیس کے ٹائیک سے پوچھیے !"

"نہیں، جیر ۔ نہیں !" کمانڈر مسکرایا ! "ہمیں تم پر اعتبار کرنا ہی پڑے گا ـــ اچھا، پھر ؟"

"میں نے آدھا سیکنڈ پہلے جس دھڑام کا حوالہ دیا تھا نا، اسے عین نہیں محسوس کیجئے "۔

Marfat.com

"کر رہا ہوں، آگے چلو"

"آپ ذرا دیر کو میرے اوپر جیپ کے اُڑتے ہوئے پرخچوں کا تو خیال کریں!"

"معاف کرنا جیر، میں نے نہیں دیکھے۔ تم اِس وقت کہاں تھے؟"

"اپنے اندازے میں تو میں کہیں بھی نہیں تھا"

"کیا مطلب؟"

"میں نے جس جگہ جیپ گرائی تھی نا — اپنے اندازے میں — وہاں خود جا گرا، شکتیمان کے صاف پار، دھان کے کھیت کی ریتیلی گود میں"

"پھر، جیر۔ پھر؟"

"سب بیکار!" جیر ہاتھ جھاڑتا سگریٹ مانگنے لگا۔ دونوں نے سگریٹ سلگائے اور جیر نے کش لے کر اپنی بات جاری رکھی "اس لیئے کہ اب تو میں گوریلا جنگ لڑنی پولیس کے ہاتھ لگ چکا تھا"

کمانڈر نے جھرجھری سی لی۔ آزاد وہ بھی نہیں تھا۔ اور دونوں ایسے برے وقت میں پھنسے جب وطن کا ذرہ ذرہ "خون، خون" پکار رہا تھا۔

جیر نے اسے یاد دلایا "تاجدار" پہ کیا بیتی؟"

کمانڈر نے سب سے پہلے اس پہ بھرپور نگاہ ڈالی، پھر اپنے آپ پہ۔ گنر سمجھ گیا اور کمانڈر دور دیکھنے لگا۔ بھارت کے جن فوجی قافلوں نے صبح سویرے مشرق سے مغرب کو منہ اُٹھایا تھا، ان کی قطاریں بتدریج پھیلتی چلی جا رہی تھیں۔ وہ سوچ میں ڈوب گیا۔ اس وقت سیالکوٹ پہ گزر رہی ہو گی؟

Marfat.com

جیرا اس کے خیالوں کی آواز سُن کر مسکرایا! "سیالکوٹ کی رونقیں کبھی کم نہ ہوں گی!"

"تم کل شام کی بات کر رہے ہو۔ آج دوسری شام ہے۔"

"ہم نے ایسی نو شامیں نازل ہوتی دیکھی ہیں کیپٹن۔ دسویں شام ان سے کبھی مختلف نہیں ہو گی۔"

"تم سے کس نے کہا؟"

"سیالکوٹ پر سرِ شام گرنے والے پہلے گولے نے۔"

"اس وقت تم کہاں تھے؟"

عین اسی شاہراہ پر، جسے گولوں سے اُڑایا جا رہا تھا۔ ایک کے سوا دو، تین، چار اور پانچ ——— "جیرا انگلیوں پر گننے لگا! "پورے چار گولے مردہ گدھوں کی طرح اِدھر اُدھر گرے اور پھُس۔ اِن بیچاروں کے پاس گولے اگلنے والی توپیں کہاں حوالدار ہر دیال جی، وہ تو سب مالٹوں کا رس نچوڑنے والی مشینیں ہیں مہاراج!"

کمانڈر مسکرایا اور حسبِ معمول اپنی بڑھی ہوئی داڑھی کھجانے لگا۔ جیرا نے اسے اکسایا! "شیو کے اس اموّل موقعے سے فائدہ اُٹھائیے!"

کمانڈر اسے نیم آمادگی سے دیکھنے لگا! "آج دِن بھر ڈگ آؤٹ کی "دریشی" اور چائے کا ایسا چکر رہا کہ شیو کا سامان فراہم کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔"

جیرا نے عمر عیار کی زنبیل کی طرح اپنے جیب ٹٹولے۔ پھر ایک ایک چیز احتیاط سے نکالنے لگا۔ سیفٹی ریزر، کالجیٹ کپ شیونگ سوپ قسم کا آلوسے باریک چھلکا ——— اپنے سے دس گنا بڑے لفافے میں محفوظ، بش شرٹ کے اوپر

Marfat.com

والے جیب سے ٹوٹے پھوٹے، گھسے پٹے آئینے کا ست کونا ٹکڑا اور ہپ پاکٹ سے کنگھی اور ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد اسے اپنا "ہیٹ ٹرک" دکھانے کا موقع ملا — بش شرٹ اور بنیان کے درمیان چھاتی سے لپٹا ہوا اجلا، بوردار تولیہ۔

یہاں پہنچ کر کمانڈر بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا اور جیر بھی۔ وہ تولیہ تہ کرتے وقت کہہ رہا تھا "چھوٹی گیٹ — اس کے بغیر ڈاکٹر، نرسیں اور بعض بانکے رینگ سپاہی بھی ہمیں ہسپتال کے اندر قدم نہیں رکھنے دیتے۔"

"اگر شیو کے بعد غسل کرنے کا موڈ بن گیا۔ پھر؟"

جیر نے کھونٹی سے لٹکی ہوئی چھاگلوں کو دیکھا "ہمارے فلش سسٹم باتھ کے گیلن بھر باسی پانی کی نسبت تازہ اور زیادہ بھی!"

"لیکن صاف ستھری وردی کہاں سے آئے گی؟"

"جتنی دیر میں آپ غسل کرتے ہیں۔ میں کوارٹر ماسٹر سٹور ڈھونڈھ نکالوں گا —"

حوالدار نے ہاتھ سے اشارہ کیا "وہ رہا!"

"تو پھر کیا ہے؟" جیر تفہیمانہ انداز میں مسکرایا۔ اپنے ہونٹوں پر پھیلتی ہوئی پُرمعنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے کمانڈر نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ جیر کہے جا رہا تھا "یہی ناکہ پھر سی ایم ایچ جانے کو آپ کا جی چاہے گا۔ یقیناً جائیں گے، آپ اکیلے نہیں، اب کی میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔"

"فی الحال تو میں اکیلا جا رہا ہوں۔" کمانڈر نے میس پر نگاہ ڈالی۔ پھر دائیں

Marfat.com

بائیں۔ ایک پیادہ قافلہ بڑی عجیب ہیئت کذائی کے ساتھ کیمپ کا رُخ کیے خاک اُڑاتا چلا آ رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا۔ یہ کہیں رسالدار میجر صاحب کے وہ تین سو خاص مہمان نہ ہوں، جن کا راشن ملیں میں پہنچ چکا ہے۔

جیر کی نظریں بھی اسی قافلے پر تھیں۔ وہ نادانستہ بڑبڑایا! "میں انہیں دیکھتے ہی تاڑ گیا تھا کہ یہ بھوکا ٹڈی دل ٹرانزٹ کیمپ ہی کے لنگر پہ گرے گا۔"

کمانڈر اپنے گنر کو آنکھوں آنکھوں میں شاباش دینے لگا! "جیر، تمہیں یہ باتیں کون بتاتا ہے؟"

"الغوزہ!"

"الغوزہ ـــــ کہاں ہے؟"

"آپ کے مہمانوں میں سے ایک کے پاس۔"

"اس مہمان کو میں کیسے پہچانوں گا؟"

"بہت آسانی سے۔ اس نے الغوزہ بڑے ادب اور احترام سے اپنے ہاتھ میں تھام رکھا ہے۔ بھارت کے پدم شری فنکار کا پراسرار الغوزہ۔ رسیور اور ٹرانسمٹر بھی۔ کمبخت کے اندر سے دنیا جہاں کی خبریں اُبل کر باہر آتی ہیں۔"

کمانڈر اپنے ہونٹوں پہ زبان پھیرنے لگا! "تم نے اسے ہتھیانے کی کوئی کوشش نہ کی؟"

"بھولے بسرے تمام ٹوٹنے ٹوٹکے آزمائے۔ آپ بھی اپنی سی کر کے دیکھیں۔ شاید کوئی جادو چل جائے!"

"یقیناً کیوں نہیں کہتے، ظالم!" کمانڈر نے دو سگریٹ نکالے۔ ایک

Marfat.com

اسے دیا اور دوسرا خود سلگا کر "چھوٹی کٹ" کی طرف اشارہ کیا! اب تم اِن چیزوں کو ڈگ اوٹ میں اس طرح سجاؤ کہ تمہارے بیٹھنے کی جگہ نکل آئے۔ پھر تم الغوزہ بجانا اور میں اطمینان سے بیٹھ کر شیو کروں گا" کہتے ہی وہ مہمانوں کی پیشوائی کے لیئے میس کی طرف چلدیا۔

میس کی اوٹ میں قدم جماتے ہی حوالدار اِس قافلے کے ایک ایک نوجوان، جفاکش مسافر کو تجربے کی کسوٹی پر پرکھنے اور آنکھوں آنکھوں میں تولنے لگا۔ دِلّی الہ آباد، بنارس، کلکتہ اور بمبئی یونیورسٹی کے نایاب نمونے، خالص اکھنڈ بھارتی مہٹے، جن کی ابھی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں۔ بڑی روانی سے وارث شاہی پنجابی بول رہے تھے اور بنگالی ہندوؤں کی زبان پہ خوشحال خان خٹک کے برجستہ اشعار۔

اِن کے تجدد اور تنوع نے "تاجدار" کے کمانڈر کو حیرت میں ڈال دیا اور وہ سوچنے لگا! سواستیکا کے ہزار ہا سالہ پرانے عقیدتمند برہمی سامراج کا "پانچوان دستہ"!

لاہور کی ناکامی سے حاصل ہونے والے تجربوں نے ہندوستان کی مکاری کو عروج پر پہنچا دیا۔ کرشن، ارجن، رام چندر، بیربکرماجیت، اشوک اعظم، رائے پتھورا، رانا سانگا اور سیواجی کی ساری پونجی سیالکوٹ کی بساط

Marfat.com

پر ڈھیر تھی۔

اِس آخری محاذ پر "فخرِ ہند" کا حوصلہ بحال رکھنے کے لیے جنرل چودھری نے وہ سارے حربے آزمائے جو نازمنڈی کی شکست کے فوراً بعد ہٹلر کے ذہن میں کلبلانے لگے تھے۔

حوالدار کو یہ معلوم کرنے میں ذرا دقت نہ ہوئی کہ الغوزے والا بھولا بھالا، ٹھیٹھ پنجابی "پینڈو" ــــ گنوار ــــ اِس قافلے کا سردار ہے۔ پھر حوالدار کچھ اس انداز سے اس کے پاس آیا وہ کسی اور ہی دُھن میں لگا ہے اور اس کے قریب سے سرکتا ذرا دور جا کر رُک گیا۔ سب سے پہلے الغوزے پر نگاہ ڈالی۔ پھر اس کی نظریں الغوزے والے نرم و نازک شہری، کا بچیٹی ہاتھ سے سرکتی اس کے بے ضرر چہرے پر رکیں اور ذرا دیر بعد ان کی پُرکشش، گہری آنکھوں میں ڈوب گئیں۔

حوالدار نے الغوزے کی طرف اشارہ کیا اور مُسکرایا "اسے بجانا بھی جانتے ہو یا ــــ!"

"بجانا نہیں، جادو جگانا کہیے!" الغوزے والے نے بعد ادب معذرت کی "یار، تم تو ہمارے گرو نکلے" حوالدار اِس حاضر جواب الغوزہ نواز کا گھٹنا چھونے کے لیے جھکا! "اگر میری مانو تو ایک ساتھ کھانا کھائیں، ہاں!" اس نے اپنے ڈگ آؤٹ کی طرف اشارہ کیا! سپیشل کھانا، ٹھنڈا پانی۔ بھاٹ دار چائے اور سگریٹ!"

الغوزے والے نے دیر پا مسکراہٹ کے ساتھ اس قدردانی کا شکریہ

Marfat.com

اداکیا! "بھئی تم ٹھہرے حوالدار — تم سے ڈر لگتا ہے۔"

"کس بات کا؟"

"فرمائش کا، العوزہ سننے کی فرمائش۔ تم یہ تھوڑی مانو گے میرے پاس وقت ہی نہیں۔"

حوالدار نے ایک محسوس ٹھنڈی آہ بھری! "وقت کی شکایت اور ہم سے؟ رام قسم، تم سے زیادہ بے بس ہیں۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ صرف ایک ہی بول!"

"اس نے العوزے پر حسرت بھری نظر ڈالی! "ایلورا اور اجنتا کے غاروں میں بھٹکنے والا کوئی اکیلا، ادھورا سُر!"

العوزے والے کی نظریں حوالدار کے عرق آلود، گرد و غبار سے پٹے ہوئے چہرے پر پھسلتی کندھے سے ڈھلتی بازو پر جم گئیں! "تم نے کمیشن کے لئے ہاتھ پاؤں کیوں نہ مارے؟"

"وقت کی کمی، دوست۔ دیکھا بوڑھی بھارت ماتا کی پکار نے ہوش اُڑا دیئے۔" حوالدار لمحے بھر کو خاموش ہو کر مغربی افق کے پار دیکھنے لگا! "سپاہی ہو یا سالار، اصل کام تو بھارت کی جیت ہے۔"

"میں تمہارے ساتھ ضرور کھانا کھاؤں گا۔ کھانا کم اور باتیں زیادہ۔ تم بڑے دلچسپ آدمی ہو۔"

"تھے — اور اب!" حوالدار نے سگریٹ پیش کیا اور ایک بار پھر ڈگ آؤٹ کو دیکھنے لگا! "تم آہستہ آہستہ اُدھر کو سرک چلو۔ میں میس والوں کو مہمانوں کی آؤ بھگت میں لگاتا ابھی تم سے آن ملا۔"

○

Marfat.com

دس ستمبر کا سورج مغربی پنجاب کے میدانوں میں ڈوب رہا تھا!
دِن بھر مشینی قافلوں سے اُڑنے والے گرد و غبار اور بارود کے سرمئی دھوئیں کی بل کھاتی لہریں شفق کے گلنار، بانا تی پردے پہ ڈبتی، اُبھرتی، تھرتھراتی چلی جارہی تھیں اور ایسے میں جب کوئی شیل ناگاہ پھٹتا تو اُفق پر اٹکے ہوئے قرمزی دھندلکوں کے آنچل سرسراتے اور کائنات کی نس نس میں سنسنی سی دوڑ جاتی۔

جیرڈگ آؤٹ کے دہانے پہ جھاڑی کی آڑ میں بیٹھا چیس تل رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ ڈالڈا کا ٹین اور آلو ٹماٹر سے بھری ٹوکری سجی تھی اور دوسرے ہاتھ چمکتی ہوئی کیتلی، مگ اور شکر کا ڈبا۔ سامنے ایک چھوٹا سا کنکر شائیں شائیں کر رہا تھا اور اس پہ چڑھی کڑھائی میں نیم پیلے، نیم پیازی چپس مچھلیوں کی طرح تیر رہے تھے۔

وہ ڈگ آؤٹ کی طرف پشت کیے بیٹھا تھا لیکن اپنے کمانڈر اور پدم شری فنکار کی کوئی حرکت اس سے پوشیدہ نہ تھی۔ اگر وہ چاہتا تو مُرمُرے چپس اور چائے کی چسکیاں بھی گِن لیتا۔

پھر ایک دم چھا جانے والی خاموشی کا مطلب یہ تھا کہ کمانڈر جیب سے سگریٹ نکال رہا ہے۔ ذرا دیر میں دونوں نے سگریٹ سلگائے۔ پھر کمانڈر کی آواز سنائی دی! "کبھی رانی کا نام بھی سُنا ہے؟" وہ یقیناً الغوزے والے سے پوچھ رہا تھا، اِس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لیکن الغوزے والے نے اِس کی بات کا کوئی منہ سر نہ پاکر اسے بھوندے پن سے نفی میں سر ہلایا کہ

حوالدار اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکا، ایسی مسکراہٹ جو صاف کہہ رہی تھی!
تو پھر تم سے بڑا چغد اور کون ہو گا۔!

پھر ایک پُرسکون کش کے بعد اس نے اپنی بات جاری رکھی! "جھانسی والی نہیں، یہ اور بات ہے کہ اب کچھ لوگ اسے بھی جھانسی کی رانی پکارنے لگے ہیں۔ بہت ہی خوبصورت اور خوفناک بلا۔ جب وہ ایک ہی صوفے پر تمہارے ساتھ آبیٹھتی یا تمہارا صوفہ اس کے صوفے کو کہیں سے ذرا بھی چھو جاتا تو پھر تو وہ تمہارے دِل کی دھڑکنوں میں سرایت کرتی شعور سے تحت الشعور کی گہرائیوں میں اُترتی اور تم جھوٹ بولنے کی جرأت ہی نہ کر پاتے"۔

اس نے چسکی کی آڑ میں "شانتی نکتیں" سے فارغ التحصیل العوزہ نواز کو دیکھا اور محسوس کیا گویا بھارت کا پدم شری جاسوس خلیج بنگال کے اِس پار کھڑا وسطی ایشیا کے میدانوں کی ہیبت میں ڈوب چکا ہو۔

حوالدار برابر کہے چلا جا رہا تھا! دوہرے جاسوس کے لیئے تو وہ ناگپور کی ناگن تھی۔ بریگیڈیئر، میجر جنرل اور لیفٹیننٹ جنرل کے درجے کے جاسوس تو خود میں نے بھی اِس کے سامنے تھر تھر کانپتے دیکھے ہیں" اس نے سگریٹ کا کش لیتے لیتے ہاتھ روک لیا اور اپنی نظریں اس طرح اس کی آنکھوں میں پیوست کر دیں جیسے وہ اس پر مسمریزم کر رہا ہو! "سچ کہو۔ اس کے ڈسے ہوئے کو تم نے کبھی جانبر ہوتے دیکھا ہے؟"

العوزے والے نے اب کی ذرا تیزی اور ترتیب سے نفی میں سر ہلایا اور کمانڈر تو جیسے صدیوں سے اسی موقعے کی گھات میں بیٹھا تھا۔ اس نے

Marfat.com

—— سب سے پہلے لگاتار دو تین گھونٹ پیئے۔ پھر سگریٹ کا کش لے کر ڈگ آؤٹ کی دیوار سے ٹیک لگائی اور آہستہ آہستہ دھواں چھوڑنے لگا۔ اس کی نظریں الغوزے پر جمی تھیں۔

اس نے کہا! "اور اب رہا تمہارا الغوزہ۔ مانتا ہوں۔ تم اِس کے ایک ایک سر سے ہزار ہزار جادو جگاتے ہو گے۔ لیکن اگر بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟"

"کہو، گرو جی مہاراج۔ ایک بار نہیں، ہزار بار کہو۔"

"اسے یوں ہاتھ میں پھرانے سے تمہارا گنوار پن کہیں خطرے کا نشان نہ بن جائے۔ تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔"

الغوزہ بردار نے الغوزے کو دیکھا۔ حوالدار کی آواز بدستور سنائی دے رہی تھی! "اِس سے کوئی چھوٹی، ستھری، محفوظ سی چیز تمہارے ہاتھ نہ لگی؟"

الغوزہ نواز نے بڑے فخر سے کہا! "ایسی چیزیں کہ دیکھ کر دنگ رہ جاؤ گے۔"

"ایک ایک پر میری نظر ہے، دوست! انہی سے کام چلاؤ۔" پھر اس نے الغوزے پر اچٹتی سی نظر ڈالی! "اور اِس کمبل سے جان چھڑاؤ۔"

"یہ کون سی مشکل بات ہے۔" اس نے الغوزہ ٹاٹ پٹی پر رکھ دیا۔

اور کمانڈر نے اطمینان سے بات کا رُخ پھیرا! "شانتی سروپ کو تو جانتے ہی ہو گے؟ جب وہ اقوام متحدہ کی فوج میں کوریا جا رہا تھا۔ اسے میجر بنے تیسرا دن تھا۔ پھر سویز کی جنگ میں مصر، کانگو، قبرص —— تمہارے انسٹرکٹر کا کیا

نام تھا۔؟"

"کرنل سلبورس ـــ اِس کی ساری عمر شمال مغربی سرحدی صوبے اور کابل کے بھلدتی سفارت میں گزری ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ آج کل تو سرحدی گاندھی بھی ـــ!"

حوالدار نے اسے ٹوکا "اب انہیں خان باچا کہو۔"

"تم چاہے سرحدی گاندھی کہو یا خان باچا، ہمارا کرنل تو اسے آج بھی چاچا پکارتا ہے۔"

"بھتیجا چاچے ہی کے پاس ہے یا ـــ!"

"ایسے نازک وقت میں وہ ایک دوسرے سے کیسے الگ ہو سکتے ہیں۔ چاچے نے بھتیجے کو بلوچستان اور سرحد میں بغاوت کا یقین دلایا ہے۔"

"اور تمہارا دستہ یقیناً اسی آگ کو ہوا دینے جا رہا ہے!"

"تمہاری پہلی بڑی کھیپ تو کل رات ہی اُتر چکی، شاہدرے، گوجرانوالے، جہلم، راولپنڈی اور پشاور سے کوئٹے تک۔ اِن کے کانٹیکٹ کام کر رہے ہوں گے۔ ہمارے جاتے ہی جولان سے درہ خیبر تک پختونستان کا نعرہ گونج اُٹھے گا ـــ پھر اکھنڈ بھارت کا!"

جیرجیپس کی ٹھلیا اُٹھائے عین اسی وقت ڈگ آؤٹ میں اُترا اور حوالدار نے اسے ہاتھ کے اشارے سے خبردار کیا "العوز سے ذرا بچ کے۔ اس نے تیل کی ایک بوند تک نہیں دیکھی۔ اگر ترڈک گیا تو تمہاری خیر نہیں۔"

"اِس میں میرا کیا قصور حوالدار ہردیال جی۔ اپنے ہاں کا تیل تو یاں سینے میں

بھی آنے سے رہا۔" پھر اس نے ٹھلیا مہمان کے سامنے سجائی اور ایک ایک چپ کو بڑے پیار سے دیکھنے لگا! "جتنے نرم، اتنے ہی گرم!"

"بڑی مہربانی۔" پانچویں دستے کے سردار نے تیزی سے پلٹ کر جیر کو کو دیکھا۔!"

"اب تو تمہارے چپس اور چائے کے بوجھ سے چلا بھی نہیں جاتا اور مجھے بہت دور جانا ہے۔" کہتے ہی وہ اُٹھا۔ اس کے پیچھے حوالدار بھی۔ ذرا دیر جیر بھی ڈگ آؤٹ کے دہانے پر ان سے آملا۔ وہ چپس کا لبالب بھرا ہوا لفافہ اس کی جیب میں ٹھونستے وقت ہنس رہا تھا! "بمبئی کے تاج کی قسم ایسے چپس آپ کو بولان ہوٹل تک نہیں ملیں گے۔" پھر اس نے جیب کا بٹن بڑے پیار سے بند کیا اور اس کے چہرے پر الوداعی نگاہ ڈالی! "آپ بھی کیا یاد کریں گے وسطی ایشیا کے میدان میں کن لوگوں سے واسطہ پڑا تھا۔"

مہمان نے گنر اور کمانڈر کو باری باری دیکھا! "آپ دونوں گرو ہیں۔ اچھا، نمستے!"

کمانڈر نے اسے آخری سگریٹ پیش کیا اور مصافحہ کرتے وقت بڑے پیار سے مسکرایا! "رام بھروسے!"

پھر جیر نے ہاتھ لہرا کر ٹیپ کا بند لگایا! "جے ہند!"

Marfat.com

اٹھارواں باب

کمانڈر کا ہار!

گیارہ ستمبر کی پو پھٹ رہی تھی۔!

فریدہ اپنی ڈیوٹی کی آخری پیالی اٹھاتی اور قدم قدم پر ڈگمگاتی آفیسرز وارڈ میں داخل ہوئی اس نے پہاڑ سے دو دن اور دو کالی راتیں آنکھوں میں کاٹ دی تھیں۔ لیکن ذہن کے سوا اِس کے حواسِ خمسہ حیرت انگیز عزم و اعتماد سے کام کئے چلے جا رہے تھے۔

سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم کو بستر پر موجود نہ پا کر اس کے گھنے، لمبے، نیند کے بوجھ سے آنکھوں پر جھکے ہوئے پپوٹے بیتابی سے مرتعش ہوئے اور وہ دریچے کے پار جھانکنے لگی۔ اسلم لان میں کھڑا اپنے پر و بال آزما رہا تھا۔ فریدہ کے دل سے ایک ہوک سی اُٹھی۔ یہ نوجوان سپاہی انہی کڑکوں، اندھیروں اور سناٹوں کے سفر پر کمر کس رہا تھا جہاں سے کمانڈر اور گنر کی کوئی خبر نہیں آ رہی تھی۔

اسلم کے اردگرد ایک شاخ پر شگوفوں کے پھوٹنے اور کلیوں کے

Marfat.com

چٹکنے کا طلسم بڑی دیر سے کارفرما تھا۔ فریدہ کی آہٹ ان سے مختلف تھی اس نے گردو پیش نگاہ ڈالی اور اسے چائے لاتے دیکھ کر پیالی کی طرف لپکا۔ "شکریہ، سسٹر!" اِس نے پیالی لے لی! "آپ ہمیشہ یاد آئیں گی۔"

پھر فریدہ کو خلافِ معمول خاموش پاکر اس کی نظریں "رحمت کے فرشتے" پر لگ گئیں۔ وہ مشرقی اُفق پر چھائی ہوئی گمبھیر تاریکیوں کے پار نہ جانے وہ کیا ڈھونڈھ رہی تھی۔ اسلم فریدہ کی نظروں کا تعاقب کرنے لگا! "ہندو دیوبالا کے کالے ناگ دیوتا کی پھنکاریں، وہی موذی کالا ناگ جو ہزارہا سال شیو کے سر پر کنڈلی مارے، پھن پھیلائے بیٹھا تھا!"

فریدہ جیسے خواب میں بڑبڑائی! "نہ جانے اور کتنوں کو ڈسے گا!"

"ڈس چکا۔ اب کی تو ہم اس کا سر کچل کر ہی لوٹیں گے ــــ انشاءاللہ!"

فریدہ کی نظریں بدستور اُفق سے اُمڈنے والی ان تاریکیوں پر جمی رہیں جن میں صبح کا سُراغ لگانے کے لیئے ہزاروں برق رفتار قافلوں اور قندیلوں کی ضرورت تھی، خون سے جلنے والی قندیلیں۔ پھر اس نے اسلم کو دیکھا۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ پہلے قافلے میں شامل ہونے کو بیتاب ہے۔ آج اسے روکنے والا کون تھا ــــ!

اس نے کہا! "میں کل شام ہی سے سوچ رہا ہوں، رشوت کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ پر اِس بات کی سمجھ نہیں آرہی، آپ کو رشوت میں کیا پیش کروں۔"

"پہلے تو بتائیے، آپ مجھ سے کونسا کام نکالنا چاہتے ہیں!"

"شکر ہے، آپ نے اپنی آنکھوں سے مجھے لان میں پی ٹی کرتے، دوڑتے

Marfat.com

بھاگتے دیکھ لیا۔ اب اگر آفیسر کمانڈنگ سی ایم ایچ میرے ڈسچارج میں کوئی عذر کریں تو میں آپ کو بطور گواہ پیش کروں گا۔"

"میں ضرور گواہی دوں گی اور منہ مانگی رشوت لوں گی۔" فریدہ مسکرائی۔ بھولی، بسری سی مسکراہٹ جسے اسلم نے اپنی بھرپور مسکراہٹ کا سہارا دیا اور بڑی فیاضی سے کہا! "مانگئے، جو جی میں آئے، مانگئے۔!"

"دوپہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیے۔ آپ، میں، جیا، تاج اور شاید بیگم عباسی بھی!" پھر اسلم کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر بولی "کیوں، مشکل کام ہے؟"

"نہیں۔ اسے میں خود ہی ذرا مشکل بنا رہا ہوں۔"

"کیسے؟"

"میرے کچھ ساتھیوں کے بیوی بچے چھاؤنی میں ہیں۔ انہیں بھی کچھ وقت دینا چاہتا ہوں۔"

ان کی شرکت سے تو یہ ضیافت ایک یادگار تقریب بن جائے گی۔ سب ساتھ لائیے۔ کرنل عباسی کی کوٹھی میں، بریگیڈ ہیڈکوارٹر کے پچھواڑے۔"

"اب صرف ایک الجھن باقی ہے!"

"کیا؟"

"وقت۔"

"یہی، دوپہر—!"

اسلم اپنی ہنسی روک نہ سکا! سسٹر، نرس بن جانے کے باوجود آپ کا بھولپن نہ گیا جب بریگیڈ ہیڈکوارٹرز سے محاذ کو جانے کے لیے کانوائے تیار ہوا

Marfat.com

تو مجھے پانچ منٹ کے اندر اندر کوچ کرنا ہوگا۔"

"سٹیشن سٹاف آفیسر کو کرنل عباسی کا نمبر دے دیجئے نا، وہ عین وقت پر آپ کو ٹیلی فون کر دیں گے۔"

"بہت اچھا، سسٹر!" اسلم نے خالی پیالی سرکائی اور فریدہ سے آنکھیں چرا کر بولا "کوئی اور خدمت؟"

پیالی لیتے وقت اُس کی سوالیہ نظریں اسلم کی آنکھوں میں ڈوب گئیں۔ کیا، اسے یہ بتانا ضروری ہے کہ جاتے ہی کمانڈر سے کہنا، اپنی خیریت کی خبر بھیجیں۔ اگر انہیں فرصت ہوتی تو اب تک بیس ٹیلی فون آ چکے ہوتے۔ جیر کو بھی فرصت نہ ملی؟ اِس خیال کے آتے ہی صرف دو دِن پہلے جیر سے ملاقات کا سماں اس کی آنکھوں میں پھرنے لگا اور ذرا دیر بعد اسے خود اپنی آواز سنائی دی! جیر، یہ اتنے بڑے بڑے فولادی ٹینک یوں آن کی آن میں بھڑک کیسے اُٹھتے ہیں؟ اس نے جیر کی نظریں دریچے کے طاق میں سجے ہوئے گلدستوں کی طرف مڑتی دیکھیں۔ وہ کہہ رہا تھا! جیسے یہ پھول اپنے رنگ سے بھڑک اُٹھتے ہیں۔

فریدہ کی نظریں لان میں دُور دُور تک کھلے ہوئے پھولوں کی ایک ایک پتی کو کریدنے لگیں۔ ان کے رخساروں پر ڈھلے ہوئے بلوریں، شبنمیں موتی، جن میں چڑھتے سورج الہڑ، البیلی کرنیں قوسِ قزح کے سارے دلفریب رنگ گھولتی چلی جا رہی تھیں۔

اسلم نے اسے جگانے کی کوشش کی! "آپ کہاں ہیں سسٹر؟"

"سچ پوچھیں تو میں کہیں بھی نہیں ہوں۔" فریدہ کے منہ سے بے اختیار

Marfat.com

نِکلا ــــ"

وہ سچ کہہ رہی تھی۔ پچھلے دو روز سے ستلج گڑھ پر جو بیت رہی تھی۔ ہسپتال میں آنے والا ایک ایک زخمی، زخمیوں کے جسم کا ایک ایک رنگین داغ اور اِن داغوں سے رسنے والے خُون کا ایک ایک قطرہ ــــ اِن ناقابلِ تردید ثبوتوں کے بعد خود فریب کھانا یا کسی اور کو فریب دینا ناممکن تھا۔

اب تو سوات سے سلہٹ تک بچہ بچہ جانتا تھا کہ خوش نصیب ماؤں کے فخرِ زمانہ فرزند اپنے گلے میں مقناطیسی مسرنگوں کے ہار ڈالے شکتیمانوں کے نیچے بچھ گئے تھے۔ سُرمے کی طرح پس کر سیالکوٹ کی مٹی میں مِل جانے والے اِن شیروں کے نام کون بتائے گا؟

"اسلم بھائی ــــ!"

اسلم نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ فریدہ ابھی تک لرز رہی تھی۔ یہ روح کی گہرائیوں سے اٹھنے والی چیخ کا ردِ عمل تھا۔ وہ کہہ رہی تھی! "آج تو آپ کو بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز میں جانا ہی پڑے گا۔ صرف یہ معلوم کرنے کہ وہ ــــ!" اور اس کے بعد ایک ادھوری سی سسکی نے صبح کے جھٹپٹوں میں تہلکہ مچا دیا۔

فریدہ کی حالت نے اسلم کو اتنا متاثر کیا کہ آفیسر کمانڈنگ سی ایم ایچ کے دفتر سے اِدھر اسے اور کہیں پناہ ملتی نظر نہ آئی۔ جو اس طرف جاتے وقت کہہ رہا تھا! "آپ تو ناحق ہلکان ہوئی جا رہی ہیں، سسٹر۔ میں دوپہر کے کھانے پر آپ کو بڑی اچھی خوشخبری سناؤں گا۔!"

○

Marfat.com

جہاں تک اسلم کا تعلق ہے، اس نے ہسپتال سے نکلتے ہی خوشخبریاں سننی اور خوشیوں کے جمگھٹے دیکھنے شروع کر دیئے تھے۔ سب سے پہلے اس کی نظر "بلڈنگ" کے سامنے ان قطاروں پر پڑی جو حدِ نگاہ تک پھیلتی، پھولتی چلی گئی تھیں۔

اینٹیں گارا ڈھونے والے مزدور، معراج نے کل صبح سے آج صبح تک پورے آٹھ پہر قطار میں گزار دیئے تھے۔ صرف معراج ہی نہیں، ہزاروں ایثار پیشہ ہموطن رات رات بھر قطار میں کھڑے اونگھتے رہتے تھے۔

"ہم سائنسیز کالج" کی قوم پرست طالبہ۔ فوزیہ — کی جب خدا خدا کر کے باری آئی تو خوشی سے اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے آستین الٹی ہی تھی کہ لیڈی ڈاکٹر کی نظریں سوئی کے نشان پر جم گئیں۔ اپنی "سرنج" کا نشان پہچاننے میں اسے ذرا دیر نہ لگی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا! "نہیں بالو، آپ تو ایک بار خون دے چکی ہیں"

ندامت کی ماری فوزیہ نے جھٹ سے اپنا دوسرا بازو آگے کر دیا لیکن لیڈی ڈاکٹر اس پر بھی راضی نہ ہوئی اور فوزیہ کو التجا کرنی ہی پڑی "ڈاکٹر!" وہ دل گیر آواز میں بولی! "سرحد پر میرے سینکڑوں بھائیوں کے خون کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اس میں میرے چار قطرے شامل ہو گئے تو کون سا طوفان آجائے گا!"

لیکن اس وقت تو لیڈی ڈاکٹر اپنے آنسو ضبط ہی نہ کر سکی جب ایک ستر سالہ ضعیفہ لاٹھی ٹیکتی، گرتی پڑتی اندر آئی اور میز کا سہارا لے کر خون پیش کیا۔ اس بڑھیا میں خون کی چند بوندوں کے سوا اور تھا ہی کیا! لیڈی ڈاکٹر نے صاف

Marfat.com

انکار کر دیا۔ ایک تو پورے چار من خون جمع ہو چکا تھا۔ پھر مزید خون کے لیئے کوئی دستیاب نہ تھی۔

بڑھیا نے بڑی عاجزی سے کہا! "مجھے ناکام نہ لوٹاؤ بیٹی! میں اس خاندان سے تعلق رکھتی ہوں جس کی عورتیں زندگی میں پہلی بار ڈولی پہ سوار سسرال میں قدم رکھتی ہیں اور دوسری بار بھائیوں اور بیٹوں کے کندھوں پہ ان کا جنازہ ہی وہاں سے اُٹھتا ہے۔ نہ جانے کون سی بات مجھے موت سے پہلے پہلے گھر سے باہر کھینچ لائی!"

"کون سی بات؟" لیڈی ڈاکٹر نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میرا شیر سا اکلوتا بیٹا محاذ پر لڑ رہا ہے۔" بڑھیا کھڑکی کے پار، اُفق کے پار دیکھتے وقت پل بھر کو خاموش ہو گئی اور پھر حسرتناک لہجے میں بولی! "کیا خبر، میرے خون کے چند قطرے اس کے کام آجائیں!"

فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی، سال چہارم کی ایک محبِ وطن دوشیزہ اپنے خوان سال محافظوں کے چھلنی سینے دیکھ کر تڑپ اُٹھی اور مزید تعلیم سے دستبردار ہو کر بطور رضاکار نرس زخمیوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی کے لیے وقف ہو گئی۔

اسی ایک دوشیزہ کے ایثار نے نہ صرف اس کی سہیلیوں بلکہ جان پہچان کی دوسری بہت سی اعلیٰ تعلیمیافتہ لڑکیوں کو اتنا متاثر کیا کہ ایک ہی روز کے اندر اندر رضاکار نرسوں کی پلٹن کی پلٹن مختلف ہسپتالوں میں کام کرنے پہنچ گئی۔

Marfat.com

اس قسم کی رضاکارانہ سرگرمیوں نے قومی زندگی کے گوشے گوشے میں حیات افروز حرارت پیدا کر دی۔ اونچے طبقے کی خوش پوش طالبات اور طلبا کے دستے مجاہدوں کے لیے گوناگوں تحفے جمع کرنے گھر گھر کا دروازہ کھٹکھٹا رہے تھے۔ کل تک قوم کی جن خوش باش لڑکیوں کے ماتھے پر "ٹیڈی" کی چھاپ لگی تھی۔ آج وہ پلاسٹک کی رنگا رنگ ٹوکریوں میں اُون کے گولے سمیٹے سپاہیوں کے لیے جرسیاں، موزے اور دستانے بنتی نظر آتی تھیں۔

کھاتے پیتے خاندانوں کی تین روشن خیال لڑکیاں دھم سے ایک بس میں سوار ہوئیں اور دفاعی فنڈ کے لیے چندے کا سوال کیا۔ جن مسافر خواتین کے ہاتھ میں بٹوے تھے، انہوں نے کسی حجت کے بغیر چندہ جمع کرنے والیوں کی جھولی میں الٹا دیے۔ لیکن ایک دوشیزہ اس طبقے کی بھی تھی جس نے عید برات کے سوا پیسے کی کبھی شکل ہی نہ دیکھی۔ اس کے ہاتھ بے اختیار کانوں کی طرف اُٹھے یہ نئی بالیاں اسے پورے چار برس کی پُرخلوص دُعاؤں اور منتوں کے بعد نصیب ہوئی تھیں۔ انہیں اُتارتے وقت اس کی خوبصورت، بادامی آنکھوں میں ہزاروں خواہشیں دم توڑتی نظر آئیں لیکن جب وہ انہیں دفاعی فنڈ میں دے بیٹھی تو اس کے ہونٹوں پر حوروں کا سا تبسم ناچ اُٹھا۔

جب الوطنی کی اس سرپٹ دوڑ میں بچے سب سے آگے تھے۔ ایک فیاض تاجر نے اپنی بیگم اور بچے کی مدد سے لب سڑک ۲۴ کنٹین سجا رکھی تھی ایسی ہزاروں کنٹینیں سٹیشنوں، شاہراہوں شہروں اور قصبوں میں قدم قدم پر آباد ہو گئی تھیں محاذ پر جانے والوں کو بڑی منت اور خوشامد کے ساتھ دنیا جہان کی نعمتیں پیش

Marfat.com

کی جاتیں لیکن ٹینکوں، ٹرکوں اور جیپوں میں سوار مجاہدوں کو ان کی طرف دیکھنے کا ہوش کہاں۔

گھنٹے بھر کے شدید انتظار کے بعد بچے کے صبر کا پیمانہ چھلک اُٹھا۔ وہ شوقیہ ٹینک کور کے سیکنڈ لیفٹیننٹ کی وردی میں ملبوس تھا۔ اس کے ابا نے کیپٹن کے کونے پر چاند تارے سے مزین پرچم بھی گاڑ رکھا تھا۔ بچہ موقع پاتے ہی پرچم اُٹھا کر سڑک کے عین درمیان آ کھڑا ہوا اور ایک قابلے کی "رہنما" جیپ کو، جس میں کمانڈنگ آفیسر سوار تھا، روک لیا۔

خوش قسمتی سے کرنل بھی ٹینک کور سے وابستہ تھا۔ وہ جیپ سے مُسکراتا ہوا اُترا اور پھول سے بچے کو اپنے مضبوط بازوؤں میں اُٹھانے کے بعد سینے سے لگا لیا! "کیا بات ہے؟"

"آپ ہماری چائے کیوں نہیں پیتے؟"

"کہاں ہے؟" کرنل نے بڑے پیار سے کہا۔

بچے نے سامنے کنٹین کی طرف اشارہ کیا۔ کرنل نے مڑ کر لمبی قطار پر اچٹتی سی نگاہ ڈالی اور ہونٹوں تک آئی ہوئی آہ کو پی کر بولا! "میرے جوانوں نے ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا۔ میں تمہاری چائے کیسے پیوں؟"

"ہم آپ کے جوانوں کو چائے پلائیں گے۔ امی اور ابّو بہت خوش ہوں گے۔"

"تمہاری چائے پی کر ہم بھی خوش ہوں گے، لیکن معاف کرنا ننھے دوست! ہمارے پاس اتنا وقت ہی نہیں۔"

Marfat.com

اور جب کرنل اسے نیچے اُتار کر جیپ کی طرف بڑھا تو ننھے مجاہد نے اپنا پرچم پیش کر دیا! "تو پھر اسے لیتے جائیے سرحد پر کسی بہت اونچے ٹیلے پہ گاڑیئے گا جہاں سے دُور دُور تک نظر آتا رہے۔"

کرنل جیپ میں بیٹھتے بیٹھتے رک گیا اور ننھے مجاہد کے ہاتھ سے پرچم لیتے وقت بے اختیار اس کا ماتھا چوم لیا! "میرے ننھے دوست تمہارے جذبے کی قسم! ہم اسے بادلوں میں گاڑ کر دم لیں گے!"

ایک بچّے نے نادانستگی میں پوری رجمنٹ کو روک لیا تھا۔ موقعے سے فائدہ اُٹھا کر اس کا دریا دِل باپ چائے دانی اور پیالیاں اُٹھائے جیپ کے قریب آگیا اور رُکے ہوئے قافلے کی طرف اشارہ کر کے بولا! "سب جوان کھا پی رہے ہیں آپ بھی دو ایک گھونٹ لے لیجئے۔"

کرنل نے پیالی کی طرف ہاتھ بڑھانے سے پہلے قافلے پر نگاہ ڈالی۔ آخری سرے تک جوانوں کے اردگرد عقیدتمند عوام پروانوں کی طرح منڈلا رہے تھے۔

لکڑیوں کی ٹال کا مالک، بوڑھا پٹھان، جو پچھلے تین روز سے اپنے بیٹے کی تلاش میں ایک ایک گاڑی کو نظروں میں بیٹھا چھان رہا تھا، پشاوری حقہ اُٹھائے اس ٹرک کی طرف بھاگا جس میں دوسرے سپاہیوں کے ساتھ اس کا بیٹا بھی سوار تھا۔

قریب ہی کوٹھی کے دروازے سے ایک خوبرو دوشیزہ پھولوں کے ہار اُچھالتی ہوئی بھاگی اور اس ٹینک پر سوار ہو گئی جس کے "پنجے" میں اس کا

Marfat.com

جوان لیفٹیننٹ بھائی سینہ تانے اپنے گھر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

بھائی اور اس کے شیر جوان ساتھیوں کے گلے میں والہانہ ہار ڈالتے وقت بہن نے بھائی سے سرگوشی کی! "امّی پوچھتی ہیں، ہم یہیں بیٹھے رہیں یا گاؤں کو چلے جائیں!"

اس کے جواب میں پورے دستے نے ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو کر قہقہہ لگایا اور بھائی نے بڑے اعتماد کے ساتھ بہن کا کندھا تھپتھپایا! "کہیں اور جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سیالکوٹ اس طوفان پہ چراغ کی طرح مُسکراتا رہے گا!"

ایک معمر راہگیر خاتون کی رگِ حمیت پھڑکی۔ وہ جیپ میں سوار سگریٹ کے کش پہ کش لگانے والے اکیلے سپاہی کے قریب آئی اور ہمدردانہ لہجے میں بولی! "مجھے اپنے گھر کا پتہ بھی تبا دو اور ماں باپ، بہن بھائیوں کے نام بھی۔ میں انہیں تمہارا پیغام پہنچا دوں گی!"

جوان اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکا اور سگریٹ کا طویل کش لگا کر فضا میں چاروں طرف دھواں اُڑانے کے بعد رُک رُک کر بولا! "میرا پتہ پاکستان! میرے ماں باپ، بہن بھائی؟ تمام پاکستانی اور ان کے نام میرا پیغام —— ہمارے لیے فتح اور کامرانی کی دُعائیں!"

اسلم ایک ایک نظارے پر سو سو بار سر دھنتا اور خوشیوں کے لغروں کی گونج میں ہچکولے کھاتا ٹرنک بازار جا نکلا، وہی بازار، جسے بھارتی ہوابازوں نے بزعم خود سیالکوٹ کی سب سے بڑی اسلحہ ساز فیکٹری سمجھ کر وحشیانہ بمباری

کا نشانہ بنایا تھا۔

بلے سے معصوم بچوں اور بے گناہ عورتوں کی لاشیں نکالنے کا کام جاری تھا۔

یہیں اسلم نے اس روز نہیں بلکہ جنگ کے دنوں کی سب سے بُری خبر — ایک سفید ریش، صوم وصلواۃ کے پابند کمہار کی کہانی سنی جس نے کانونٹ کے فارغ التحصیل کمیشنر آفیسر اسلم ہی نہیں پورے ملک کو حیرت میں ڈالدیا تھا۔

وہ کہانی کچھ اس قسم کی تھی! "میں دھان کا دوسرا توڑا گھوڑے پر رکھے گھر کو آرہا تھا کہ پاس ہی ایک گولا پھٹا، گھوڑا بدکا اور توڑا گر گیا۔ میں ستر، بہتر، بوڑھا آدمی، پانچ من سے کچھ اُوپر کا توڑا اور ڈرا ہوا بے قابو گھوڑا، پھر آدھی رات اِدھر اور آدھی رات اُدھر۔ بھئی خوب پھنسے۔ میں یہ سوچ کر کہ "کارساز ما بہ فکرِ کار ما" ایک تنے سے ٹیک لگا کر وردِ وظیفہ کرنے لگا، اس انتظار میں کہ ابھی غیب سے مدد آئے گی۔

"مدد عین وقت پر آئی۔ میں نے چاپ سنتے ہی آنکھ اُٹھائی۔ ایک سبز پوش گھڑسوار سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا "آو، مجھے جلدی ہے۔ تمہارا توڑا گھوڑے پر رکھیں!"

"میں ان دو سواروں کا انتظار کرنے لگا جو اسی طرف چلے آرہے تھے اب ہم چار ہو جائیں گے اور ایک ایک کو نہ پکڑنے میں آسانی ہو گی۔ غالباً اس نے میری سوچ کی آواز سُن لی۔ وہ توڑے کی طرف بڑھا! آؤ آؤ ہم دونوں کافی ہیں"۔ اس نے سچ کہا تھا۔ وہی اکیلا کافی ثابت ہوا، میں نے تو صرف گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی۔

Marfat.com

"پھر جب وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہونے لگا تو میں نے اس کی رکاب تھام لی! "مہربان! ایک تو مجھے اپنا نام بتائیں اور اپنے ساتھیوں کا بھی اور دوسرے یہ کہ آپ سب سواروں کو ایسی کیا جلدی ہے، خیر تو ہے؟"

سوار نے مجھے دیکھا! "تم نہیں جانتے؟ میں علیؓ ہوں اور حسنؓ اور حسینؓ۔ پاکستان میں جہاد ہو رہا ہے، ہم اس میں شامل ہونے آئے ہیں!"

یہ تھیں وہ ناقابلِ تردید روائتیں جن سے ناقابلِ تسخیر جذبے اُبھرے اور اِن کے کیف سے سرشار ہو کر صدیوں کی کھوئی ہوئی قوم نے پل بھر کی جدوجہد میں اپنے آپ کو ڈھونڈھ نکالا۔ رات کو سونے والی قوم اور تھی اور صبح جاگ اُٹھنے والی کوئی اور۔

○

اسلم نے ۱۰۴ بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز میں قدم رکھا ہی تھا کہ بریگیڈیئر خان پکار اُٹھا! "سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم!"

اسلم کے سیلیوٹ کا جواب دینے کے بعد بریگیڈیئر خان نے اسے کچھ اس انداز سے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا جس سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اب سگریٹ ہی نہیں چائے بھی چلے گی۔ اس کا اندازہ سو فیصد درست نکلا۔ بریگیڈ کمانڈر نے اپنے خاص روسی سگریٹ "کنگ سٹارک" کی ڈبی میز کے پرلے کونے سے اِدھر کو سرکائی! "کیسے آنا ہوا!"

Marfat.com

"پچھلے کئی روز سے ہسپتال میں تھا!"

بریگیڈیئر خان سگریٹ سلگاتے سلگاتے رک گیا! "اوہو، کسی نے ذکر تک نہیں کیا۔ مچھراب؟"

"واپس جانے کے لیے آپ کے حکم کا انتظار ہے۔"

"فوراً سٹیشن سٹاف آفیسر سے ملو۔"

"وہ سب کچھ جانتے ہیں۔"

"تو پھر بے چینی کی کیا ضرورت ہے۔ کچھ دیر ہمارے پاس بھی بیٹھو۔ جانے پہچانے چہرے دیکھنے کو آنکھیں ترس گئیں۔" پھر چائے کی پہلی چسکی کے ساتھ ہی بریگیڈیئر خان کا موڈ بدلنے لگا! "تمہارا اضطراب و اضطرار سب کچھ بتا رہا ہے۔ کیوں نہ ہو۔ محاذِ جنگ سے چھینے ہوئے چند لمحے، کبھی ہم بھی اِن کی قدر و قیمت جانتے تھے لیفٹیننٹ — کہاں جانے کا خیال ہے؟"

"کرنل عباسی کے یہاں!"

"تم کہیں اِن کی صاحبزادی سے تو منسوب نہیں ہو؟"

"نہیں، سر!" اسلم مسکرایا! "میں تو چند لمحوں میں اپنے نئے لنک سے منسوب ہونے والا ہوں!"

بریگیڈیئر خان نے سگریٹ کے کش کی بجائے بے اختیار قہقہہ لگایا!

"تم بھی کیپٹن صادق ہی کی طرح روایتی سپاہی ہو۔"

اسلم دیکھ رہا تھا کہ اسے بریگیڈیئر خان کے دفتر سے اس وقت چھٹی ملے گی جب محاذ کو جانے والے "کانوائے" کی آخری جیپ یا شاید "بریک ڈاؤن" کا منچلا

Marfat.com

ڈرائیور لگاتار ہارن بجا بجا کر انہیں یاد دلائے کہ جانے والے تو جا چکے، ابھی اپنے دوستوں کے بال بچّوں سے ملنا اور یادگار ضیافت میں شرکت کرنا باقی تھا۔

وہ آہستہ آہستہ اپنے مطلب کی طرف آیا! "ہسپتال ہی میں کیپٹن صادق کی منگیتر سے جان پہچان ——!"

بریگیڈیئر خان چائے کی چسکی لیتے لیتے رُک گیا اور اسلم کی پیالی کے اُوپر سے دیکھ کر ٹوکا! "کیا کہا؟"

"وہ سی ایم ایچ میں بطور رضا کار نرس کام کر رہی ہیں۔"

"تم نے تو روائتی سپاہی کے متعلق ہمارے محتاط اندازے کی دھجیاں بکھیر دیں لیفٹیننٹ —— اس کا نام؟"

"فریدہ!"

"ذرا دم لو اور مجھے سوچنے دو کہ میں نے یہ نام کہاں سنا ہے؟"

"تاجدار کے ٹینکوں میں سے ایک کا نام!"

"خوب یاد دلایا۔ اب یہ بھی بتاتے چلو کہ اس وقت فریدہ کہاں ہے؟"

"یہی تو میں پوچھنا چاہتا ہوں، کہ اس وقت تاجدار کہاں ہے۔!"

زمانہ شناس بوڑھے سپاہی نے دھواں چھوڑنے کی آڑ میں ٹھنڈی آہ بھری اور سامنے میز پہ فائلوں کے انبار کو دیکھنے لگا! "ان کاغذوں میں۔"

اسلم سب کچھ سمجھ گیا۔ وہ رُک رُک کر کہہ رہا تھا! "اور تاجدار کے کمانڈر؟"

بریگیڈیئر خان کی نظریں اسلم کی آنکھوں میں ڈوب گئیں! "جنگ کے دوران میں تمہیں کبھی زندگی اور موت کی درمیانی حالت پر بھی غور کرنے کا موقع ملا؟"

اسلم سوچنے لگا اور اسے سوچ میں غلطاں پاکر بریگیڈیئر نے بات جاری رکھی! "یہی چند لمحے جو بعض اوقات دنوں اور ہفتوں تک بھی پھیلتے چلے جاتے ہیں، سپاہی کے معراج کا عرصہ ہے۔ ایک طرف زندگی، دوسری طرف موت اور وہ دونوں پر قہقہے لگاتا، دونوں کے دائرہ اقتدار سے نکلتا اوپر سے اوپر اٹھتا چلا جاتا ہے۔"

اسلم بڑبڑایا! "میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"تمہاری قسم، سمجھا میں بھی نہیں، سوائے اس کے کہ وہ عفریب ایک روز فریدہ کے گن ٹرٹ سے ٹیک لگائے تاجدار کی کمان کر رہا تھا۔"

اسلم نے چپکے سے اپنا خود اٹھایا اور بڑے ادب سے اجازت مانگی! "معاف کیجئے، سر! سسٹر فریدہ میری راہ دیکھ رہی ہوگی۔"

بریگیڈیئر خان نے بیک جنبش اپنے اوپر طاری موڈ کا تار و پود بکھیر دیا۔ چائے کی پیالی اور سگریٹ اُس طرف سرکائے اور فائل کھسکا کر اسلم پر اچٹتی، الوداعی سی نگاہ ڈالی! "سیالکوٹ کی اس خوش نصیب بیٹی کو میرا اسلام دینا لیکن زندگی اور موت کی درمیانی حالت پر لیکچر کی ضرورت نہیں۔"

اسلم سیلیوٹ کرتا باہر نکل گیا۔

○

کرنل عباسی کی کوٹھی میں ایسے گوناگوں ہنگامے اسلم کا انتظار کر رہے تھے،

Marfat.com

جن کا وہ کبھی خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔ ہم پیشہ اور ہم صف افسروں کے اہل وعیال نے دوسری کئی اَن دیکھی، پُراِیثار بہنوں کی مدد سے ایسی خوشیاں رچا رکھی تھیں کہ دیکھنے والے شک میں پڑ گئے! سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم کو الوداع کہا جا رہا تھا یا اِس کی بارات اُترنے والی ہے۔!

سکول کی وَردی میں ملبوس چھاؤنی بھر کے ننھے منوں نے کوٹھی کے لان کو ٹیالین پریڈ گراؤنڈ بنا رکھا تھا۔ نوجوان افسر کو دیکھتے ہی گولو — دس گیارہ سال کے بچے — نے "گارڈ آف آنر" کو "اٹینشن" کہا اور بانکے سپاہی کی طرح اکڑائے۔ سینہ تانے اس کے سامنے آ ڈٹا! "سر! گارڈ آف آنر معائنے کے لیے تیار ہے!"

اُس نے اپنے جذب و جوش سے اِس کھیل میں ایسی جان ڈالدی تھی کہ سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم "گارڈ آف آنر" کے معائنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ دستور کے مطابق کبھی یہاں اور کبھی وہاں رُک رُک کر مستقبل کے محافظوں سے سوال پوچھنے لگا اور پرائمری سے بہت اِدھر "کے جی تھری" تک کے بچوں کے برجستہ جواب اس کے دِل سے جگر تک اُترتے چلے گئے۔!

کروڑوں سال سے کائنات کے ذرّے ذرّے کو مُنور کرنے والا آفتاب شاہد ہے، کہ پاکستانی بچے، لکڑی کی کھونا نما بندوقیں کندھے پر رکھے، جمرود سے جلپائی گوری تک اِسی قسم کا کھیل کھیل رہے تھے۔ یہی ان کا آبائی، موروثی، قومی کھیل تھا۔

پھر ان کی شرمیلی بڑی بہنوں اور لاج کی ماری مہر بہ لب ماؤں نے چھوٹی

Marfat.com

چھوٹی بچیوں کے ذریعے اپنے متعلقین کی خیر خیریت پوچھی اور اِن کے نام انواع واقسام کے پیغام دیئے۔ اور شدید انتظار کے بعد بیگم عباسی نے جی کڑا کر کے مہمان سے میزبانوں کے تعارف کا سلسلہ ہائے دراز چھیڑا ہی تھا کہ ریڈیو پہ جانی پہچانی دھن سُن کر بچوں نے طوفان مچا دیا۔ ڈمی سے لے کر گوگی تک درجنوں چھوٹے چھوٹے بچے ریڈیو کے چوطرفہ گھیرا ڈال کر قطاروں میں ڈھل گئے ایسی سنجیدہ اور مودب قطاریں پاکستان کی کسی ہیڈ مسٹریس نے شاید ہی کبھی دیکھی ہوں۔

تسلیم ہانپتی کانپتی دہلیز میں آ کھڑی ہوئی اور دیوانگی کے عالم میں دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر اپنی تمام بڑی بہنوں پھوپی، نشبی، پیپی سمیت امی، ابو اور بوڑھے چچا کو بھی "ڈبل" کے ساتھ" اندر آنے کا اشارہ کیا۔ پھر چچو مسخرہ ہاتھ میں فٹا پکڑے قطار سے ذرا سے آگے کو سرکا اور سکاٹ لینڈ کے بینڈ ماسٹر کی طرح صرف ہجولیوں ہی نہیں چچا اور چچی کو بھی ریڈیو سے ہم آہنگ ہو کر جھومنے، تالی بجانے اور گانے کا "ٹائمنگ" دینے لگا۔

" مہراج ایہہ کھیڈ تلوار دی اے
جنگ گھیڈ نئیں ہوندی زنانیاں دی"

آن کی آن میں بیگم عباسی کا ڈرائنگ روم حاتم طائی کے کوہ ندا کو مات کرنے لگا۔ جی! بچوں پہ ایسی کیفیت طاری ہوئی جس نے بڑی بڑی ثقہ خواتین تک کسی کو معاف نہ کیا۔ فریدہ، رضیہ اور تاج سمیت کمرے میں جتنی لڑکیاں سما سکیں، بیخودی کے عالم میں گاتی اور جھومتی رہیں۔ اور تو اور کرنل

عباسی کی "نئی بنائی میڑن" — بیگم عباسی بھی ہر چہ درکان نمک رفت نمک شد کا مصداق بن گئی۔

اور اسے اپنی حالت کا صرف اس وقت خیال آیا جب گانا ختم ہو چکا تھا اور بچوں کی قطار کے پیچھے دبکا ہوا اسلم اسے مزدیدہ نگاہوں سے بیٹھا تک رہا تھا۔ بیگم عباسی نے چونکتے ہی معذرت کی "تمہارے سر کی قسم اسلم میاں! اِس ترانے نے زبردستی لب پہ آتی ہے دُعا کی جگہ لے لی"

اسلم مُسکرایا! "اس سے کون کافر انکار کر سکتا ہے"

فریدہ کی نظریں ابھی تک بچوں کی قطار پہ لگی تھیں، اسن نے کہا! میں پہروں سوچتی رہتی ہوں کہ جو دُھن پوری طرح لاؤڈ سپیکر کے ہونٹوں تک بھی نہیں آپاتی اسے یہ چھوٹی سی دنیا اتنی جلدی بھانپ کیسے لیتی ہے!"

"پھر یہ بات بھی کچھ حیرت انگیز نہیں کہ مختلف طبقوں کے بچوں نے اتنا لمبا چوڑا ترانہ لفظ بہ لفظ حفظ کیسے کر لیا! "ذرا دیر خاموش رہنے کے بعد اسلم نے ڈمی کو اشارے سے بلایا اور پیار سے اس کا کندھا تھپتھپایا! "اب ذرا اے بی سی تو سناؤ"

ڈمی کی امی جھٹ سے اپنے صاحبزادے کی وکالت کرنے لگیں! "ابھی تو بچارے کو کے جی وَن میں پورا سال بھی نہیں گزرا"

بیگم عباسی نے باری باری ممتاز، رضیہ اور فریدہ کو دیکھا اور ڈرائنگ روم جس ماحول میں ہچکولے کھا رہا تھا اس کا رُخ موڑ دیا! "اری چھوکریو! تمہارے ہاتھوں کے طوطے کیوں اُڑ گئے۔ موقعے کو غنیمت جانو۔ اگر پھر سے

Marfat.com

یہی ترانہ چھڑ گیا اور جو اودھم مچا تو کم از کم میں تو اس کی ذمہ دار نہیں ہوں گی۔!"

لڑکیوں نے آن کی آن میں دسترخوان بچھایا۔ اگرچہ فریدہ نے اِس ضیافت کو یادگار بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، لیکن مہمان سمیت میزبانوں کی توجہ بھی کھانے پر کم اور باتوں پر ذرا زیادہ مرکوز رہی، باتیں، جن کے ختم ختم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا — ایسی باتیں جنہیں قہقہے اور آہیں، آنسو، اور مسکراہٹیں کروٹ پر کروٹ دیتی چلی جا رہی تھیں کہ ناگاہ جیپ کے مخصوص ہارن کی گونج نے بیک جنبش بھری محفل کو درہم برہم کر دیا۔

اسی آواز کے انتظار میں بیٹھا ہوا اسلم کھانے سے ہاتھ کھینچ کر ایک ایک چہرے پر نگاہ ڈالتا اور معذرت کرتا اُٹھ کھڑا ہوا اور سوگوار میزبانوں کے جلوس میں جیپ کی طرف بڑھا۔

برآمدے سے پھاٹک تک بچوں کی دو رویہ صفیں آراستہ تھیں، سب کی جھولیاں رنگا رنگ پھولوں سے پُر۔ وہ مٹھیاں بھر بھر کر پھول برساتے اور گاتے رہے! "جنگ کھیڈنئیں ہوندی زنانیاں دی!"

اسلم جیپ کے قریب پہنچا ہی تھا کہ اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے بچے ایک طرف ہٹ گئے۔ اب ان کی بڑی بہنوں اور ماؤں کی باری تھی۔ انہوں نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اس کے گلے میں ہار ڈالے۔ فریدہ صفوں کو چیرتی اس وقت سامنے آئی جب وہ جیپ میں سوار ہو چکا تھا۔

وہ اپنا ہار دونوں ہاتھوں میں پھیلائے آگے بڑھی لیکن اس نے سر جھکانے

Marfat.com

کی بجائے اپنا ہاتھ بڑھایا! "نہیں سسٹر، یہ میرے کمانڈر کا ہار ہے!" پھر اس نے ہار سنبھالتے ہی ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کیا اور جیپ کوٹھیوں کی قطاروں کو دائیں بائیں چھوڑتی بڑھتی چلی گئی۔

کچھ دُور نکل جانے کے بعد اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا بے شمار مشتاق و مضطرب بازو اوپر لہراتے ہوئے رنگارنگ رومالوں کے کنارے ابھی تک نظر آ رہے تھے اور بچّوں کی آواز تو لمحہ بہ لمحہ جوان ہوتی چلی جا رہی تھی۔

اج ہندیاں جنگ دی گل چھیڑی
اکھ ہوئی حران حرانیاں دی،
مہراج ایہہ کھیڈ تلوار دی اے
جنگ کھیڈ نئیں ہوندی زنانیاں دی
جنگ کھیڈ نئیں ہوندی زنانیاں دی
جنگ کھیڈ نئیں ہوندی زنانیاں دی

Marfat.com

انیسواں باب

ٹا، ٹا!

رسالدار میجر کے بدحواس، بانکے اردلی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر جیر کھانستا کھنکھارتا کمانڈر کے پاس جا پہنچا۔ وہ ڈگ آوٹ کی دیوار سے ٹیک لگائے العوزہ نوازی کی مشق کر رہا تھا۔ اس نے آنکھوں آنکھوں میں جیر سے پوچھا! کیا ہے۔؟

"رسالدار میجر صاحب کا اردلی ——"

"اسے روکو!" کمانڈر نے گنر کے منہ سے بات چھین لی۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ العوزے سے کوئی اہم خبر آ رہی ہے۔ لیکن اردلی کی رفتار سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بھی بڑے زور کی خبر لا رہا ہے۔

جیر نے کمانڈر کو سمجھانے کی کوشش کی! "جس ہاتھ کے مستک پر چوٹ لگی ہو نا اسے راجہ پورس بھی نہیں روک سکتا۔"

"یہ بات ہے!"

Marfat.com

"یہ نہ سہی پر اسی قسم کی کوئی بات ضرور ہے!"

"تو پھر اسے آنے دو!"

کمانڈر نے رسیور کو "آف" کر کے نیچے رکھا اور اردلی ڈگ آؤٹ کے دروازے سے پکارا! "رسالدار میجر صاحب سلام دیتے ہیں، کہتے ہیں فوراً آئیے!"

اردلی کے چہرے پر اچٹتی سی نگاہ ڈالتے ہی کمانڈر نے گنر کو آنکھ ماری جس کا مطلب تھا! تمہارا خیال سو فیصد درست ہے۔ اس نے رسی سے لٹکتی ہوئی پیٹی اتاری اور فولادی خود سر پر رکھتا باہر نکلا۔ لیکن کچھ سوچ کر دہلیز پر رک گیا اور سری رام سے کہا! "میری سٹین گن کی میگزین ضرور دیکھنا۔ اس میں ایک گولی بھی کم ہوئی تو تمہاری خیر نہیں!"

سری رام نے برجستہ جواب دیا! "میں تو سب سے پہلے اپنی گن کا پیٹ بھروں گا۔"

ڈگ آؤٹ سے نکلتے ہی حوالدار کی نظریں رسالدار میجر پر جا پڑیں۔ وہ خیمے کے باہر بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ پیڑائے ہوئے ہونٹ اور چہرے پر اڑتی ہوئی ہوائیاں۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ وہ حوالدار کے سیلیوٹ کا جواب گول کر گیا اور چاروں طرف پھیلے ہوئے کیمپ پر نظریں جما کر بولا "لانگریوں کے سوا پورا کیمپ فالن کرو، فوراً!"

حوالدار نے اس کی بدحواسی کو تھپکنے کی کوشش کی! "سیخ رپورٹ والوں کے لیئے کیا حکم ہے؟"

"آج کسی نکمے کو معاف نہیں کیا جائے گا!"

Marfat.com

"کوئی جرنیلی پریڈ ہونے والی ہے!"

"نہیں، ہم دو گھنٹے کے اندر اندر اپنی پسپا ہونے والی بٹالین کو کور کریں گے۔"

حوالدار نے محسوس طور پہ اطمینان کا سانس لیا! "میں سمجھا جنرل چودھری صاحب ٹرانزٹ کیمپ کے انسپکشن کو آنے والے ہیں" پھر اس نے رنگیلے، راجپوت سردار کو عقیدت سے دیکھا! "اس کام کے لیئے تو آپ اکیلے ہی کافی ہیں۔"

"یہ تم دوسری جنگ عجیم کی بات کر رہے ہو جب ہم تمہاری طرح گبھرو جوان تھے۔ پھر طبرق کا قلعہ، باجو میں گوار ہسپتال اور اس کی گنڈاسا سی نرسیں" رسالدار میجر گزرے ہوئے دنوں کو آواز دیتے وقت بے دھیانی میں، اپنی پہلے ہی سے بل کھائی ہوئی گچھا سی مونچھوں کو بل پہ بل دیتا چلا گیا۔ اس وقت ہم نئے نئے حوالدار بنے تھے اور ہمارے بیا بر کا این سی او پور نے ساتویں انڈین ڈویژن میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا تھا!

حوالدار ہردیال اپنی مسکراہٹ روک نہ سکا، ایسی مسکراہٹ جو صاف کہہ رہی تھی! تم نے وہ جنگ کسی ٹرانزٹ کیمپ کے این سی او انچارج کی حیثیت میں کاٹی ہو گی! پھر وہ اپنی دلی حالت چھپانے کے خیال سے بولا! "آپ جیسا بانکا سردار آج بھی انڈین آرمی میں مشکل ہی سے ملے گی۔"

اپنی تعریف سن کر رسالدار میجر کے ذہن سے پسپا ہونے والی وہ بٹالین نکل گئی جسے کور کرنے کی تیاری زور شور سے جاری تھی! "نہیں، میجر نہیں۔ اب تو ہمیں گھٹنوں کا درد لے ڈوبا۔ اگر یہ جنگ دو روز اور نہ چھڑتی

ہم پنشن پاکر اپنے گام میں بڑ کے نیچے بیٹھے چوپڑ کھیل رہے ہوتے۔"

یوں لگتا تھا جیسے وہ آنکھیں بند کر کے اپنے گاؤں میں بڑ کے نیچے بیٹھا چوپڑ کھیل رہا ہو۔ حوالدار اسے دوبارہ میدانِ جنگ میں کھینچ لایا "میرا خیال ہے اس کڑکتی دھوپ میں سیخ ریورٹ والوں کو ساتھ لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"جرورت کی بھلی پوچھو، اگر میرا بس چلے تو کیمپ کے سارے فالوور بھی فالن کرا کے ساتھ چلوں۔ یہ تو بدھ ہے، میجر بدھ! بھارت کے بچے بچے کو ان کے میدان میں اترنا ہی پڑے گا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ ایک دم چونکا! تم نے ابھی تک کیمپ کو فالن نہیں کرایا حوالدار!"

"ابھی لیجئے!" حوالدار اسے ٹھاٹھ سے سیلیوٹ کرتا اور رسل بجاتا پریڈ گراؤنڈ کی طرف چل دیا۔

○

سیالکوٹ کے حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے چٹیل میدان سے تپش کی اٹھنے والی لہریں کسی شفاف جھیل کی بل کھاتی ہوئی موجیں دکھائی دیتی تھیں۔ زمین آگ اگل رہی تھی، آسمان آگ برسا رہا تھا۔ پچھلے دو روز کی لگاتار آتشباری سے سبزے کا نام و نشان تک مٹ چکا تھا اور پرندوں سے یکسر خالی فضا پر ہو کا عالم طاری تھا۔

Marfat.com

حوالدار نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ اِس میدان کے خط و خال اس خطے کی عمازی کر رہے تھے جس پہ الغوزے کی خبر کے مطابق پاکستانی کمپنی قبضہ کرنے والی تھی۔ اِس نے پیچھے پلٹ کر ان بھارتی سورماؤں پہ نگاہ ڈالی جو "فیلڈ مارشل آرڈر" کے بوجھ تلے پسے جا رہے تھے ان کی "چوٹی" سے ایڑی تک پسینہ برابر بہتا چلا گیا۔

اسے جنرل چودھری کی نوجوان "بے موسمی" فوج کی حالت زار پہ رحم آیا۔ وہ سوچنے لگا! جس فوج نے آٹھ دس ہی میل میں گھٹنے ٹیک دیئے۔ وہ سیالکوٹ فتح کر چکی۔

حوالدار نے انہیں "ہالٹ" کہا اور اصل اور نقل کی جغرافیائی خصوصیات کا موازنہ کرنے کے لیئے جیب سے نقشہ نکالا ہی تھا کہ رسالدار میجر اپنے ماتھے سے پسینہ نچوڑتا سامنے اور سورماؤں کی بے ترتیب صفوں پہ اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔

وہ کہہ رہا تھا! "نقشے کی گلطی نے سب کو گلط راستے پہ ڈال دیا۔ اب ہمیں پورے دس میل ناک کی سیدھ میں جانا ہوگا۔ مائی کے جن لعلوں میں آگے بڑھنے کا بل ہے ایک قدم آگے نکل آئیں"۔

لیکن آگے آنے کی بجائے وہ سب کے سب ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔ اکیلا سری رام اپنی جگہ جما کھڑا رہا۔

اپنے سورماؤں کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر رسالدار میجر دنگ رہ گیا اور ان کا دِل بڑھانے کے لیئے سری رام کی تعریف کرنے لگا۔ "ہجاروں نہیں لاکھوں میں ایک.....!"

وہ کیا کہہ رہا تھا؟ سری رام نے اس میں ذرا دلچسپی نہ لی اور حوالدار سے سرگوشی کی "اپنے بانکے سردار کو سمجھائیے، مجھ میں تو ایک قدم پیچھے ہٹنے کی بھی ہمّت نہیں، پورے دس میل آگے کون جائے گا۔"

حوالدار نے بھی سری رام کی بات پر کوئی دھیان نہ دیا۔ اس کی نظریں بیلی کاپٹر پر لگی تھیں جو مغربی افق سے اُبھر کر مشرق کی طرف سرکتا چلا آ رہا تھا۔ "آرمی آبزرور" کے اس ہیلی کاپٹر پر پاکستانی نشان صاف نظر آتا تھا۔ برسوں سے گھات میں بیٹھے ہوئے کنیہ پر در راہزن نے پاکستان پر یوں اچانک شبخوں مارا تھا کہ پاکستانیوں کو جہازوں سے اپنے نشان صاف کرنے کی مہلت ہی نہ ملی۔

ہیلی کاپٹر میں سوار کرنل عباسی معمول کے مطابق محاذ کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ اس کی نظریں نقشے سے ہٹ کر ہزاروں فٹ نیچے اِس کمپنی پر جا لگیں جسے نقشے کی رو سے پاکستانی ہونا چاہیئے تھا۔ وہ اس وقت تک محاذِ جنگ سے جس قدر اہم معلومات حاصل کر چکا تھا، اُن کی روشنی میں پاکستانی کمپنی کو فوری ہدایات دینی ضروری تھیں۔ اس نے پائیلٹ کو نیچے اُترنے کا اشارہ کیا! "صرف ایک منٹ، کیپٹن!"

ایک تن تنہا ہیلی کاپٹر کو پوری مسلح دشمن کمپنی پر اترتے دیکھ کر جیرنے اسے روکنے کے لاکھ جتن کیے لیکن اس کی کوئی پیش نہ چلی۔ ہیلی کاپٹر صرف ایک فرلانگ دور زمین پر ٹک چکا تھا اور اس میں سے اُترنے والا کرنل عباسی اپنے معمول کے مطابق چھڑی گھماتا راجپوت رسالدار میجر کی طرف سرکتا چلا آ رہا تھا۔

Marfat.com

کمانڈر اور گنر نے آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے سے کچھ کہا۔ پھر دونوں اپنی اپنی سٹین گنیں سونتے حالات کی نبض ٹٹولنے لگے۔

رسالدار میجر سے دس بارہ گز دور کرنل عباسی بھی اپنی غلطی محسوس کر چکا تھا لیکن اب اوسان بحال رکھنے کے سوا نجات کی اور کوئی صورت ہی نہ تھی۔ اور وہ قدم قدم پر بے مثال تدبر اور تہور کا مظاہرہ کرتا رسالدار میجر کے عین سامنے آ رکا۔

حوالدار کی نظریں کرنل عباسی پر جمی تھیں اور گوناگوں جذبوں کی فراوانی سے اس کے ہونٹ اور نتھنے پھڑک رہے تھے۔ کرنل عباسی نے غالباً اپنے منتشر خیالوں کو سمیٹنے کی کوشش کرتے وقت ہیلی کاپٹر کی طرف رُخ پھیرا۔ اس پر لگی ہوئی مشین گن صاف نظر آ رہی تھی۔ لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کی "برِیچ" بھی خالی ہے اور میگزین بھی!

پھر اس نے معاً رسالدار میجر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا! "زندگی کی تمنا ہے تو سپاہیوں کو ہتھیار ڈالنے کا حکم دو!" لمحے بھر کی خاموشی میں اس نے دُور، اپنے مورچوں سے اُڑنے والے گرد و غبار کی طرف اشارہ کیا! "ہمارا ایک پورا آرمرڈ بریگیڈ دو منٹ کے اندر اندر یہاں اترنے والا ہے۔ جلدی کرو، جلدی!"

حوالدار کی بیقرار نظریں چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔ ذرا دیر بعد اس نے رسالدار میجر سمیت ایک ایک سپاہی کو فرمانبردار پرائمری جماعت کی طرح

Marfat.com

کرنل عباسی کے حکم کی تعمیل کرتے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔
جب وہ ہتھیار ڈال کر صحیح معنوں میں سبکدوش ہو چکے تو جیر صفوں کو چیرتا آگے بڑھا اور سٹین گن کی نالی سے بھارتی سورماؤں کو اشارہ کیا! اسلحہ کے ڈھیر سے دُور!

کرنل عباسی کی نظریں جیر کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتی حوالدار پر جم گئیں، اور وہ اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سٹین گن کی طرف دیکھنے لگا!

تم نے اپنا کھلونا اِس ڈھیر میں کیوں نہیں پھینکا۔!"

حوالدار بے اختیار مُسکرایا! "کرنل، آپ نے کبھی اِس سے پہلے بھی ہمیں ہتھیار ڈالتے دیکھا ہے؟"

"ہمت تیرے حوالدار کی،" کرنل عباسی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ پھر وہ پورے پانچ لمحوں تک خاموش کھڑا اسے سر سے پاؤں تک گھورتا اور مسکراتا رہا

"تم نے یہ روپ کب سے دھارا؟"

"فریدہ سے جدائی کی پہلی رات!" جیر نے بیساختہ جواب دیا۔

"بڑے افسوس کی بات ہے۔" کرنل عباسی ابھی تک گھورتا اور مسکراتا رہا، تھا! "برخوردار! تم نے ہم سے کہا ہوتا، کسی اور فریدہ کا انتظام کر دیتے۔"

جیر کے اشارے پر ہیلی کاپٹر اسلحہ کے انبار تک سرک آیا تھا۔ اِس نے قیدیوں کی مدد سے اسلحہ جہاز میں بھرا اور کام سے فارغ ہوتے ہی "سب اچھا" کی رپورٹ دینے کے لیے منہ بسورے کمانڈر کے سامنے آ کھڑا ہوا کیپٹن صادق اسے دیکھ کر مُسکرایا! "تمہیں کیا تکلیف ہے؟"

Marfat.com

جیر نے ہیلی کاپٹر کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا! "ایسا موقع پھر قسمت سے ہاتھ آئے گا!"۔

"جیر! آج تمہیں کون روک سکتا ہے۔ ٹھاٹھ سے پائیلٹ کے ساتھ جا بیٹھو!"

"کو پائیلٹ کی طرح؟"

کمانڈر نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا جیر جہاز کی طرف ایک قدم اُٹھا کر اچانک پیچھے پلٹ آیا "مجبور ہوں حوالدار ہردیال جی!" کہتے ہی کمانڈر کی آستین تینوں "پھتیں"، نوچ پھینکیں اور جیب سے کپتان کے "شولڈر" نکال کر اس کے کندھے پر لگائے! "آپ بھی کیا یاد کریں گے کہ وسطی ایشیا کے میدان میں بھارتی سینا کے سری رام سپاہی سے کبھی واسطہ پڑا تھا۔ جائیے! ہم نے آج سے آپ کو کیپٹن بنا دیا!"

راجپوت رسالدار میجر دم بخود کھڑا دونوں کو حیرت سے تک رہا تھا۔ کیپٹن صادق اس کے قریب آیا اور اسے یقین دلایا! "ہم بھی پاٹ وَن اور پاٹ ٹو آڈروں کے جھمیلے میں نہیں پڑیں گے رسالدار میجر صاحب!" پھر اس نے قیدی کمپنی پر اچٹتی سی نگاہ ڈالی! "بشرطیکہ آپ یہ سارا حساب کتاب منہ زبانی یاد رکھیں"۔

جیر نے اپنی گن کرنل عباسی کے حوالے کی! "ذرا خیال رکھیئے گا، سر، ناک تک بھری ہے!" کہتے ہی وہ کرنل اور کیپٹن کو سیلیوٹ کرتا ہیلی کاپٹر میں جا بیٹھا اور کرنل عباسی کے اشارے پر پائیلٹ نے انجن سٹارٹ کیا۔

Marfat.com

کرنل عباسی اور کیپٹن صادق سٹین گنوں کے اشارے سے بے خبر
بھیڑوں کے ریوڑ کو پاکستانی مورچوں کی طرف ہانکنے لگے اور ابھی اس قافلے
نے چار فرلانگ کا فاصلہ بمشکل طے کیا ہوگا کہ ہیلی کاپٹر فضا میں معلق ہنڈولے
کی طرح جھولتا اِن کے سر پر آ پہنچا۔ جیر نے نیچے جھک کر دیکھا اور زور زور
سے ہاتھ لہرایا! "ٹاٹا!"

بیسواں باب

آخری وار

شام سے ذرا پہلے محاذ پر اچانک سناٹا چھا گیا۔ افسر اور جوان مورچوں سے سر اُٹھا کر ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ اِس سناٹے کی توجیہہ کون کر سکتا تھا!

پہر بھر کے دو طرفہ "ریپڈ فائیر" کا دھواں اور مشینی قافلوں سے اُڑنے والا غبار جو شدر بار ہواؤں کے دوش پہ سوار بادلوں میں جا اٹکا تھا، ایک بار پھر سرد ہواؤں سے لپٹا نیم سُرمئی، نیم سلیٹی پردوں کی طرح نیچے سرک رہا تھا۔

ہیبتناک سناٹے سے سہمے ہوئے گھرے، بے آواز سائے میدانوں میں اور جان پہ رو دھند لکے مورچوں میں سنگنے لگے۔ انہی سناٹوں، سایوں اور دھندلکوں کے انتظار میں بیٹھے ہوئے مجاہد اپنی اپنی پناہ گاہوں سے اُبھر کر سگریٹ اور چائے کے کھوج میں اِدھر اُدھر نکل گئے۔ جگری دوستوں

Marfat.com

اور ساتھیوں کی خیر وعافیت معلوم کرنے کے یا سنول نے طویل، تلخ انتظار کے بعد بڑے پیارے لگتے تھے۔

پھر ایک پوری بھارتی کمپنی کے ڈرامائی انداز میں ہتھیار ڈال دینے کی خبر نے تو سیالکوٹ سیکٹر پہ پچھلے دو روز سے طاری یکرنگی کا طلسم ہی توڑ ڈالا تھا۔ ۱۰۴ بریگیڈ کے ان سینئر افسروں نے جو ایک دوسرے کے آس پاس تعینات تھے، کیپٹن صادق کی چائے کا انتظام کیا۔ دشمن مورچوں میں دو دن اور دو راتیں گزارنے والا ہیرو ہندو پاکستان کی تاریخی جنگ کا نایاب انسائیکلوپیڈیا بن کر واپس آ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں بہت سی باتیں ہوں گی، دلچسپ، حیرت میں ڈال دینے والی باتیں۔

لیکن اِس نے چائے پہ بیٹھتے ہی اپنے مشتاق میزبانوں کو بُری طرح مایوس کیا اور ان کی موجودگی تک سے بے نیاز کرنل عباسی پہ لگاتار سوالوں کی بوچھاڑ کرتا چلا گیا! "ہمارے پیچھے محاذ پر کیا بیتی؟"

کرنل عباسی نے چائے کا ایک گھونٹ پینے کے بعد سگریٹ سلگایا اور اس کے دھوئیں کا بے مقصد تعاقب کرتے وقت بولا! "میں، تم اور دوسرے لاکھوں کروڑوں سپاہی اور سالار ہی نہیں، تاریخِ عالم بھی اپنی آنکھیں بند ہوتے ہوتے سیالکوٹ سے برملا سوال کرتی چلی جائے گی! تمہاری بقا کا راز؟ پھر جب ہمالیہ کی بیتناک چوٹیاں اور بحرِ ہند کی کف بدہن موجیں بھی دم سادھے جامد و ساکت ہو جائیں گی تو ستلج گڑھ کا ذرّہ ذرّہ پکار اُٹھے گا! عزم، استقلال، ایثار!"

کیپٹن صادق نے لائٹر کی طرف ہاتھ سرکایا ہی تھا کہ کرنل عباسی کے ہونٹ

ملتے دیکھ کر رک گیا اور اسے اُکسانے کے لیے ہنکارا بھرا! "ہاں ہاں کرنل، پھر؟"

"ستنج گڑھ کے میدان میں دو سو تھکے ماندے ٹینکوں کے پیچھے صف آرا، اولوالعزم مجاہد اس راز سے پوری طرح باخبر تھے کہ آزادی کے تحفظ کا فرض محض خوش نصیب نسلوں ہی کو سونپا جاتا ہے۔ اور جب یہی خوش نصیبی شہادت کی دلفریب حُور کا روپ دھارنے، موت کے ہوشربا جھروکے سے جھانکتی انہیں اشارے کر رہی ہو تو پھر جوہری عہد نے بھی ایسی قوت کا آج تک سراغ نہیں لگایا جو پروانوں کو شعلوں کا منہ چومنے سے روک دے!"

کیپٹن صادق نے سگریٹ سلگانے کے بعد دلدوز آہ بھری! "یہ آپ کی خالص روحانی تاویل ہے کرنل، اِس سے مورخ کبھی مطمئن نہیں ہوں گے اور ایک دوسرے سے پوچھیں گے! جب شاستری جی کے شکتیمان آلہڑ سے ٹھٹھی منیدھر والی تک بکھرے پڑے تھے، ہم انہیں روکنے میں کامیاب نہ ہوئے لیکن جب وہ پورے چھ سو کی تعداد میں سیالکوٹ کی فصیلوں کے نیچے، ستنج گڑھ کے محدود سے میدان میں آ جمع ہوئے، انہیں کس طرح روک لیا گیا؟"

"یہی تو توحید پرستی کا سربستہ راز ہے کیپٹن! ایسا راز جسے یہ قوم قادسیہ سے کاشغر اور سپین سے ستنج گڑھ تک پوری تیرہ صدیوں پہ پھیلی ہوئی شاندار تاریخ کے ہر موڑ پہ بار بار بے نقاب کرتی چلی آ رہی ہے!"

کرنل عباسی نے کیپٹن صادق کو دیکھا۔ نہ جانے وہ تیرہ سو سالہ شاندار تاریخ کے کسی دلفریب موڑ پہ رک گیا تھا۔ کرنل نے چائے کی چسکی لے کر اسے واپس بلانے کی کوشش کی اور خود کرسی سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں! سچ تو یہ ہے کہ

کیپٹن کہ سیالکوٹ کا ستارا صبح ازل ہی سے اسی شرف کی تلاش میں سرگرداں تھا اپنے فکر کی کارگاہ میں نت نئے انجم ڈھالنے والے شاعرِ مشرق کا وطن اگر بدرو حنین کی فہرست میں شامل ہو گیا تو تعجب کی کیا بات ہے ؟"

پھر اس نے اچانک آنکھیں کھولیں اور معاً اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر کیپٹن صادق کے اِرد گرد دیوانہ وار چکر کاٹنے لگا :۔

وہ ایک ایک حرف پر زور دے کر کہہ رہا تھا "ہم اپنے حیرت اور استعجاب کے سوا ان شہیدوں کی خدمت میں کوئی موزوں خراج پیش کر ہی نہیں سکتے جنہوں نے شکتیمانوں کے نیچے بچھ کر مفکرِ اسلام کے تصور ـــــ پاکستان ـــــ کو جاوداں بنا دیا !"

یہ کہتے ہی کرنل عباسی دروازے کی طرف بڑھا اور کیپٹن صادق نے اسے روکنے کے لیے بڑی عاجزی سے التجا کی "کہاں، کرنل ؟"

کرنل عباسی نے دہلیز پر رک کر ڈگ آوٹ میں چاروں طرف نگاہ ڈالی اور ۱۰۱ بریگیڈ افسروں کی طرف اشارہ کیا "اب تم اِن کے چند سوالوں کا جواب دو۔ میں اتنے میں بریگیڈیئر خان کو تمہارے صحیح سلامت لوٹ آنے کی خوشخبری سناؤں، انہیں فریدہ کی تلاش کے لیے تھوڑا بہت وقت ملنا ہی چاہیئے !"

○

کرنل عباسی نے ٹیلی فون پر کیپٹن صادق کا نام لیا ہی تھا کہ بریگیڈیئر خان نے

Marfat.com

براہ راست سوال کیا! "کہاں ہے؟"

"۱۰۴ بریگیڈ کے سینئر افسروں میں بیٹھا گپیں ہانک رہا ہے۔"

"اس نے تاجدار کی کمان ابھی تک کیوں نہیں سنبھالی؟"

"سر، یہ میری غلطی ہے۔ میری خواہش ہے کہ ہم ایک اور فریدہ اس کے حوالے کریں۔"

"تم نے خوب یاد دلایا کرنل! میرا بھی جی چاہتا ہے، کیپٹن صادق جیسے پُرجوش، نڈر اور تجربہ کار سپاہی کا دِل بڑھایا جائے۔ تم اسے فوراً تاجدار کے ہیڈ کوارٹرز کو چلتا کرو۔ فریدہ آ آیا۔"

بریگیڈیئر خان رسیور رکھنے کے بعد پورے پانچ سیکنڈ تک کچھ سوچتا اور سر کھجاتا رہا۔ پھر سی ایم ایچ کا نمبر ملاتے ہی سسٹر فریدہ کو ٹیلی فون پر بلایا۔

وارڈ سے ٹیلی فون والے کمرے تک آتے آتے فریدہ کے ذہن میں لاکھوں خیال کوندوں کی طرح لپکے! اسلم بھائی، نہیں جیر، نہیں نہیں وہ خود ٹیلی فون پر کھڑے بول رہے ہوں گے! لیکن ایک یکسر اجنبی آواز سنتے ہی اس کا دل بیٹھنے لگا اور اس طرف سے پوچھنے والے کو اپنا نام بتاتے وقت وہ بار بار ہکلائی۔

"میں بریگیڈیئر خان بول رہا ہوں سسٹر! تم کتنے عرصے کے لیئے بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز تک آسکو گی؟"

کیوں ——؟ یہ کیوں تاریکی کی طرح اچانک اُبھر کر چاروں طرف یکساں پھیلتا چلا گیا، اس کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

اسے ایک دم خاموش پاکر بریگیڈیئر خان نے قہقہہ لگایا! "گھبرانے کی ضرورت

Marfat.com

نہیں سسٹر۔ ۱۰۴ بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز نے کیپٹن صادق کی امتیازی خدمات کو سراہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر تم بھی شامل ہو جاؤ تو یہ سادہ سی تقریب پُرکار، یادگار بن جائے گی۔

بریگیڈیئر خان کو جواب دینے کی بجائے فریدہ مسکرائی اور لگاتار کئی لمحوں تک مسکراتی چلی گئی، بالکل دیوانوں کی طرح، ایسے معصوم، بُدھ ماتے بچے کی مسکراہٹ جو ناقابلِ ادراک خواب دیکھ کر بے اختیار مسکرا اٹھا ہو۔ پھر وہ اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی اجنبی سرسراہٹیں محسوس کرتے ہی چاروں طرف دیکھنے لگی۔ کوئی مجھے دیکھ تو نہیں رہا! کہیں میری بھرپور مسکراہٹ کو نظر نہ لگ جائے۔!

بریگیڈیئر خان بار بار پکار رہا تھا: "ہیلو سسٹر، ہیلو۔ کس سوچ میں ڈوب گئیں! جیپ ہسپتال کا دروازہ پار کر چکی ہو گی، تیار ہو جاؤ!"

"میں آئی ——!" کہتے ہی فریدہ نے رسیور نیچے پٹکا اور دروازے کی طرف بھاگی پھر غیر ارادی طور پر ڈریسنگ میز میں رک کر کچھ سوچنے لگی، ایک بار پھر ٹیلی فون کی طرف لپکی اور کرنل عباسی کا نمبر ڈائیل کیا۔

آج اس کے جذبات و احساسات ہی نہیں، ہمت اور حوصلہ امنگیں اور خواہشیں بھی جوان تھیں اور وہ اپنی خوشیوں میں دنیا جہان کو شامل کرنا چاہتی تھی۔ لیکن بدقسمتی سے ممتاز کسی سہیلی کے گھر جا چکی تھی۔

اِس نے ہاسٹل کا نمبر ملایا "آپریٹر رضیہ" اور لمحے بھر کے انتظار کے بعد اس نے یہ معلوم کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی، کہ اُدھر سے کون بول رہا ہے۔ اس کے دِل سے خوشیوں کا سیلاب امڈتا چلا آ رہا تھا، ایسا بے پناہ

Marfat.com

سیلاب جسے روکنا کم از کم آج کے بس کی بات نہ تھی! "جیا ــــ ہیلو جیا! مجھے بریگیڈ کمانڈر نے مدعو کیا ہے۔ بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز میں۔ اُن کی امتیازی خدمات کے سلسلے میں کوئی تقریب منائی جا رہی ہے، فوراً پہنچو!"

اس نے رسیور رکھا ہی تھا کہ ہیڈ کوارٹرز سے آنے والی جیپ کا ڈرائیور رنگ سپاہی کے ساتھ سٹاف روم تک آپہنچا اور فریدہ کو دیکھتے ہی بولا!

"بریگیڈیئر صاحب سلام کہتے ہیں"

فریدہ خوشی سے سرشار جیپ میں بیٹھ تو گئی لیکن بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز کے دروازے تک اپنے دِل اور دماغ سے برابر الجھتی چلی گئی! فریدہ! یہ بدحواسی مہنگی پڑے گی۔ سیالکوٹ چھاؤنی کے بڑے بڑے افسر اور کیپٹن صادق کی منگیتر کی حیثیت سے طویل تعارف کی کٹھور منزلیں، قدم قدم پہ ڈگمگاؤ گی۔ تماشا بن جاؤ گی۔

لیکن بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز پہ چھائے ہوئے سکوت نے اِس کے دل سے اندیشوں کا پہاڑ سا بوجھ اُتار پھینکا۔ جیپ برآمدے میں رُکی ہی تھی کہ بریگیڈیئر خان اپنا روسی سگریٹ منہ میں اُٹکائے باہر نکلا۔ اِس نے بے ڈھنگی سی جیپ سے اُترتے وقت اپنے بازو کا سہارا دیا اور اِس سے نظریں چرا کر بولا! "بڑی خوش قسمت ہو سسٹر، سیالکوٹ کے وہ خونیں میدان جس میں سینکڑوں جوان گمنام سما گئے، تمہارے نام سے گونج رہے ہیں!"

یہ اتنا بڑا اعزاز تھا جس کی قدر و قیمت محسوس کرتے ہی اس کا سر جھک گیا اور وہ رُک رُک کر بولی! "اسے محض اتفاق پہ محمول کیجئے"

"نہیں سسٹر نہیں" بریگیڈیئر خان اسے باتوں میں لگاتا آگے بڑھتا چلا گیا!

Marfat.com

"سپاہ گری کے دلدادہ لوگ کیپٹن صادق کی کاری ضربوں پر ہمیشہ فخر کریں گے۔" وہ آم کے نیچے ایک جھاڑے پونچھے، صاف ستھرے، قبول صورت ٹینک کے قریب جا رکا اور اس کی طرف اشارہ کیا! "کیسی چیز ہے؟"

"لاجواب!"

"بے شک لاجواب۔ اگر برا نہ مانو تو یہ ٹینک مجھے تم سے بھی پیارا لگتا ہے۔ لیکن یہ صرف میری نظر ہے اور کیپٹن صادق کی نظر سے یقیناً مختلف۔!"

فریدہ نے شرما کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ بریگیڈیئر خان نے سلگتے ہوئے سگریٹ کے ٹکڑے سے تازہ سگریٹ سلگا کر بدستور ہونٹوں میں اٹکایا اور بات جاری رکھی! "اب اگر یہی لاجواب تحفہ تمہارے کیپٹن کو پیش کیا جائے تو تمہیں خوشی ہوگی نا؟"

فریدہ نے تیزی سے پلٹ کر بریگیڈیئر خان کو دیکھا۔ اس کی نظریں الہڑ دوشیزہ کا چہرہ ٹٹول رہی تھیں۔ وہ اپنے جذبات کی یورش میں نہ کر سکی نہ ہاں، لیکن اس کا سر اثبات میں خفیف سی جنبش کر رہا تھا۔ پھر کسی ان جانے خیال کی تلخی محسوس کرتے ہی اس کے ہونٹ سکڑنے لگے۔ اس کی آنکھوں میں بے نام اندیشیوں کے گہرے سائے پھیلتے دیکھ کر بریگیڈیئر خان نے "زندہ باد سسٹر!" کا نعرہ لگا کر اس کی ڈھارس بندھائی اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر جیپ سے "ڈکرے آن" کے دو ٹکڑے نکال کر ایک ٹکڑا خیالوں میں ڈوب جانے والی نرس کو پیش کیا! "اب میں تمہارے گاؤں کی نرم، چکنی مٹی کہاں سے لاؤں۔ اسی سے کام چلاؤ اور یہاں اپنا نام لکھو۔"

اس نے اپنے ہاتھ سے ٹینک کے دریچے پر چپکا کھینچا! "ایک ایک حرف

Marfat.com

کی نوک پلک سنوار کر، جس طرح ہم چوتھی جماعت میں تختی پر خوشخطی لکھا کرتے تھے۔"

بریگیڈیئر خان اپنی خوش کلامی سے فریدہ کے بہکے ہوئے احساسات کو تھپکنے کے لیے اپنی سی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن فریدہ کو اس کی آواز پاتال سے آتی سنائی دی اور ذرا دیر بعد جیر کی جوان، گونجدار، مُسکراتی ہوئی آواز میں حل ہو گئی!

"جیسے یہ پھول اپنے رنگ سے بھڑک اُٹھتے ہیں!" پھر یہ آواز گنبد کی صدا بن کر بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز میں گونج اُٹھی!

اس سادہ و پُرکار، یادگار تقریب اور لاجواب تحفے کا صحیح مفہوم سمجھنے کے بعد فریدہ نے اپنے بہکے ہوئے خیالوں، جذبوں اور خواہشوں کو رام کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ لیکن چوکھٹے میں اپنے نام کا پہلا حرف لکھتے ہی اس کا ہاتھ لرز اٹھا۔

بریگیڈیئر خان نے آگے بڑھ کر اس کا دل بڑھایا! "سسٹر! جب تم اس رات اپنا نام لکھ رہی تھیں، تمہیں یاد ہو گا، چاروں طرف سے دشمن کا ریپڈ فائر آ رہا تھا، لیکن تمہارا ہاتھ بے خوف سپاہی کی طرح کام کرتا چلا گیا۔"

فریدہ ایک دم چونکی! "اس وقت آپ کہاں تھے؟"

"میں کہیں بھی ہوں، اپنی آنکھوں سے کام لینا جانتا ہوں۔ پھر جنگ کے ہولناک بادلوں میں تو سپاہی کی نظریں دُور دُور تک کام کرتی ہیں — اب تم اپنا نام لکھ بھی چکو سسٹر۔ تاجدار کا کمانڈر ڈگ آؤٹ کے دہانے پہ کھڑا بے چینی سے فریدہ کی راہ تک رہا ہو گا!"

جہاں دیدہ سپاہی کے ترکش کا آخری تیر کارگر نکلا۔ فریدہ نے اپنا نام

Marfat.com

لکھا اور کسی بن بلائے، بے وقت خیال سے جھلا کر، جھینپ کر گرد و پیش پر نگاہ ڈالی۔ رضیہ بہت پیارا، رنگ برنگا، ہرا بھرا سہرا نما ہار لہراتی اُڑتی چلی آ رہی تھی۔ فریدہ اسے دیکھتے ہی بے اختیار پکاری! "آؤ آؤ جیا، تمہیں ان کا ٹینک دکھاؤں!"

بریگیڈیئر خان نے آنکھوں آنکھوں میں پروفیسر رضیہ کو "خوش آمدید" کہا! "آپ لوگ اطمینان سے "فریدہ" کو دیکھیں اور میں محاذِ جنگ کی تازہ ترین صورتِ حال کو!" پھر چند گز دور درخت کے سائے میں اشارے کے منتظر ڈرائیور سے کہا! "ذرا دیکھو تو۔" اس نے فریدہ اور رضیہ کی طرف اشارہ کیا! "ہمارے معزز مہمان کچھ دیکھنا چاہتے ہیں!"

بریگیڈیئر خان اپنے دفتر میں داخل ہو کر دریچے کے سامنے آ کھڑا ہوا اور ٹیلی فون پر کسی سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔ فریدہ نے ڈرائیور سے فرمائش کی: "میں اس ٹینک کو اندر سے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"آئیے!" ڈرائیور نے دریچہ کھولا اور اندر قدم رکھتے ہی ایک ایک چیز دکھلانے لگا! "یہ ڈرائیور کی جگہ ہے، وہ کمانڈر کی۔" اس نے آبزرویشن ہیچ کھولا اور ذرا دیر بعد گن ٹرٹ کی طرف اشارہ کیا! "وہاں گنر ——!"

رضیہ خوشی اور خوف کی ملی جلی کیفیت سے بیخود ہو کر چیخی۔ "یہاں تو میرا دم گھٹتا ہے۔" پھر وہ ڈرائیور کو سوالیہ نظروں سے گھورنے لگی! "آپ لوگ یہاں پہروں بیٹھ کر کس طرح کام کرتے ہیں؟"

ڈرائیور کی نظریں پروفیسر رضیہ کی آنکھوں میں ڈوب گئیں۔ وہ متواتر کئی لمحوں تک خاموش کھڑا ان آنکھوں کی اجنبی گہرائیوں میں نہ جانے کیا ڈھونڈھنے لگا۔

پھر اس کے ہونٹ بے اختیار بھڑکے !"اگر آپ جیسی بہنوں کی عزت و آبرو کا خیال ہمارے ضمیر پہ بار بار ضربیں نہ مارتا تو واللہ ہم اس تنور میں ایک پل بھی نہ گزارتے !"

"تنور ؟" فریدہ نے تڑپ کر ڈرائیور کو دیکھا۔

نہیں، جہنم کہیے سسٹر۔ جہنم، جس میں صرف داخل ہونے کا راستہ ہے۔ واپس آنے کا نہیں !"

"کیا مطلب ؟"

فریدہ کی تلخ، تیز، چبھتی ہوئی نظروں سے بچنے کے لیئے ڈرائیور "ہیچ" کے پار خلا میں بے مقصد گھورنے لگا۔ ہفتے بھر کے ہولناک جنگ کے مشاہدے جوانمٹ نقوش کی طرح اس کے ذہن پر مرتسم ہو چکے تھے، چند لمحوں کے اندر اندر اس کے احساسات کی تپش سے پگھلتے اور لفظوں میں ڈھلتے چلے گئے "ہم اِن ٹینکوں میں سوار آگ کا سمندر چیرتے اَن دیکھی منزلوں کی طرف بڑھتے ہیں اور روئے زمین کی شیطانی قوتیں راکٹوں، گولوں اور بموں کا روپ دھارے ہمیں قدم قدم پہ روکتی ہیں۔ اُوپر آگ، نیچے آگ، دائیں آگ، بائیں آگ !"

وہ معاً خاموش ہو کر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ رضیہ اور فریدہ دیکھ رہی تھیں، اسی آگ کے احساس نے اِس کے ہونٹ خشک کر دیئے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا !"ہم خالد، طارق اور محمد بن قاسم نہیں۔ ہمارے قدم ڈگمگاتے ہیں، لیکن ساتھ ہی ہمیں ایک خیال گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑتا ہے۔ یہ خیال کہ اگر آگ کا یہی ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تمہارے گھر، ماں باپ، بیوی بچوں

Marfat.com

کے دامن سے جا ٹکرایا تو کیا ہوگا ؟ پھر ہم نئے ولولے، عزم اور اعتماد کے ساتھ ایک دوسرے سے کندھا ملائے برابر آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں، اور آگے !"

اِس نے جیب ٹٹول کر سگریٹ نکالا، اسے سلگایا اور معزز مہمانوں کی موجودگی سے بے نیاز "ہیچ" کے کناروں پر کہنیاں ٹیکے بڑے اطمینان سے کش پر کش لگاتا چلا گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ابدی تنہائی کے خیال سے خوف کھا کر اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہو ! بالآخر ہم نہیں ہمارا ٹینک اچانک لڑکھڑاتا ہے۔ ہم تیزی سے گرد و پیش پر نگاہ ڈالتے ہیں۔ دشمن کی اینٹی ٹینک کا گولا فولادی چادر کو مکھن کی طرح کاٹتا اندر آگرتا ہے اور پورے کا پورا ٹینک ہیبتناک شعلوں میں سما جاتا ہے۔ ہم جان بچانے کے لیے نیچے کودنا چاہتے ہیں لیکن پچکے ہوئے حصے آہنی شکنجہ بن جاتے ہیں اور آن کی آن میں بھڑکتے ہوئے شعلے ایک اچھے خاصے آدمی کو مٹھی بھر راکھ میں بدل دیتے ہیں۔

چند لمحوں کی خاموشی میں وہ دھوئیں کے مرغولے فضا میں چھوڑتا اور اپنی کھوکھلی نظروں سے ان کا تعاقب کرتا رہا "خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنے فرض سے سبکدوش ہو کر احساس کے عذاب سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نجات پا لیتے ہیں !"

"یہ تمہارا خیال ہے۔ میری آنکھوں سے دیکھو ! شہیدوں کی بے چین روحیں تمہارے ٹینکوں پر منڈلاتی منزلِ مقصود کا راستہ دکھا رہی ہیں اور جب تک کالی رات کا سینہ چیر کر صبح طلوع نہ ہو لے، وہ کبھی چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ !"

فریدہ کی آواز سنتے ہی ڈرائیور چونکا اور بے اختیار ہو کر اسے خراجِ عقیدت

Marfat.com

پیش کیا! "بہت خوب، بہت خوب! اللہ آپ کو اس حق گوئی کی جزائے خیر دے سسٹر" کہتے ہی وہ "ہیچ" سے نیچے کود گیا۔

فریدہ نے آگے بڑھ کر "ہیچ" میں ہار لٹکایا اور چاروں طرف نگاہ ڈالی بریگیڈیئر خان رسیور ہاتھ میں تھامے دریچے سے جھانک کر اسے بلا رہا تھا "سسٹر فریدہ! کیپٹن صادق دو باتیں کرنا چاہتا ہے"

فریدہ "سال اوّل کی بدتمیز فری" کی طرح اچھلتی کودتی بریگیڈیئر خان کے پاس جا پہنچی اور اس کے ہاتھ سے رسیور اچک کر اپنے ہونٹوں سے لگایا!

"فریدہ!"

"نام بتانے کے تکلف کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تمہاری آواز پہچانتا ہوں!"

اور اس کے ساتھ ہی فریدہ نے محسوس کیا۔ کوئی پُراسرار سی رَو رسیور کا پردہ چیرتی اس کے کان میں اُتری، پھر رگوں میں سرایت کر گئی۔ اس نے فوراً اپنی آنکھوں کے دریچے بند کر لئے۔ کہیں اس سرمدی کیف کی کوئی بھولی بھٹکی، خودسر سی لہر باہر نہ نکل جائے۔

کیپٹن صادق کہہ رہا تھا! "اگر اجازت ہو تو آج میں بھی تمہیں فری کے نام سے پکاروں!"

فریدہ کی آنکھوں پر جھکے ہوئے گھنے، خمدار پپوٹے تھرتھرائے۔ کیپٹن صادق کی آواز کی حیات آموز حرارت برف زار میں روح پھونک رہی تھی۔ برف کے تودے پگھلے اور ان کے نیچے دبی ہوئی کلیاں چٹکیں۔ فریدہ نے بیتابی سے دائیں ہاتھ میں

Marfat.com

نگاہ ڈالی اور ایک طرف رضیہ اور دوسری طرف بریگیڈیئر خان کو نکسین کی طرح سر پر مسلط دیکھ کر اسے اپنی بدقسمتی پر رونا آگیا۔

اسے بچپن کی خاموش محبت کے اعتراف کا موقع ملا بھی تو کہاں ملا! سولی پر ٹنگی ہوئی فریدہ دیکھ رہی تھی، کہ جنگ نے زندگی اور موت کے درمیانی فاصلے سمیٹ لیے ہیں۔ یہ موقعہ پھر شاید ہی ہاتھ آئے۔ وہ بے اختیار بولی "کہیئے! کہیئے — جو جی میں آئے، کہیئے!"

لیکن اس کے جواب میں اُدھر سے جو آواز آئی، اس نے فریدہ کو جھنجھوڑ ڈالا، فولاد کی طرح بے حس، برف کی طرح سرد آواز! "آپ کون ہیں؟"

"فریدہ، سسٹر فریدہ!" وہ ہکلائی۔

"لائن سے ہٹ جائیے۔ مجھے بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔!"

"میں بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز ہی سے بول رہی ہوں۔"

"تو پھر خدا کے لیے بریگیڈیئر خان کو بلائیے!"

اس آواز کی چبھن اور تپش نے صرف ریسیور ہی نہیں۔ فریدہ کے ہاتھ اور کان کے لوے سے ہونٹ تک جھلسا دیئے۔ اس نے ریسیور بریگیڈیئر خان کی طرف بڑھایا! "کوئی صاحب آپ سے بہت ضروری بات کرنا چاہتے ہیں!"

گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے بریگیڈیئر نے ریسیور منہ سے لگایا! "بریگیڈیئر خان!" اور اس کے ساتھ ہی وہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد "جی، جی!" کہتا اور نوٹ بک پر نوٹ لیتا چلا گیا، یہاں تک کہ اسے سگریٹ پینے کا بھی

Marfat.com

خیال نہ آیا اور وہ الیش ٹرے میں پڑا راکھ ہو گیا۔

بالآخر اس نے رسیور نیچے رکھا اور طویل سانس لینے کے بعد لائٹر سے سگریٹ سلگانے کے بعد فریدہ کو دیکھا! "ہم اسے جنگ کہتے ہیں سسٹر، جنگ! ٹیلی فون تو پھر بجلی کا کھیل ہے؛ ان حالات میں تو تاریخ اور جغرافیے تک کی دھجیاں بکھر جاتی ہیں!"

اس نے باہر نکل کر ہیڈ کوارٹرز پر تعینات گارڈ کے کمانڈر کو بلایا اور آم کے نیچے خاموش کھڑے ہوئے فریدہ کی طرف اشارہ کیا! "کامو فلاج کرو، فوراً!"

پھر اس نے دفتر میں آتے ہی نوٹ بک اور سگریٹ کی بچی کھچی ڈبیاں سمیٹ کر جیب میں ٹھونسیں، ٹوپی سر پر رکھتا باہر آیا اور اپنی نگرانی میں فریدہ کو کامو فلاج کرتے وقت خاص طور سے چوکھٹے کی طرف اشارہ کیا! "اس پر کوئی دھبہ نہ لگنے پائے۔"

سپاہیوں نے دیکھتے ہی دیکھتے اس جھاڑے پونچھے، صاف ستھرے ٹینک کا حلیہ ہی بگاڑ ڈالا جو دراور پہلے خاصا قبول صورت نظر آ رہا تھا۔ اب اس پر کہیں درختوں کی شاخیں لٹک رہی تھیں، کہیں سالم جھاڑیاں اور گارے کی ٹہنی ٹہنی بے ترتیب دھاریاں۔ کیپٹن صادق کو امتیازی خدمات کے صلے میں پیش کیا جانے والا لاجواب تحفہ ایک عجیب الخلقت، خوفناک دیو بن چکا تھا۔

فریدہ کی نظریں "فریدہ" پر جمی تھیں لیکن اس کے دماغ میں اس بے حس، سرد آواز کی رو میں کار فرما تھیں جس کی تپش نے اس کے ہاتھ سے ہونٹ تک جھلسا دے تھے۔ وہ کون تھا؟ اس نے بریگیڈیئر خان سے کیا کہا؟ بے زبان،

Marfat.com

مظلوم "فریدہ" کے ساتھ اِس وقت جو سلوک کیا جا رہا ہے، کہیں وہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا نتیجہ تو نہیں۔!

پھر اس نے موقع پاتے ہی بریگیڈیئر خان سے ڈرتے ڈرتے سوال کیا!

"آپ کو ٹیلی فون پہ بلانے والے صاحب کون تھے ؟"

"ڈویژنل کمانڈر !"

"کیا کہہ رہے تھے ؟"

بریگیڈیئر خان جلتے ہوئے سگریٹ کے ٹکڑے سے تازہ سگریٹ سلگاتے سلگاتے رُک گیا، فریدہ کو دیکھا، متواتر چند لمحوں تک دیکھتا رہا۔ پھر بولا! "سیتج گڑھ کی ناکامی کے بعد دشمن نے ایک اور ـــــ آخری وار کیا ہے۔"

"کہاں ؟"

"اب کی وہ شاید سیالکوٹ کو اس کے حال پر چھوڑ کر ڈسکے کو پامال کرتا جی ٹی روڈ پہ قبضہ کرنا چاہتا ہے !" کہتے ہی بریگیڈیئر خان "فریدہ" کی طرف سرکا۔ ڈرائیور نے دریچہ کھولا اور وہ اس میں سوار ہوتے رک گیا۔ اس نے سب سے پہلے ہیچ میں لٹکتے ہوئے ہار پہ نگاہ ڈالی پھر فریدہ پر اسے الوداع کہنے کے لیے وہ ٹینک سے آچکی تھی۔

بریگیڈیئر خان نے سوار ہونے کے بعد جھک کر اسے دیکھا اور سرگوشی کے سے انداز میں بولا :۔ میں نے تمہیں یہ رام کہانی اِس لیے نہیں سنائی کہ تم تاجدار کے کمانڈر کی کچھ لگتی ہو۔ تم نرس ہو کمبائنڈ ملٹری ہسپتال کی نرس!

فوراً اپنی ڈیوٹی پر پہنچو اور دوسری نرس بہنوں کے ساتھ اپنے زخمی بھائیوں
کے تازہ دم قافلوں کو خوش آمدید کہو!"

Marfat.com

اکیسواں باب

کیپٹن، خُدا حافظ

ایک عرصے کے بعد "فریدہ" کی مانوس مہک پاتے ہی سیالکوٹ کے ذرے بگولوں کے آنچل لہراتے استقبال کو اُٹھے اور وہ انہیں پیچھے چھوڑتا بڑھتا چلا گیا۔

اسی طرف کو جانے والے برق رفتار قافلوں کے جیالے مُسافر سر اُٹھا اُٹھا کر دیکھتے اور ایک دوسرے سے پوچھتے رہ جاتے! کون جا رہا ہے؟ پھر ذرا دیر بعد رواں دواں صفوں کے کسی گوشے سے آواز بلند ہوتی! "تاجدار" کا کمانڈر، "فریدہ" کا شہسوار!

"حوالدار ہر دیال کہو ماڑا!" فرنٹیئر فورس رائفل کے سپاہی نے پوری پلاٹون کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔ اس نے ڈرامائی انداز میں جیب سے نسوار کی ڈبیا نکالی جس کے گول ڈھکنے پہ آئینہ لگا تھا اور اِس میں چہرہ دیکھ کر مونچھیں ہموار کرنے لگا! "ہمارے صوبیدار کا گرائیں اے کنا" پھر اس نے بڑی اٹکل

Marfat.com

سے ڈھکنا کھولا اور حسرت بھری آواز میں بولا! "یارا — بڑا زبردست تیغ بند ہے اس کے پاس!"

"تیغ بند؟"

نوجوان رانگڑ لانس نائیک کو سرتا پا سوالیہ نشان بنے دیکھ کر سپاہی کی حیرت انتہا کو پہنچ گئی۔ اس نے نسوار کی چٹکی سلیقے سے ہونٹ میں رکھی اور لانس نائیک کو دیکھ کر جوش اور جذبے سے اپنا سر ہلانے لگا! "ارے، تیغ بند پر نہیں سمجھتا؟" اِس نے ڈبیا بند کر کے جیب میں ڈالی اور بڑے افسوس کے ساتھ کہا! "خوچہ تم کیسا مسلمان اے۔ یہ تیغ بند اے کنا، وہ دشمن کے ریٹ فیر میں بے غم جاتا اے اور کمپنی کمانڈر کو گردن سے پکڑتا اے! خوچہ ہالٹ! ام نے تمارا سارا کمپنی قید کیا۔ بس، کمپنی قید اے کنا!"

اِس سے صرف دو گز دُور بھوپال کے ایک خاصے معقول نائیک نے بھرپور قہقہہ لگایا! "نسوار کے نشے میں بے پر کی اُڑاتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ اس نے اپنے جوانوں کے ساتھ رات کے وقت پیراشوٹ سے اتر کر بھارتی کمپنی پر سرپرائز اٹیک کیا تھا۔"

"تم زور اور اے کنا۔ خوچہ وہ پیراشوٹ سے اُتر کہ آسمان سے، یہ تیغ بند کا براکٹ اے استاذ! رَپل کا گولی اے کہ توپ کا گولا، اس پر پُول لگتا اے اور وہ پروا بھی نہیں کرتا، کنا!"

دو روز کے اندر اندر حوالدار ہردیال سے منسوب ہو جانے والے ایسے ہزاروں افسانوں کی حقیقت یا تو جیر کو معلوم تھی یا سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم کو

Marfat.com

اسلم، جو اس کے تیغ بند کو اچھی طرح دیکھ چکا تھا، وہی تیغ بند جو سی ایم ایچ میں پڑا دن رات اس کی راہ تک رہا تھا!

اسلم کی نظریں نادانستہ ہیچ سے لٹکتے ہوئے ہار میں جا الجھیں۔ پہر بھر کی دھوپ اور تپش نے پھولوں کے رنگ اڑا دیئے تھے۔ صرف باسی بھینی مہک کی کمزور لہریں باقی رہ گئی تھیں اور وہ بھی منزل کی طرف بڑھنے والے برق رفتار، زور دار جھکولے کھاتے ہوئے ٹینک کی بے حس، فولادی دیواروں سے ناکام سر ٹکرانے کے بعد کسی سخت جان قریب المرگ کی طرح آہستہ آہستہ دم توڑتی چلی جا رہی تھیں۔

سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم نے سسٹر فریدہ کا دل رکھنے کے لیئے اس ہار کو اپنے کمانڈر سے منسوب کیا تھا، حالانکہ کرنل عباسی اسے سمجھا چکا تھا کیپٹن صادق زندگی اور موت کی درمیانی وادیوں میں جا پہنچا۔ سپاہی کی حیثیت سے اسلم ان وادیوں کی وسعتیں اور خم و پیچ خوب جانتا پہچانتا تھا۔ اگر قسمت ساتھ دے تو، شاید وہ دشمن کی قید سے نکلتا دو چار ہی دن میں واپس آجائے۔ ورنہ جب تک جنگ کا فیصلہ نہ ہو، انتہائی بدترین قسم کی قید — غیر متعینہ قید اس کا مقدر بن چکی تھی۔ پھر یہ بھی کون جانتا ہے کہ وہ زندہ تھا یا —

محاذ پر پہنچتے ہی اس نے جو سب سے پہلی خوشخبری سنی وہ حوالدار ہرنام سنگھ اور سپاہی سری رام کی صحیح سلامت واپسی کی خوشخبری تھی اور وہ اس تیز و تند ہوا میں اڑتا اپنے بریگیڈ کے ان سینئر افسروں تک جا پہنچا جنہوں نے سیالکوٹ سیکٹر کے ہیرو کو "چائے" دی تھی۔ انہی افسروں نے اسے بتایا! کیپٹن صادق نے "تاجدار" کی کمان سنبھال لی اور ڈسکہ پسرور روڈ کے نئے فرنٹ پر جانے والا ہے!

Marfat.com

مقدور بھر کوشش کے باوجود سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم "تاجدار" میں شامل نہ ہو سکا، نفری پوری ہو چکی تھی۔ لیکن اسے دوسری یونٹ میں ڈسکہ لیسپرور کے محاذ پر جانے کی اجازت مل گئی۔ اب اس کی آخری تمنا یہ تھی کہ منزل پر پہنچنے سے پہلے کمانڈر سے ملاقات ہو جائے۔

وہ ہیچ سے سر نکالے راستے میں ملنے والی ایک ایک ڈی ٹیچ منٹ، کمپنی اور بٹالین کے افسروں کو گھور گھور کر دیکھتا چلا جا رہا تھا کہ عقب سے ایک ٹینک گرد و غبار کے پردوں میں لپٹا اس کے پہلو سے سرکتا، بل کھاتا نکل گیا۔

اِس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا اور گوناگوں سوچوں میں ڈوبے ہوئے کمانڈر کو پہچانتے ہی پکارا! "کیپٹن، ہیلو کیپٹن، سسٹر فریدہ سلام کہتی تھیں!"

کیپٹن صادق اسے دیکھ کر مُسکرایا اور بے اختیار اپنا ہاتھ لہرایا لیکن نوجوان سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم کی آواز کے پیچھے جوش اور جذبے کے بھرپور دھارے نے اسے کچھ کہنے کا موقع نہ دیا۔ وہ اپنے ہاتھ میں ہار اُچھال اُچھال کر کہہ رہا تھا!

"سنئے تو — اپنے حصّے کا ہار تو لیتے جائیے!"

جیپ نے ٹرک سے جھانک کر دیکھا اور جھٹ سے کہکشاں جتنا زنگار رنگ سہرا اچھالا! "ہمیں تازہ پھول پہنچ گئے سر، اس باسی ہار کو اپنے پاس رکھیئے۔!"

اور اس کے ساتھ ہی فریدہ گرد و غبار کے پردوں میں چھپ گیا۔ حیران و پریشان اسلم نے بار بار اپنی آنکھیں جھپکائیں۔ یہ خواب تھا کہ خیال؟ کمانڈر کو کونسی چیز جھلا دانبائے اُڑائے لیئے جا رہی ہے! تازہ پھولوں کے سہرے کی پرکیف مہک یا ستلج گڑھ کے میدان کی محرومی کا احساس!

نہیں، ان میں سے کچھ بھی نہیں۔ یہ اسلم کے ذاتی خیال تھے اور کیپٹن صادق کے خیال سے بالکل مختلف۔ وہ تو صرف یہ سوچتا چلا جا رہا تھا کہ سومنات سے امنڈنے والا سیلاب ستیج گڑھ تک آتے آتے اپنا زور مار چکا اور پیچھے حدِ نگاہ تک ایسا کوئی زوردار ریلا دکھائی نہیں دیتا جو اسے آگے بڑھائے۔ اب جس چیز کو ——— ڈسکہ پسرور روڈ پر "فخرِ ہند" کے نئے ہولناک حملے سے موسوم کیا کیا جا رہا تھا، وہ طوفان کے مارے پٹے بحرِ ہند کی ایک خفیف سی تھرتھراہٹ تھی آریاورت کی آخری ہچکی۔!

"تاجدار" کا کمانڈر اصل میں آریاورت کا "کریا کرم" دیکھنے جا رہا تھا ——— ایک ایسا تاریخی جشن جس میں شرکت کی سعادت سے سکندر کے کشور کشا بھی چلے گئے!



"فریدہ" نے نئے محاذ کی عرش نشین سرزمین کو چوما ہی تھا کہ گھات میں بیٹھے ہوئے دشمن کے "رپیڈ فائر" کی زد میں آگیا۔ کمانڈر نے چاروں طرف نگاہ ڈالی چپے چپے سے بھاری مارٹر کے بھڑکتے ہوئے شیل سنسناتے چلے آرہے تھے اس نے "تاجدار" کے ٹینکوں کو پھیل جانے اور اپنی اپنی پسند کے آشیانوں سے دُشمن کو مناسب جواب دینے کا اشارہ دیا۔

اسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ وہ جس چیز کو آریاورت کی آخری ہچکی سمجھا تھا،

Marfat.com

وہ شیو کے سر پر سوار سانپ کی پھنکار بن گئی، کمبخت نے صدیوں سے جو زہر جمع کر رکھا تھا، سارے کا سارا اپنی آخری پھنکار میں گھول دیا۔ یہ آتش افروز، زہر میں رچی ہوئی پھنکار سیالکوٹ کے جس جس پہلو کو چھوتی گزری، زندگی کا ہر عنوان بھسم کرتی چلی گئی۔

اس کی خاص وجہ یہ تھی۔ شری ساستری، چاون اور نندہ لال قلعے کی شہ نشین سے پینتالیس کروڑ بھوکے بھارتیوں کو پاکستان کا راستہ دکھا رہے تھے! اپنی سینا کی انگلی پکڑے سیدھے سیالکوٹ پہنچ جاؤ، وہاں پیٹ بھر کر کھانا کھاؤ اور شانت ہو کر واپس چلے آؤ!

اِن پینتالیس کروڑ نہتے دلوں کو شانت کرنے کے لیئے بے مثال فیاضی اور ایثار کی ضرورت تھی۔ صدیوں کی غلامی سے آزاد ہونے والا بھارت اٹھارہ برس کی بھرپور تیاری کے بعد عین عنفوانِ شباب میں تقسیم پر خطِ تنسیخ کھینچ رہا تھا۔ سات ہزار سال سے بحرِ ہند میں پلنے والے تیندوے کے "پراسرار" لمبے ہاتھ سیالکوٹ کو مختلف زاویوں سے گرفت میں لے چکے تھے اور اب اسے ہڑپ کرنے کے لیئے ڈسکہ لیسرور روڈ پر آخری اور فیصلہ کن معرکہ کارزار شروع ہو چکا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے موت نے محفل گرمائی۔ دلدوز چیخوں کے ساز پر ہچکیوں کے ترانے چھڑے، خون سے چھلکتے ہوئے جام وجد میں آئے اور متوالوں کے سر اور بازو، دل اور جگر پسلیوں کے پنجرے توڑ کر چار سو رقص کرنے لگے، پھر جیسے جیسے "شبِ پیکار" بھیگتی چلی گئی، "بزم رزم" کے سرکش سرور جوان

Marfat.com

ہوتے چلے گئے!

"فریدہ" نے اچانک ٹھہر کر کمانڈر کی یکسوئی میں خلل ڈال دیا۔ اس نے عملے پر سوالیہ نگاہ ڈالی اور وائرلیس آپریٹر نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی!"

دشمن کا ایک بھولا بھٹکا شیل سر پر اس کی چوٹ نے وائرلیس سیٹ کو ناراض کر دیا۔!"

"اسے فوراً مناؤ!"

آپریٹر خاموش رہا، اس کے تیور بتا رہے تھے کہ جس وائرلیس سیٹ پر "تاجدار" کی کامیابی موقوف ہے، عین وقت پر دغا دے گیا۔

دائیں بازو پر دشمن کا دباؤ بڑھتا چلا گیا اور دائیں بازو کے ٹینکوں کو ادھر توجہ دلانے کی ضرورت پیش آئی۔ لیکن وائرلیس سیٹ کے بیکار ہو جانے سے صرف ایک ہی راستہ کھلا تھا۔ فریدہ کے عملے کا کوئی جانباز سپاہی کمانڈر کا پیغام لے جائے۔ اس موسلا دھار فائر میں چار یا پانچ فرلانگ کا فاصلہ طے کرنا دلِ گردے کا کام تو خیر تھا ہی۔ اسے کامیابی سے کر گزرنے کے لیے شیر کا دل، چیتے کا تجسّس اور عقابی آنکھیں درکار تھیں۔

یہ کام جیر بڑی خوش اسلوبی سے کر سکتا تھا لیکن ایسے نازک موقعے پر اسے گن سے ہٹانا — نہیں! کمانڈر نے خود جانے کا فیصلہ کیا اور وہ ٹینک سے اُترنے ہی والا تھا کہ دائیں بازو سے ایک سنٹورین کو "فریدہ" کی طرف سرکتے دیکھ کر رک گیا اور تیزی سے جیر کی طرف مڑا! "جیر!" وہ خوشی سے چلایا! "سانڈ جتنا موٹا تازہ سنٹورین!"

Marfat.com

جیر نے ایک خاص ادا سے سر ہلایا! "دیکھ رہا ہوں!"

"خاک دیکھ رہے ہو۔ وہ اس وقت رینج میں ہے!"

"ذرا آگے آنے دیجئے۔" جیر کی انگلیاں اپنے دیب میں اڑسے ہوئے گرینیڈوں سے کھیلنے لگیں۔

"فائیر کرو ظالم، فائیر!"

جیر بیساختہ مسکرایا! "شیل فنش، بڑی دیر سے۔"

"بہت تیرے سری رام کی۔ اب کے تو کورٹ مارشل میں گولی سے اُڑا دیا جائے گا۔ جا بھاگ!" کیپٹن صادق نے بائیں بازو کے ٹینکوں کی طرف اشارہ کیا! "انہیں سنٹر کی طرف ہانک اور واپسی پر ایک ایک کمانڈر سے کہنا کہ ہمارا وائرلیس جواب دے گیا۔ اب اشاروں ہی سے کام چلے گا۔"

"پہلے اس سے نہ نمٹ لوں؟" جیر نے سنٹورین کو دیکھا جواب اور قریب آگیا تھا۔

"تو اپنا کام کر، اسے مجھ پر چھوڑ۔"

گنر اور کمانڈر ایک ساتھ نیچے کود ے۔ جیر گرتا پڑتا، رینگتا اور گھسٹتا، اُچھلتا اور کودتا دائیں ہاتھ کو بھاگا اور کمانڈر فریدہ کی آڑ میں پڑا سنٹورین کے رُخ و رفتار کو دیکھتا رہا۔

وہ ٹینک سے کود ے ہی تھے کہ ایک ساتھ کئی مشین گنیں دھاڑیں، گولیاں تھیں کہ کمانڈر اور گنر کے دائیں بائیں سنسنانے لگیں، اِن میں سے کچھ "فریدہ" کی فولادی چادر سے بھی ٹکرائیں اور چیختی چلاتی اِدھر اُدھر مرمٹ کر گئیں۔

Marfat.com

کیپٹن صادق جھاڑیوں کی آڑ لیتا سنٹورین کے قریب جا پہنچا اور موقع پاتے ہی ایک گرینیڈ اس کے ٹریک میں لڑھکا دیا۔ پھر جیسے ہی ٹریک کی دھجیاں بکھریں سنٹورین نے ایک دم اس طرح چکر کاٹا کہ دوسرا ٹریک بھی اس جھاڑی کے عین سامنے آگیا جس کی آڑ میں کیپٹن صادق دوسرا وار کرنے کے لیئے تیار بیٹھا تھا۔

سنٹورین کے ٹریک اُڑتے ہی اس کا بدحواس عملہ نیچے کودا اور اپنی صفوں کو بھاگا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ بھاگتے ہوئے بھارتی لیفٹیننٹ کے پہونچے پر کیپٹن صادق کا ہاتھ جا پڑا۔ پھر جیسے ہی اس نے اپنا بازو کھینچا، گرانڈیل جاٹ لیفٹیننٹ چٹان کی طرح چاروں شانے چت گرا، کیپٹن صادق نے شیر کی طرح اچھل کر اس کا گلا جا دبوچا اور اس وقت چھوڑا جب وہ ٹھنڈا ہو گیا۔

پھر وہ ایک لمحہ ضائع کیئے بغیر سنٹورین کی طرف لپکا، اس اُمید پہ کہ شاید وہاں سے کچھ شیل ہاتھ لگ جائیں لیکن ساتھ ہی اسے خیال آیا، سنٹورین کی گن کے شیل پیٹن کی گن میں کام نہیں دیتے۔

"فریدہ" کو لوٹتے وقت اس کی نظریں بائیں بازو پہ لگی تھیں۔ کمانڈر کا پیغام سنتے ہی دُور دُور تک بکھرے ہوئے ٹینک قلب اور دائیں بازو کو سرک رہے تھے اور جیرا اپنے بازوؤں میں شیل سمیٹتا، ایک ایک انچ زمین پہ ہزار ہزار پاپڑ بیلتا فریدہ کی طرف رینگتا چلا آ رہا تھا۔

اب کے جیرا اکیلا نہیں تھا۔ ڈسکہ سپرور روڈ کو دشمن سے پاک کرنے کے لیئے محافظوں کے قافلے بھی تینوں طرف سے اُڑتے چلے آ رہے تھے۔

کمانڈر کو قریب پاکر ڈرائیور نے دریچہ کھولا اور کیپٹن نے سوار ہوتے ہی

Marfat.com

اسے جیر کی طرف رُخ موڑنے کا اشارہ کیا۔ گنر کو کور کرنا بہت ضروری تھا۔ دشمن کی بیسیوں مشین گنیں اکیلے جیر کو نشانہ بنا رہی تھیں۔

پھر "فریدہ" ابھی مرمٹے نے بھی نہ پایا تھا کہ اسے زد سے نکلتے دیکھ کر گھات میں کھڑے ہوئے دو شرمنوں نے گولے برسائے۔ ایک گولا ٹریک میں گرا اور فریدہ کا رُخ دوسری طرف مڑ گیا۔ دوسرے ٹینک کے شیل سے دوسرا ٹریک بھی اُڑ گیا۔

کمانڈر کی حسرت بھری نظریں "فریدہ" کے ٹریکوں سے اچھلتی جیر پر جم گئیں دشمن مشین گنوں نے اس کے سامنے گولیوں کی دیواریں کھڑی کر دی تھیں۔ جب یہ گولیاں اس کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے گرتیں تو ان کے جواب میں ڈسکہ لیپرورروڈ کا ایک ایک بھرا ہوا ذرّہ بگولہ بن کر اُٹھتا اور جیر کو ڈھانپ لیتا ـــــ یہی ہر سپاہی کی تمنا تھی ـــــ وطن کی خاطر وطن کی خاک میں گھُل مل جانا!

کمانڈر زور سے پکارا! "جیر ـــــ ذرا بچ کے!"

اور ادھر سے برملا جواب آیا! "کیپٹن، اپنا خیال رکھیئے۔ خدا کے لیئے!"

لیکن یہ وقت تھا جب خیال، خواہشیں اور گنی چنی حسرتیں بھی ایک ایک کر کے روٹھی چلی جا رہی تھیں۔ ایک گولا "فریدہ" کے دل پر گرا اور کیپٹن صادق کو یوں لگا جیسے اس کے دست و پا کسی آتشیں اژدہا نے جکڑ رکھے ہوں۔ اس نے بے بس ہو کر اپنے اردگرد نگاہ ڈالی، ٹینک کے چکے، جھلسے ہوئے بے حس، بے ڈول فولادی ٹکڑوں اور چاروں طرف سے پھنکارتے ہوئے شعلوں نے اسے ایڑی سے کمر تک گھیر لیا تھا۔

Marfat.com

پھر تیل کی ٹنکی بھک سے اڑی اور کیپٹن صادق نے ایک سیال سا شعلہ کالے سانپ کی دو شاخی زبان کی طرح لہراتا اور اپنے چہرے سے لپٹتا محسوس کیا اور اس کے ساتھ ہی چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیرے چھا گئے۔ ایسے اندھیرے جنہیں دیکھتے دیکھتے اِس کا ذہن سُن ہوتا چلا گیا اور وہ بے اختیار پکارا! "جیر ــــ تم کہاں ہو جیر!"

کمانڈر کی آواز سنتے ہی جیر نے دشمن مشین گنوں سے منہ موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ شعلوں سے اپنا منہ سر چھپانے کے لیے بیقراری سے اپنے ہاتھ ہلا رہا تھا۔ جیر اپنے آپ کو بھول گیا اور رشیل نیچے پھینکتا گولیوں کی بوچھاڑ میں کمانڈر کی طرف لپکا۔ زمین سے اُچھلا، اِس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اُوپر کھینچا اور اس کے بعد پورے "تاجدار" نے گنر اور کمانڈر کو ایک ساتھ کندھے سے کندھا ملائے نیچے گرتے دیکھا۔

ذرا دیر بعد جیر کی ڈوبتی ہوئی آواز سنائی دی! "کیپٹن، خُدا حافظ، اب سانس کا رشتہ ٹوٹتا ہے"

جیر کے سانس کا رشتہ کچھ دیر بعد میں ٹوٹا، کیپٹن صادق کے حواس بہت پہلے اسے چھوڑ چکے تھے۔

کیپٹن صادق گرا ہی تھا کہ "تاجدار" کا ایک ایک افسر اور جوان اپنی اپنی جگہ کمانڈر بن کر اُبھرا، ان کے عمل و خیال کی وحدت عروج پر تھی۔ محسوس ہوتا تھا کہ ہمالیہ کی برف پوش چوٹیاں ٹوٹ کر ڈھلانوں سے اُترتی چلی آ رہی ہیں۔ انہیں اللہ کے سوا کون روک سکتا تھا۔ ایک ایک ٹینک شہزور راہوار کی طرح منہ زور

Marfat.com

نتھنوں سے ہیبت اور آنکھوں سے موت برساتا میدانِ جنگ کے آخری کناروں تک بے روک ٹوک بڑھتا چلا گیا۔

جب ان کے شیل ختم ہو جاتے ایک خاص شان سے سینہ تانے شکتیمانوں سے بھڑ جاتے۔ ڈسکہ لیپرور روڈ کی ان چٹانوں کو بھارتی سپاہ کے راستے سے ہٹانا دیوانے کا خواب نہیں تو اور کیا تھا۔!

اور اب تو وطن کی مشکلیں آسان کرنے والے کئی مشکلکشا قافلے اِن چٹانوں کے دامن تک آ پہنچے تھے۔ سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم ان کے ساتھ تھا۔ وہ "تاجدار" کے ٹینک پہچانتے ہی کمانڈر کی تلاش میں نکلا۔ پھر اسے فریدہ کے سائے میں جیر کی لاش نظر آئی اور گنر کے ساتھ کمانڈر کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔!

ایک عرصے کے بچھڑے ہوئے ہمدرد، مخلص، بے خوف ساتھی کی حالت زار پر افسوس کرنے سے بہت پہلے اسے جیر کی قسمت پر رشک آیا۔ جو شخص زندگی بھر کیپٹن صادق کے واسطے سے پہچانا گیا، آج جنگ کے میدان میں خاموش، بے حس پڑا ہوا کمانڈر اسی شخص کے واسطے سے پہچانا جا رہا تھا — جلتے ہوئے پٹرول کی بوچھاڑ نے اس کا چہرہ مسخ کر دیا تھا "فریدہ" کے پچکے، جھلسے ہوئے بے ترتیب کالے ٹکڑوں اور "فریدہ" کے نامور شہسوار کے چہرے میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا۔

اسلم نے والہانہ جھکتے ہی اس کے دل پر ہاتھ رکھا۔ دھڑکن بڑی ہموار تھی۔ اس نے چاروں طرف نگاہ ڈالی اور قریب سے سرکتی ہوئی ایمبولنس کو روکا کمانڈر کی لاش سٹریچر پر ڈالی، ڈرائیور کو دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا!

Marfat.com

اگر کیپٹن صادق کو اس حال میں سسٹر فریدہ کے پاس بھیجوں تو مجھے شاید عمر بھر کوستی رہے، کیا خبر، گنزی کی طرح کمانڈر کے سانس کا رشتہ بھی راستے ہی میں ٹوٹ جائے۔

چند لمحوں کی پرآشوب کشمکش کے بعد اس نے پاکستان کے فخرِ روزگار سپاہی کو دوسرے کئی گمنام زخمیوں کی طرح براہِ راست ہسپتال بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اگر سسٹر فریدہ کی دعائیں پُراثر ثابت ہوئیں تو وہ اس تک زندہ پہنچ ہی جائے گا۔

اس نے ڈرائیور سے کہا! "جتنی جلدی ہو سکے سی ایم ایچ پہنچ جاؤ!"

پھر اس کی نظریں ایمبولنس کا تعاقب کرتی افیسرز وارڈ میں دھنس گئیں۔

سسٹر فریدہ رحمت کا فرشتہ بنی ایک ایک زخمی کے دائیں بائیں سرسرا رہی تھی۔

اسلم نے سگریٹ سلگایا اور اس کا دھواں چھوڑتے وقت محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اپنے آپ سے کہہ رہا ہو! سسٹر فریدہ، وطن کے افق سے تمہارے مقدر کا ٹوٹا ہوا تارا تمہارے پاس آتا ہے۔ دیکھیں، تم اسے کب اور کیسے پہچانتی ہو۔

بائیسواں باب

تہ بال و پر ماست!

لاہور کے نامراد شری شیونت راؤ چاون نے ڈسکہ سپرور روڈ پر فیصلہ کُن وار کی کامیابی کے لیئے رانا سانگا کی جنم بھومی، راجستھان سے اپنے ترکش کا آخری تیر چھوڑا۔ شہرۂ آفاق بمبئی گرینیڈیئرز کی قیادت میں ۱۷ مدراس، ۴۷ مرہٹہ اور راجپوتانہ رائفلز نے حیدر آباد کے بچھواڑے گوارڈ سے سر اُٹھایا۔

چاون کو یقین تھا، اگر مسلمانوں نے سندھ کو بچانے کے لیئے سیالکوٹ کے محاذ سے چند اینٹیں بھی کھسکائیں تو یہ رخنے دوبارہ کبھی پر نہ ہو پائیں گے۔ اور اگر بے وسیلہ توحید پرستوں نے یہ خطرہ مول نہ لیا تو پھر واہر کا سندھ، آریا تہذیب کا ابتدائی گہوارہ پکے ہوئے پھل کی طرح آریہ ورت کی جھولی میں آگرے گا۔

اور جنرل چوہدری نے بھی ایک بار پھر اس بات کا تو بڑا صحیح اندازہ لگایا تھا کہ مسلمان سیالکوٹ کی دفاعی دیوار سے ایک آدھ اینٹ بھی کھسکا کر کسی دوسرے شگاف کو بند کرنے کے قابل نہ رہے تھے۔ لیکن اللہ کے سپاہیوں کے حربی

امکانات کا جائزہ لینا اِس کے بس، کسی کے بس کی بات نہ تھی۔

وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے اسلام آباد سے حُر دل کے دل گرمائے!

"وطن کی عزت کے محافظو! ایسے موقعے قسمت ہی سے ہاتھ آتے ہیں، اُٹھو اور سندھ کے ذرّے ذرّے کو سُرخرو کر دو!"

حضرت لال شہباز قلندرؒ کے سندھ کو خواجہ ہجویریؒ کے پنجاب سے توڑ لینے کی خوشی کے نشے میں دُھت دُشمن نے اِن مردانِ حُر کو للکارا، جن کی پیشانی کا ایک خفیف سا بل، برطانوی سلطنت کے عروج میں ابھی برصغیر کے اُفق پہ طوفان کی طرح چھا گیا تھا۔ آج وہی حُر وطن کے محافظ کی حیثیت سے بپھرے ہوئے شیر کی طرح جھپٹے اور پلک جھپک میں مناباؤ ریلوے سٹیشن سے میلوں آگے تک دُشمن کی صفیں صاف ہو گئیں۔

لاہور اور سیالکوٹ کی طرح راجپوتانے کے ریگستان نے بھی ایک ایک ذرّے کے سینے سے عزم اور ایثار کے ہزاروں عجائبات پھوٹتے دیکھے۔ اِس محاذ کی سب سے بڑی جنگ ڈالی کے اونچے نیچے ریتلے ٹیلوں میں لڑی گئی جہاں پنجاب رجمنٹ نے رینجرز اور حُر مجاہدوں کی مدد سے ۱۷ مدراس اور ۱۴ مرہٹہ بٹالین کو اس طرح اُکھاڑا کہ پھر کہیں جم ہی نہ سکے حالانکہ ان کی مدد کے لیئے کئی شکتیمان پہنچ گئے تھے۔

اِسی ایک معرکے میں سات دشمن افسروں، سترہ جونیئر کمیشنڈ افسروں اور ڈیڑھ سو سے اوپر سورماؤں نے ہتھیار ڈال کر جان بچائی اور بقیہ سپاہ بے شمار اسلحہ، گولا بارود اور تین ہٹے کٹے صحیح سلامت شرمن پیچھے چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

Marfat.com

جب دو متحارب لشکر میدان میں اُترتے ہیں تو ایک کی فتح اور دوسرے کی شکست ابتدائے آفرینش ہی سے دنیا کا دستور چلا آرہا تھا۔ لیکن شکاری بندوقوں سے مسلح، غیر منظم، غیر تربیت یافتہ مجاہدوں کے سامنے شرمناک اور شکستیمالوں سے محفوظ، آتشبار، خودکار، امریکی اسلحہ سے لیس بمبئی گرینیڈیرز کا فرار — نہیں حضور! اسے شکست نہیں کہتے، حربی اصطلاحوں کی تشریح کرنے والوں کو اس کے لیئے کوئی نیا لفظ وضع کرنا پڑے گا۔

سچ پوچھئے تو ہفتے بھر کے اندر اندر ہزاروں سالہ بوڑھا "ہندومت" ایشیا کی نئی تاریخ کے دروازے پہ ننگا کھڑا ناچ رہا تھا۔ منا باؤ پہ لہرانے والے چاند تارے کا پرسکون سایہ محسوس کرتے ہی دُور دُور سے بھوکے بھارتی لہر در لہر سرحد کی طرف کھنچے چلے آئے۔ حُر جانباز انہیں ڈرا دھمکا کر دُور بھگاتے اور وہ ان کی ٹھوکروں میں بچھ بچھ جاتے۔

پورے سترہ سال کے بعد گیہوں کی روح میں اُتر جانے والی مہک ان کی گردن کا بوجھل طوق بن گئی۔ پیٹ بھر کر کھانا کھا لینے کے بعد اطمینان سے پران تیاگ دینا ان کے لیئے روزن کا درجہ رکھتا تھا۔

پاکستان کی تشکیل کے بعد ہی سے پینتالیس کروڑ پرست ناقہ کشی کی سترہ سالہ طویل، تاریک رات میں "اکھنڈ بھارت" کے سہانے سپنے سے دِل بہلاتے چلے آرہے تھے۔ اِس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لیئے انہوں نے اپنے بلکتے ہوئے بچوں کا پیٹ کاٹ کاٹ کر شرمنوں اور شکستیمالوں کے سینکڑوں قلعے تعمیر کیے۔ جب آزادی کی سالانہ تقریبوں پر بگلوں اور مسٹیروں کے پرے پنڈت نہرو

Marfat.com

کی سلامی کے لیے لال قلعے پر غوطہ مارتے تو بیسویں صدی کا "رائے پتھورا" ان کی طرف اشارہ کر کے اونچی ناک والی جاتی کو یقین دلاتا "اشوک کی عظمت کا نشان۔ تمہاری بھوک کا واحد علاج!"

وقت قدم قدم پہ اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ التمش کی دلی ایک مرتبہ پھر کنیٹن سے کاسابلانکا تک پھیلے دونوں براعظموں، ایشیا اور افریقہ کا مرکز بن گئی۔ مصر کے جمال عبدالناصر، یوگوسلاویہ کے مارشل ٹیٹو، روس کے خروشیف اور امریکہ کے صدر کینیڈی جیسے مقتدر سیاستدان اور سربراہ اس کا بار بار طواف کرتے۔ یہاں رادھا کی بہنیں ان کے ماتھے پہ وادیٔ کشمیر کے زعفران کا تلک لگاتیں اور وہ ان کے جھرمٹ میں بیٹھے امن کی قاختائیں اڑاتے!

یہ اس زمانے کی بات ہے جب جموں جیسلمیر تک پاکستان کی طویل سرحد کا امن پنڈت جی کی ترنگ پہ موقوف تھا — وہی سرحد جس پہ صرف سترہ سال پہلے برہمن سامراج کی وحشت و بربریت کا ایسا طوفان ٹوٹا جسے دیکھ کر ٹائیٹس، نہرو، اتلا، چنگیز خان اور ہٹلر جیسے ظالموں کی روحیں بھی لرز اٹھیں!

بحیرہ عرب اور خلیج بنگال کے درمیان سینکڑوں کوسوں تک بحر ہند کی خونیں لہریں متلاطم تھیں اور راولپنڈی ڈھاکے کے ڈیڑھ ہزار میل لمبے راستے میں پانی پت، تھانیسر، تراوڑی، گنگا جمنا کے دوآبے، جونپور اور پلاسی کے بیسیوں میدان، آگ اور خون کے ان دریاؤں کی یادیں تازہ کر رہے تھے جنہیں ہمارے آباؤ اجداد نے بار بار کامرانی کے ساتھ عبور کیا تھا۔

Marfat.com

انگریز نے اپنی جس رائل انڈین نیوی، رائل انڈین آرمی اور رائل انڈین ایئر فورس کے بل بوتے پر ڈیڑھ سو سال تک برّصغیر پر حکومت کی تھی، قیصرۂ ہند کا پٹرلیپ تا لارڈ مونٹ بیٹن یہ ساری قوّت بجسنہٖ اپنے دوست پنڈت نہرو کے حوالے کر گیا ـــ فوج اور اسلحہ ساز فیکٹریاں ـــ انہیں اپنے شرمنوں اور شکتیمانوں پر ناز تھا، ہمیں اپنی شاندار روایات پر!

وہی روایات جن کی رنگین ریشمی ڈوری ہم اپنے سترہ سالہ طویل سفر میں بڑی مضبوطی سے تھامے، طوفانوں کے منہ پر طمانچے مارتے، موت سے ہنستے کھیلتے، مستقبل کا کھوج لگاتے بالآخر ایک ایسی منزل کے قریب آ پہنچے جہاں زمانے کے تیور قدرے سازگار سے لگتے تھے۔

بھارت کو ہمارا سکون راس نہ آیا۔ ہم اپنے پاؤں سے سفر کا طویل گرد و غبار بیٹھے صاف ہی کر رہے تھے کہ اس نے گھات میں بیٹھے ہوئے راہزن کی طرح شبخون مارا۔ اس کی نظریں تھکے ماندے قافلے کے اس ساز و سامان پر لگی تھیں جو درہ خیبر سے خلیج بنگال تک بے ڈھنگا بکھرا پڑا تھا۔ وہ ان فاصلوں کا بالکل ٹھیک حساب لگا چکا تھا جو ہمارے ہاتھ اور ہتھیاروں کے درمیان حائل تھے، لیکن بدبخت، دشمن کے کان حکیم اُمّت کی اس آواز کو سننے سے قاصر ہے!

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلمان
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی!

Marfat.com

اور جب اِس قول کو سکوٹی پر پرکھنے کے لیئے بظاہر مٹھی بھر غازیوں نے یک زبان ہو کر علیؓ کا نعرہ لگایا تو جمبوں سے جیسلمیر تک بکھرے ہوئے ذرے تڑپ اور ان رفعتوں سے ہمکنار ہو گئے، جنہیں دیکھتے وقت نصف النہار پر سہمے ہوئے سورج کا چہرہ فق ہو گیا۔

تقسیم کے وقت بھارت سے لُٹ پٹ کر پاکستان آنے والے مہاجروں کے خون کے وہ نشان جنہیں سترہ سالہ آندھیوں اور طوفانوں کے بے رحم تھپیڑے میٹ چکے تھے، شہیدوں کے تازہ خون سے تاروں کی طرح دمک اُٹھے اور ان کی دلفریب جھلملاہٹوں میں شرمنوں، شکتیمانوں، نگوں اور مسٹیروں کی دھجیاں حدِ نگاہ تک بکھری پڑی نظر آئیں۔!

○

سیالکوٹ سے ذلت کی ایسی رات "فخرِ ہند" کے حصّے میں آئی جو "مہا بھارت" سے لے کر دوسری جنگِ عظیم تک کسی بدنصیب لشکر کو آج تک کبھی نصیب نہ ہوئی، بارہ میل لمبے چوڑے، چٹیل میدان میں حدِ نگاہ تک سلگنے والے "شکتیمانوں" کی عظیم چتا پر آریاورت کی لاش پڑی تڑخ رہی تھی۔ پاکستان کو اپنے زعم میں بزورِ شمشیر فتح کرنے والے سورما، لوٹے ہوئے بازو گلے میں ڈالے، حیران و پریشان بیٹھے اپنے زخم چاٹ رہے تھے اور ان کے "بولو رام" کی آواز بحرالکاہل سے اوقیانوس تک گونج رہی تھی۔

Marfat.com

یہی وقت ہے جو روئے زمین پر امن کے اجارہ دار ادارے، اقوام متحدہ نے "برِ صغیر میں قیامِ امن کا نعرہ بلند کیا۔ اس نعرے میں ہمارے فوجی حلیفوں، جمہوریت مآب امریکہ اور دولتِ مشترکہ کے سربراہ برطانیہ کی آواز سب سے اونچی تھی۔ یہی ملک ہیں جنہوں نے ۱۹۶۲ء میں چینی سپاہیوں کے آگے، ہمالیہ کی بڑائیوں سے آسام کو بھاگنے والے ہاتھی کی مشک پہ شفقت بھرا ہاتھ پھیرا تھا اور ہمارے شدید احتجاج کے باوجود اسے "چوٹی" سے ایڑی تک بڑے خلوص کے ساتھ بکثرت پوشش کرتے چلے آرہے تھے!

حیرت تو صرف اس بات پر ہوتی ہے کہ امن کے یہ پرستار اس وقت کہاں تھے؟ جب جمہوریہ چین کے خلاف مسلح ہونے والے بھارتی کوہستانی ڈویژنوں نے کارگل اور درہ حاجی پیر پر قبضہ کر کے برِ صغیر میں بدامنی کا دروازہ کھولا تھا۔ حالانکہ اردن کے نمائندے نے انہیں بروقت خبردار کیا تھا "بھارتی سپاہ کی پیش قدمی روکنے کے لیئے، ہمیں فوراً مداخلت کرنی چاہیئے ورنہ پوری دنیا کا امن خطرے میں پڑ جائے گا۔!"

سچ تو یہ ہے کہ شری چاون ہی کی طرح صدر جانسن اور وزیرِ اعظم ولسن کو بھی یقین تھا، ایشیا کا کاغذی شیر، بھارت، بہتر گھنٹے کے اندر اندر پاکستان کے دل، لاہور پر اپنے خونیں پنجے گاڑ کر سویز کے مشرق میں انڈونیشیا، سنگاپور اور آسٹریلیا تک ہمیشہ کے لیئے "امن" قائم کر دے گا۔ لیکن ان کی دلی تمنا کے برعکس مٹھی بھر توحید پرستوں، پاکستان کے برق اندازوں، بحرِ ہند کی لہروں کے رازدان ملاحوں اور فضاؤں کے رمز شناس شہبازوں نے سیالکوٹ سے سومنات

Marfat.com

تک اپنی شوکت وصولت کی ایسی منور شاہراہیں ہموار کر لی تھیں جن کے دلفریب عکس اقوام متحدہ کے صدر مقام لیک سکسیس، نیویارک تک ناچ اُٹھے تھے۔

یہیں صدر جانسن کے دست راست مسٹر گولڈ برگ نے بڑی مدحواسی کے عالم میں فائر بندی کی قرارداد پیش کی جو برطانیہ کے سیاسی اثر ورسوخ کی بنا پر فوراً منظور کر لی گئی اور سیکرٹری جنرل اوتھان نے راولپنڈی اُترتے ہی حکومت پاکستان سے درخواست کی! امن کی خاطر اس قرارداد کو من وعن قبول کر لیا جائے۔

مہمان نواز پاکستان نے معزز مہمان کو خوش آمدید کہتے ہی صاف لفظوں میں بتا دیا تھا، امن کے پیاسے پاکستانی عوام فائیر بندی کی تجویز کا خیر مقدم کریں گے۔ لیکن حکومت پاکستان اس قرارداد پر غور کرنے کو ہرگز تیار نہیں جس میں بھارت کے مجرمانہ، جارحانہ حملے کی مذمت تو درکنار ان پچاس لاکھ کشمیریوں کے مستقبل اور مظلومی کا ذکر تک نہیں کیا گیا جو پچھلے سترہ سال سے فرعونی جبر واستبداد کا تختہ مشق بنے ہوئے ہیں۔ پاک وہند کے درمیان اصل تنازعے — کشمیر — کا حل تلاش کئے بغیر برّصغیر میں قیام امن کی خواہش دیوانے کا خواب ہے۔ ایسا خواب جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا!"

پورے تین سو سال سے یورپی ہتھکنڈوں کا شکار قوم اچھی طرح جانتی تھی کہ ہمارے "دیرینہ کرم فرما" بھارت کی بھرپور فوجی امداد سے جو مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ اب اسے غیر مشروط فائیر بندی کی قرارداد سے پورا کرنے پر تل گئے ہیں۔ شیو کے سر پر پھنکارنے والا اژدہا سیالکوٹ میں مفلوج پڑا تڑپ رہا تھا۔ اب مسلمانوں کا صرف ایک اور بھرپور وار اُسے زہریلی تھیلیوں سے

ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے محروم کر دیتا۔

لیکن بت پرست سامراج کے تثلیث پرست حمائیتی ۱۹۴۸ء ہی کی طرح ایک بار پھر توحید پرستوں کے راستے کی رُکاوٹ بن گئے۔ وہ فائر بندی کا ڈھونگ رچا کر مجاہدوں میں بددلی پھیلانا چاہتے تھے۔

اور اس میں کیا شک کہ جب ایک پوری نوخیز نسل کی قربانیاں غیر مشروط فائیر بندی سے زیادہ اور کچھ حاصل ہی نہ کر سکیں تو شاندار فتح کی طرف اس کی برق رفتار پیش قدمی مدھم پڑ جاتی ہے۔

"امن" کی علمبردار قوم نے اِس وقت اِنسان دوستی کا ثبوت دیا جب بھارتی بمباروں کی بھینٹ چڑھنے والے شہریوں کے جنازے ایک ایک گھر سے اُٹھ رہے تھے، حکومت پاکستان اِس تین نکاتی تجویز پر رضامند ہو گئی کہ (۱) متحارب فریق فوراً جنگ بند کر دیں۔ (۲) دونوں ملکوں کی فوجیں ۵ اگست کی پوزیشنوں پر واپس چلی جائیں اور (۳) کشمیر کی گتھی سلجھانے کے لیئے بنیادی اصولوں پر اتفاق کر لیا جائے۔!

پھر جب پاکستان کے وزیر خارجہ چک لالہ کے ہوائی اڈے سے سیکرٹری جنرل اوتھان کو دلّی کی طرف الوداع کہہ رہے تھے۔ سبز پوش، سلیٹی پہاڑیوں کے عقب سے جھانکنے والے سورج کی سنہری کرنیں اسلام آباد کے ذرّے ذرّے سے سرگوشیاں کرتی مسٹر اوتھان کو یاد دلا رہی تھیں! یہ پاکستان کے دارالسلطنت کا وہی ہوائی اڈہ ہے جسے بھارتی ہوا باز بزعمِ خود تباہ کر چکے ہیں۔

Marfat.com

راولپنڈی پر بمباری کی اطلاع پاتے ہی پی اے ایف پشاور کے سٹیشن کمانڈر یہ سوچنے میں حق بجانب تھے، اب ہماری باری آئی۔ اڈے کے گرد گرد طیارہ شکن توپوں کا حصار تو پہلے روز ہی سے قائم ہو چکا تھا۔ اب ساز و سامان کو محفوظ رکھنے کے لیے مزید حفاظتی تدبیریں بروئے کار لانے کی ضرورت تھی۔

سٹیشن پر تعینات عملے کی مدد سے اِس کام کو رات کے وقت مکمل کر لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ این سی او انچارج گارڈ روم، سارجنٹ قریشی، بارکوں کی طرف بھاگے۔

دِن بھر کے تھکے ماندے "ائیر مینوں" کو جاگنے اور بستر سے نکل کر دروازوں تک آنے میں دیر لگی لیکن ان کے شاہین صفت بچے سنکر اور بنیان پہنے، آنکھیں ملتے، ٹرکوں میں آ بیٹھے اور سارجنٹ قریشی سے التجا کی "جب تک ہمارے ابّا وردی پہن کر تیار ہوتے ہیں، چلئے ہم ایک چکّر لگا آئیں!"

یہ بچے پو پھٹے تک جوان مردوں کی طرح ریت کی بوریاں بھرتے اور طیاروں کے ارد گرد قطاریں لگاتے رہے۔ پھر جب وسط ستمبر کی پچھلی رات کی خنکی خود سارجنٹ قریشی کے گودے میں سرایت کرنے لگی تو انہوں نے بچّوں سے کہا! "بھئی اب ٹھنڈ زیادہ ہو گئی۔ تم لوگ کپڑے پہن آؤ۔" بچّوں نے سنجیدہ کھلاڑیوں کی طرح قہقہہ لگایا! "اب تو ہم خاصے گرم ہو گئے ہیں!"

جس قوم کے کمسن بچّوں کا یہ حال تھا، اس کے ـــــ ہوا باز کِن رفعتوں کو چھو رہے تھے؟ آج اِن ہوشربا افسانوں کی حقیقت پہ کون یقین کرے گا!

Marfat.com

پاکستانی فضاؤں کا تقدس بحال رکھنے اور سرحد پہ برسرِ پیکار مجاہدوں کی بے دریغ امداد کرنے کے سوا انہیں کائینات کی دوسری چیز کا ہوش ہی نہ تھا۔

سیبروں کے ایک چھوٹے سے دستے کو ۱۲ ستمبر کی صبح ہی سے جس "مشق" پہ مامور کیا گیا تھا، ۱۳ ستمبر کی پچھلی رات پورے آٹھ پہر تک فضا کی پہنائیوں میں جھپٹنے، پلٹنے اور پلٹ کر جھپٹنے کے بعد وہ کامرانی کے کیف سے جھومتا جھامتا واپس آ رہا تھا۔

محسوس ہوتا تھا جیسے اس قابلِ فخر امانت کو عارضی طور پہ اپنے دامن سے جُدا کرتے وقت پشاور کی فضائیں پس و پیش کر رہی ہوں۔ زمین سے ان کا فاصلہ بتدریج کم ہوتا چلا گیا۔ ان کے پیچھے جانے پہچانے "رن وے" کو چھونے والے ہی تھے کہ "آپریشن روم" سے پیغام ملا "او جہاز فلاں طرف ــــ فوراً۔!"

فلائیٹ کمانڈر نے اپنا جہاز اُوپر اُٹھا کر قریبی ہوا باز سے کہا! ہم تم دونوں، دوسروں کو نیچے جانے دو! لیکن اس نے پلٹ کر فضا کا جائزہ لیا تو اس دستے کے آخری دو عقاب پہلے ہی سے اپنا رُخ نئی منزلوں کی طرف موڑ چکے تھے اور کمانڈر بادلِ ناخواستہ نیچے اُتر آیا۔

عزم و ایثار کی ایسی فضا میں ایک شامت کے مارے بھارتی ہوا باز نے پشاور کے گاؤں لنڈی ارباب پہ بمباری کر کے شیر کو اس کی کچھار میں آللکارا۔ اڈے سے میلوں دُور اپنے آشیاں کی حفاظت پہ مامور عقابوں نے اِس خبر کو قہقہے میں اُڑا دیا۔ اور وہ حق بجانب تھے۔ جن لوگوں نے

پشاور سے پٹھان کوٹ تک اپنی حصار قائم کر رکھا ہو وہ یہ کیسے مان لیں کہ صرف ایک بھارتی بمبار اس حصار کو توڑ کر عقابی نشیمن تک آ پہنچا۔!"

چنانچہ ایک تشکیک پرست پائلٹ آفیسر نے پشاور کا رُخ کیا۔ اس وقت بھارتی بمبار اپنا بوجھ اُتار کر ایک ایسی سمت میں بھاگا چلا جا رہا تھا جس نے پاکستانی ہوا باز کو اس کے تعاقب پر مجبور کر دیا۔

بھارتی بمبار پشاور سے چترالی کی طرف سرکتا سری نگر جا اترا۔ اس کی خوش قسمتی سے اقوام متحدہ کے دو طیارے اڈے پر کھڑے پٹرول لے رہے تھے۔ کچھ ان طیاروں اور کچھ پائلٹ کی تشکیک پرستی نے اسے وار کرنے سے باز رکھا۔ اس کا دل کہتا تھا کہ یہ بمبار سری نگر سے تیل پٹرول لیتا کسی اور اڈے کو جانے والا ہے۔ اور بعینہٖ یہی ہوا۔ سری نگر سے پٹرول لینے کے بعد وہ انبالہ جا اُترا۔

اگلے روز آپریشن روم میں جمع ہونے والے ہوا باز سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو تکنے لگے! لنڈی ارباب پر بم گرانے والا بمبار کس راستے سے واپس گیا۔؟

"پشاور سے براستہ چترال سری نگر انبالہ جا اُترا۔

"انبالہ ——— ؟" ہوا بازوں کی رگوں میں دوڑنے والے خون کی رفتار ایک دم تیز ہو گئی اور ایک عجیب سی تلخی محسوس کر کے ان کے ہونٹ سکڑنے لگے۔ وہ انبالہ کو اس اس وقت تک جان بوجھ کر نظر انداز کرتے چلے آ رہے تھے۔ انہیں معلوم تھا ——— پورے بھارت میں صرف یہی ایک ایسا اڈہ ہے

Marfat.com

جہاں زمین سے فضا میں وار کرنے والے روسی میزائلوں کے چارٹ "لانچنگ پیڈ" میزائل داغنے والے آلے لگے ہیں۔ وہی میزائل جس نے فرانسیس گیری پاورز کے جاسوس امریکی طیارے یو ۲ کو جنوبی روس میں مار گرایا تھا۔

صدر جانسن کی ایک سالہ جدوجہد کے باوجود شمالی ویتنام کا دارالسلطنت ہنوئی انہی میزائلوں کے بل بوتے پہ آج تک فخر سے سینہ تانے امریکہ کی عظمت پر قہقہے لگا رہا ہے۔

نوعمر پاکستانی فضائیہ کے لیے یہ بہت بڑا چیلنج تھا اور پاکستان کے ایک فخر روزگار فرزند، سکواڈرن لیڈر خان نجیب اللہ خان نے اس چیلنج کو مردانہ وار قبول کر کے فضائی تاریخ کا آخری باب مکمل کیا۔

نجیب کے عزم سے آگاہ ہو کر آفیسر انچارج آپریشن نے یوں تو اپنی ساری دعائیں اس کی کامیابی کے لیے وقف کر دیں لیکن محاذِ جنگ کی گوناگوں، اٹل ضرورتوں کے پیشِ نظر اسے بمبار دینے سے معذوری ظاہر کی۔ گنتی کے بمبار پر مشتمل "بمبر ونگ" اس کی مدد سے واقعی معذور تھا۔

لیکن اِدھر شہادت کے جذبے کی بیتابی سے زمین پر نجیب کے پاؤں ٹکتے ہی نہ تھے۔ اپنی تمنا کی تسکین کے نئے نئے راستوں کا کھوج لگاتا وہ دوسری جنگِ عظیم کی آخری نشانی — سی ۱۳۰ — ٹرانسپورٹ طیارے کے قریب آرکا اور اس کے چاروں انجنوں کو باری باری دیکھنے کے بعد محسوس کرنے لگا جیسے یہ جہاز کل شام سے اس وقت تک گھوڑے کی طرح اپنے پاؤں پر کھڑا سو رہا ہو۔ باربردار فولادی گھوڑے کی اس بے نیازی نے اس کے دل پر

گہرا اثر ڈالا۔ اِس نے فلائیٹ سارجنٹ کو بلایا اور سی ۱۳۰ کی طرف اشارہ کیا!
"اب یہ بہت آرام کر چکا۔ اسے فوراً تیار کرو، اس کی فیوز روم میں جس قدر بم سما جائیں، بھر دو ـــــ اور پٹرول بھی!"

خلائی عہد کے اِس خچر کو انبالہ تک بحفاظت پہنچانے کے لیے نجیب نے چند سیبر بطور محافظ اپنے ساتھ لیے اور سکواڈرن کے ایک ایک آدمی سے ہاتھ ملایا! "ملازمت کے دوران میں ہم نے ایک دوسرے کو سخت سُست کہا ہوگا، میں نے آپ لوگوں کو معاف کیا۔ آپ بھی مجھے معاف کر دیں!" پھر لمحے بھر کی خاموشی میں اِس نے اپنے نائب کا چہرہ ٹٹولا! "اگر میں واپس نہ آیا تو میرے واجبات سمیت ـــــ میری ایک ایک چیز قومی دفاعی فنڈ میں جمع کرا دینا ـــــ خدا حافظ!"

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ جب سی ۱۳۰ انبالہ کی فضاؤں میں داخل ہوا تو عین اسی وقت بھارتی بمبار سکواڈرن سرگودھا اور دوسرے شہروں کے مضافات میں کھیتوں، نہروں، بھینسوں اور مُرغیوں کے ڈربے اور کاموں کی کے کمہار اللہ دتا کی چلم پر بم پھینکنے کے بعد خوش و خرم اڈے پر اُتر ہی رہا تھا۔ سکواڈرن لیڈر نجیب نے کچھ اس شان سے بم گرانے شروع کیے گویا وہ سیلاب میں گھرے ہوئے گاؤں پر کھانے پینے کی چیزیں، دوائیں اور کمبل گرا رہا ہو!

زمین سے فضا میں مار کرنے والے تباہ کن میزائلوں کے لانچنگ پیڈ اڑانے کے بعد سی ۱۳۰ نے کئی طیارے تباہ کیے۔ جنگ کے زمانے میں جہازوں کی تباہی خواہ کیسا ہی اہم واقعہ سہی، حیرت انگیز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

Marfat.com

حیرت صرف اِس بات کی ہے کہ انبالہ پر بے خوف پرواز کرنے والے سی ۱۳۰
کے شہپروں کی سرسراہٹ نے بھارتی کبوتروں اور فنی عملے کو اس قدر
ہیبت زدہ کر دیا کہ وہ جیٹ اور سٹین انجن کی آواز میں بھی امتیاز نہ کر سکے۔

واقعی ـــــ صرف پانچ سو گز نیچے بیٹھے ہوئے ہوابازوں کو پتہ کیوں نہ
چلا کہ میزائل لانچنگ پیڈ، ہوا سے تیز رفتار رنگوں اور مسٹیروں کو دریا کے کنارے
اُڑتی ہوئی مرغابیوں کی طرح چُن چُن کر مارنے والا اکیلا جہاز عام جیٹ جہاز
ہی نہیں، محض سی ۱۳۰ ہے!

سرگودھا کے ہیرو سکواڈرن لیڈر ایم ایم عالم نے بالکل سچ کہا! "ہم نے
انڈین ایئر فورس سے بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں لیکن افسوس! بھارتی
ہوابازوں کی کارکردگی سے ہمیں سخت مایوسی ہوئی!"

سکواڈرن لیڈر عالم کو تو صرف ہوابازوں نے مایوس کیا، لیکن سکواڈرن
لیڈر نجیب کو دشمن کی بری فوج سے بھی شکایت کرنے کا موقع مِلا۔ ایک بار
سی ۱۳۰ طیارہ شکن توپوں کے "کراس فائر" میں گھر گیا۔ چاروں طرف سے کئی
"سرچ لائٹیں"، بیک وقت اِس پر مرکوز ہو گئیں اور "ٹریسر راؤنڈ" اس کے
اوپر نیچے، دائیں بائیں پھلجھڑیوں کی طرح چھوٹنے لگے۔ ان کے رنگا رنگ عکس
"کاکرپٹ" میں پائلٹ، فلائیٹ انجینئر، نیوی گیٹر، سگنیلر اور گنر کے چہروں پر
عجیب و غریب، بھیانک سائے لہرا رہے تھے۔

نجیب نے ایک ایک ساتھی کو تسلی دی! "ہم انشاء اللہ کامیاب و کامران
واپس جائیں گے!" کہتے ہی اس نے چاروں انجن ایک ساتھ بند کر دیئے۔ فضا کو

Marfat.com

خاموش پاکر طیارہ شکن بیٹریوں کے توپچی خوش ہو گئے۔ ان کے خیال میں پاکستانی بمبار گر کر تباہ ہو چکا تھا۔ پھر انہوں نے فائر سے ہاتھ روکا ہی تھا کہ ذرا دور تک "گلائیڈنگ" کرنے کے بعد سی ۱۳۰ کا ایک ایک، انجن کھانستا کھنگارتا گرج اُٹھا۔ طیارہ شکن بیڑیاں پھر سے آگ اگلنے لگیں۔ لیکن عقاب ان کی زد سے نکل چکا تھا۔

اس کی حفاظت کرنے والے سیبر انبالہ کی فضاؤں میں بڑی دیر سے پیچ و تاب کھاتے پھرتے تھے۔ ہوا بازوں نے سکواڈرن لیڈر نجیب سے التجا کی "اب خدا کے لیئے لوٹ جایئے تاکہ ہمیں بھی اپنے فرض سے سبکدوش ہونے کا موقع ملے۔"

انبالہ کی تباہی میں جو تھوڑی بہت کسر باقی رہ گئی تھی، سیبروں نے پوری کر دی۔ صرف۔ انبالے پر ہی کیا موقوف ہے۔ پاکستانی عقاب ایک ایک ہنگ اور مسٹیئر کے تعاقب میں آدم پور، ہلواڑہ، پٹھان کوٹ سے جام نگر تک بکھرے ہوئے کبوتروں کے گھونسلوں پر جھپٹ رہے تھے اور دریائے سندھ کے کچھ پتھریلے ساحل سے گنگا جمنا، برہم پتر اور کرشنا کاویری تک پورا برِ صغیر اِن کے شہپروں کی زد میں سہما پڑا تھا۔

تیئسواں باب

فریدہ کے ساتھ

پچھلی رات کے مہکے، بھیگے، اُمیدوں اور اندیشوں سے ڈگمگاتے ہوئے جھونکے چل نکلے۔!

سسٹر ممتاز انگڑائی لیتی کرسی سے اُٹھی، آنکھیں ملتی دہلیز تک آئی اور گرم وارڈ پر نگاہ ڈالی۔ فریدہ حسبِ معمول ایک بستر کے پائنتی سوچ میں ڈوبی کھڑی تھی۔ ممتاز نے چپکے سے اِس کے کندھے پر آہا تھ رکھا اور اِس کی نظروں کے تعاقب میں چارٹ کی خالی جگہ کو گھورتے وقت اس کا دل بہلانے لگی "فری! میں ہی نہیں تم بھی جانتی ہو، یہ جگہیں دِن دِن بھر خالی پڑی ہمارا منہ چڑاتی رہتی ہیں۔" پھر اس نے سٹاف روم کی طرف رخ پھیرا اور بڑی دردمندی کے ساتھ التجا کی "خدا کے لیئے جاؤ، ہیٹر پر تازہ چائے کی پیالی چھوڑ آئی ہوں۔ پیتے ہی کرسی پر دراز ہو جاؤ، کیا خبر! تمہاری آنکھوں کو چین کی چند گھڑیاں نصیب ہو جائیں۔"

ممتاز کی ہمدردی نے فریدہ کو آبگینے کی طرح پھوڑ ڈالا اور وہ اس سے اپنی بھیگی آنکھیں چُرانے کی خاطر عجیب بے بسی کے عالم میں اپنے ہاتھ دیکھنے لگی! "تاج! مجھے ایک اسپرین بھی چاہیئے۔"

"یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟"

فریدہ معاً چونکی اور ممتاز کو دیکھتے ہی مُسکرانے کی ناکام کوشش کرنے لگی! "تمہاری قسم میں اسے شام ہی سے ڈھونڈھ رہی ہوں۔"

"اور اِس سے پہلے کہ تم اپنے آپ کو ڈھونڈھے بھی نہ پاسکو، جاؤ، آرام کرو۔ چارٹ کے لگتے ہی میں تمہیں آجگاؤں گی۔"

اسپرین، چائے اور آرام — فریدہ نے بے چینی کا طویل سانس لے کر اپنا منوں بوجھل سر کرسی کی پشت سے ٹیکا ہی تھا کہ اس کے تھکے ہارے پپوٹے بے اختیار ڈھلکے اور آنکھوں کے دریچے بند کر کے دنیا سے اس کا رابطہ معطل کر دیا۔ لیکن روح سے شعور اور تحت الشعور کی ہم آہنگی نے اسے زیادہ دیر تک چین نہ لینے دیا اور وہ نیند کی نرم، مدھ بھری تھپکیاں محسوس کرتے ہی چونکی، گھڑی پر نگاہ ڈالی اور پُر دم ہو کر وارڈ میں آپہنچی۔

چارٹ لگ چکا تھا۔ اس پر لکھا ہوا نام پڑھنے کی بے چینی چھپانے کے لیئے وہ دوسروں کو نہیں، خود اپنے آپ کو دھوکا دیتی، اِدھر اُدھر جھانکتی، بستروں کے بیچوں بیچ سرکتی چارٹ کے پاس جا رکی، نام پڑھا مضطرب ہو کر چاروں طرف نگاہ ڈالی اور بیتابی سے آنکھیں ملنے لگی۔ وہ عرصے سے یونہی کرتی چلی آرہی تھی۔ سینکڑوں چارٹوں، بیسیوں زخمیوں پر اس نے کیپٹن صادق کا دھوکا کھایا تھا۔

Marfat.com

جیسے جیسے پیاس بڑھتی چلی گئی، سراب قریب سے قریب تر چلے آئے!

خوش قسمتی سے سر تک پٹیوں میں لپٹا ہوا نو وارد زخمی بے ہوش پڑا تھا ورنہ وہ اِس پر جھک کر اب تک بیس بار پکار چکی ہوتی! کیپٹن صادق ——؟ کاش! آج وہ وطن کے افق سے ٹوٹے ہوئے اپنے مقدر کے ستارے کو پہچان لیتی۔ کوئی اسے خبردار کر دیتا! آج سراب حقیقت میں ڈھل چکا ہے۔

وہ چارٹ سے نظریں چرانے کے لیے دائیں بائیں دیکھنے لگی۔ ممتاز تیزی سے اِس طرف چلی آ رہی تھی۔ اِس کی نظریں چارٹ پر تھیں۔ نام پڑھنے کے بعد اس نے دارفتگی سے پلٹ کر فریدہ کو دیکھا۔ پھر نادانستہ بستر کی پائنتی پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی اور مبہوت ہو کر چارٹ پر لکھا ہوا نام دہرانے لگی "کیپٹن صادق، آرمرڈ کور"

پل بھر کے اندر اندر فریدہ کے ہونٹ اور نتھنے بار بار تھرائے۔ لیکن بریگیڈیئر خان کو وارڈ میں داخل ہوتے دیکھ کر سنبھلی۔ وہ فریدہ اور ممتاز کے درمیان آ کھڑا ہوا۔ سب سے پہلے چارٹ کو دیکھا۔ پھر ممتاز اور سب سے آخر میں فریدہ کو —— اِس کا اضطراب و اضطرار —— الامان! ممتاز اسے حیرت سے تکتی رہ گئی! "اب تم کیا کرنا چاہتی ہو؟"

فریدہ کی نظریں ساتھ والے کمرے میں بھٹک رہی تھیں۔ بریگیڈیئر خان تاڑ گیا، وہ کیپٹن صادق کو وہیں لے جانا چاہتی ہے۔ آج اسے روکنے والا کون تھا! وہ جس زخمی کی مرہم پٹی کے لیے نرس بنی تھی، قیامت کے انتظار کے بعد وہ بالآخر اس کے ہاتھوں میں پہنچ گیا تھا۔

بریگیڈیئر خان نے ہونٹوں میں اڑسا ہوا سگریٹ نکال کر دریچے کے پار

لان میں پھینکا۔ فریدہ سٹریچر کو بستر کیساتھ لگا چکی تھی۔ ممتاز اور بریگیڈیئر خان نے اس کا ہاتھ بٹایا اور تینوں نے مل کر کیپٹن صادق کو علیحدہ کمرے میں لے آئے۔ یہاں آتے ہی فریدہ کی بے چینیاں اور بڑھ گئیں۔ ممتاز اسے تکتی اور اپنے ہونٹ کاٹتی چپ چاپ کھسک گئی اور بریگیڈیئر خان غالباً موزوں الفاظ ڈھونڈھنے کے بہانے جیب سے سگریٹ کی ڈبیا نکال کر تپائی پر رکھنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا "میرے نہیں، تمہارے کیپٹن کے پسندیدہ سگریٹ۔ وہ ان کی مہک پہچان لے گا۔" پھر وہ فریدہ کے بالمقابل کھڑے ہو کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا "اگر میں اسے یاد آجاؤں تو مجھے فوراً ٹیلی فون کرنا۔"

جہاں گرد سپاہی کی پُر اعتماد، پر خلوص نگاہوں نے فریدہ کے ڈوبتے ہوئے دِل کو تھام لیا اور وہ بھی اپنی کامیابی محسوس کر کے بولتا چلا گیا "سسٹر فریدہ! بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں! ہوش اور بے ہوشی کے متعلق تمہارے ڈاکٹر لوگ بقراط کے حوالے دیں یا جالینوس کے، کسی کے جھانسے میں نہ آنا۔" اس نے سگریٹ کی ڈبی اُٹھائی اور اسے کھولنے لگا۔ پھر ذرا دیر بعد اس کی نظریں کیپٹن صادق پر جم گئیں! "تم بھی یقیناً اسے بے ہوش سمجھ رہی ہو! لیکن میرے بریگیڈ کا ہر وہ سپاہی جو رنگروٹی پاس کر چکا ہو، اسے دیکھتے ہی پکار اُٹھے گا! تاجدار کا کمانڈر سو رہا ہے — سپاہی کی نیند! اور اگر تمہیں ہمارا اعتبار نہ آئے تو لان میں صرف ایک گرنیڈ پھینک کے دیکھو۔ وہ ابھی اُٹھ کھڑا ہو گا اور تمہیں بچانے کے لیے پوری دُنیا کے مقابلے پر تیار!"

فریدہ کے ہونٹوں پر نیم مردہ سی مُسکراہٹ تڑپتی دیکھ کر بریگیڈیئر خان

مُسکرایا! "اب اس کے سرہانے کھڑے ہو کر سوچنا ایک دم بند کر دو۔ کہیں تمہارے سرکش خیالوں کی آواز اسے کچی نیند سے جگا نہ ڈالے!" کہتے ہی بریگیڈیئر خان خود تو باہر نکل گیا لیکن اپنے پیچھے ایک بھرپور، دیرپا اثر چھوڑ گیا۔

○

جیسے جیسے دِن چڑھتا چلا گیا، سیالکوٹ کی پوری چھاؤنی اور گورنمنٹ کالج برائے خواتین کی پرنسپل سے لے کر جونئر طلبہ تک عیادت کو آنے والے قطار در قطار قافلے بریگیڈیئر خان کے چھوڑے ہوئے اثر کو تقویت پہنچاتے رہے۔ لیکن سرِشام تنہائی کی پہلی لہر سے دوچار ہوتے ہی فریدہ پر بے چینی کا ایسا دورہ پڑا کہ وہ دوڑی دوڑی ڈاکٹر کو بلا لائی اور اس نے کمرے میں قدم رکھ کر چارٹ پر نگاہ ڈالی ہی تھی کہ فریدہ نے التجا کی "چارٹ کو نہیں مریض کو دیکھئے!"

یہ درد میں ڈوبی ہوئی اسی آواز کا اثر تھا کہ ڈاکٹر کی سوالیہ نگاہیں مریض کی بجائے نرس کے چہرے پر جم گئیں اور وہ اس کے بے نام اندیشوں کو دور کرنے کی خاطر مُسکرایا! "سسٹر!" اس نے مریض کی طرف اشارہ کیا! "آپ نے پٹیوں میں لپٹے ہوئے مریض کی چارٹ پر کتنی صاف ستھری تصویر اُتاری ہے۔"

"خُدا کے لیے ڈاکٹر — خُدا کے لیے!"

"نہیں، صرف آپ کے لیے۔" ڈاکٹر نے چارٹ سے نظریں ہٹا کر مریض کی نبض دیکھی اور ذرا وقفے کے بعد فریدہ کو قریب آنے کا اشارہ کیا! "آیئے، اب تو

Marfat.com

ماشاءاللہ خود آپ بھی انسانی زندگی کے پیمانے، دِل کی ڈھڑکن اور نبض کی رفتار کو کامیابی سے استعمال کر سکتی ہیں!"

"میں یہ پیمانے بار بار استعمال کر بیٹھی!"

"پھر؟"۔

"کچھ سمجھ نہیں آتی"۔

"کس چیز کی؟"

"بے ہوشی کی۔ اتنی طویل ہیبتناک بے ہوشی!"۔

"شکر کیجیے"۔ ڈاکٹر سگریٹ سلگانے کے بعد آہستہ آہستہ دروازے کی طرف سرکنے لگا! "شکر کیجیے اس کا ذہن گہری نیند سو رہا ہے۔ اِس چین کی نیند میں خلل نہ ڈالیے!"۔

ڈاکٹر کو الوداع کہنے کے بعد بھی وہ دیر تک دروازے پہ خاموش کھڑی لان میں گھورتی رہی۔ چاندنی، پھول، رنگ اور مہک ابدی آنکھ مچولی میں مصروف تھے۔ وہ چاندنی کے تار چھیڑنے لگی۔ وہی تار جنہیں چھیڑنے کا سلیقہ اسے اسلم نے سکھایا تھا۔ لیکن اِن تاروں پہ بھی گذشتہ رات سے بیہوشی طاری تھی۔

پھر وہ معمول کے مطابق سکوت کو اوڑھتی اور بچھاتی کیپٹن صادق کے سرہانے آ بیٹھی اور کمرے کے ماحول کا حصہ بن کر رہ گئی۔

کچھ دیر بعد ممتاز چپکے سے اندر آئی اور فریدہ کو اونگھتے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ لیکن یہ اس کا خیال تھا۔ اگرچہ فریدہ کی آنکھیں بند تھیں لیکن وہ ممتاز کو اپنے اوپر جھکتے، چارٹ پر نگاہ ڈالتے اور ہیٹر پہ چائے بناتے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

Marfat.com

تھوڑی دیر میں خود ممتاز کو بھی پتہ چل گیا کہ وہ جاگ رہی ہے۔ خاص طور پر جب وہ دوسری کے بعد تیسری پیالی بنانے لگی تو فریدہ کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔

ممتاز نے اسپرین سمیت چائے کی پیالی پیش کی اور فریدہ نے ایک ایک چیز کا الگ الگ "شکریہ ادا کیا"! جگ جگ جیو تاج!" پھر وہ تیسری پیالی کو سوالیہ نظروں سے تکنے لگی۔ ممتاز کی نظریں فریدہ اور پیالی سے سرکتی کیپٹن صادق پر جم گئیں اور ساتھ ہی وہ بڑے اعتماد سے مسکرائی "میرے دولہا بھائی بہت سو لیئے۔ اب جاگنے والے ہیں"۔ پھر اس نے وہ پیالی فریدہ کے سامنے تپائی پر رکھی اور اپنی پیالی چھلکاتی دروازے کی طرف بھاگی "دیکھ لو فری، اب ہم تمہارے ساتھ بیٹھ کر چائے پینے کے حق سے مجبوراً دستبردار ہو رہے ہیں!"

ممتاز کے چلے جانے کے بعد بھی فریدہ دیر تک بیٹھی سوچتی رہی! تاج آج اتنی ساری خوشیاں بکھیرتی کیا کہہ گئی؟

پھر ٹیلی فون کی گھنٹی سے گھر کی آواز ابھری ہی تھی کہ فریدہ نے جھپٹ کر اس کا گلا دبوچا اور ریسیور منہ سے لگا کر سرگوشی کے سے انداز میں بولی۔

"سی ایم ایچ!"

ادھر سے جانی پہچانی آواز آئی "سسٹر فریدہ!"

"اوہ، اسلم بھائی ——!" فریدہ بے اختیار پکاری۔

"میں نے ابھی ابھی سنا ہے کہ میرے کمانڈر.....!"

فریدہ نے اس کے منہ سے بات چھین لی "میرے سامنے بدستور بیہوش

پڑے ہیں!"

"پھر تو گھبرانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں سسٹر، اب ہمیں زیادہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ دوبارہ موقع پاتے ہی ٹیلی فون کروں گا۔ خدا حافظ!"

"اسلم بھائی ——!" فریدہ پکارتی چلی گئی۔ نہ جانے وہ اسے کیا کہنا چاہتی تھی لیکن ٹیلی فون بند ہو چکا تھا۔ پھر رسیور نیچے رکھتے ہی وہ محسوس کرنے لگی جیسے کسی نے اسے آواز دی ہو، یہ کیپٹن صادق کی آواز تھی۔ وہ اس کے پیلے، پپڑائے ہوئے ہونٹوں پر زندگی کی لہر دوڑتی دیکھ کر "جی" کہتی لپکی اور پلنگ کی پٹی پکڑ کر دوزانو نیچے بیٹھ گئی۔ کئی راتوں کی آہ و زاریوں، منتوں، التجاؤں اور دعاؤں میں رچی بسی فریدہ کی پرتاثیر آواز زخمی کو جھنجھوڑنے لگی اور ذرا دیر بعد وہ پھر پکار اٹھا۔ "آجیر ——!"

فریدہ اسے بہلانے کی خاطر بولی! "ابھی آتا ہے!"

"نہیں!" کیپٹن صادق کے ہونٹ لرز اٹھے! "اس کی آواز بہت دور سے آرہی تھی۔ وہ اپنے سانس کا رشتہ توڑ کر میرے سانس کا رشتہ جوڑ گیا اور تمہارے میاں جی بھی.....!"

"خدا کے لیے انہیں بھول جائیے —— چپ رہیئے!"

"پہاڑی چکیوں میں پسنے کے لیے؟ نہیں! اب خاموشی سے خوف آتا ہے۔"

اسے چپ رکھنے کے لیے فریدہ نے چائے کی پیالی اس کے ہونٹوں سے لگا دی۔ اس نے رغبت سے دو گھونٹ پینے کے بعد اپنے ہونٹ سکیڑ لئے۔ انہی دو گھونٹوں نے اسے محسوس سہارا دیا اور اس کے خیالوں کی مہا

Marfat.com

موڑنے کی اُمید پہ فریدہ نے سگریٹ نکالا! "سگریٹ کا ایک آدھ کش پسند کریں گے؟"

"لاؤ!"

فریدہ نے سگریٹ سلگا کر اس کے ہونٹوں سے لگایا۔ کیپٹن کش لے کر آہستہ آہستہ دھواں چھوڑنے لگا۔ فریدہ بولی! "بتائیے یہ سگریٹ کون دے گئے؟"

"بریگیڈیئر خان، اللہ انہیں خوش رکھے!"

"میں نے ان سے وعدہ کیا تھا — آپ کے ہوش میں آتے ہی انہیں ٹیلی فون کرنے کا پکا وعدہ!"

کیپٹن صادق خاموش پڑا سگریٹ پیتا رہا۔ فریدہ بولی! "سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم بھی ٹیلی فون پر ابھی ابھی اسی قسم کی التجا کر چکا ہے۔"

"ان کا شکریہ ادا کرنے کے لیئے میرے پاس بڑا وقت ہے۔ لیکن یہ چند لمحے میں نے آگ کے سمندر میں ہفتوں غوطے مارنے کے بعد حاصل کیے ہیں۔ میرے، تمہارے، میاں جی، جیر — پورے گاؤں کے آخری، یادگار لمحے!"

"اگر آپ نے انہیں پھر یاد کیا تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔" فریدہ نے سچ مچ اپنے ہاتھ پلنگ کی پٹی سے ہٹا لیئے۔

اور اس کے ساتھ ہی ایک ناقابلِ ادراک اذیت کیپٹن صادق کے ہونٹوں پر سایہ ڈالنے لگی۔ وہ رُک رُک کر کہہ رہا تھا! "یادیں، بے چینیاں، درد اور داغ، یہ طوفان کس کے روکے رکے ہیں!"

Marfat.com

"آپ چپ نہیں رہیں گے، لیجئے، میں چلی۔"

"نہیں، نہیں، ہمی چپ ہو جائیں گے۔ جاؤ۔ اب بلاؤ گی بھی تو نہیں بولیں گے!"

فریدہ کی نظریں ٹیبوں میں چھپے ہوئے چہرے پر جم گئیں۔ یہ اس کے بچپن کے ہمجولی کا بالکل نیا انداز تھا۔ انتہائی تیز اور تلخ، زہر میں بجھا ہوا انداز! لیکن اب تو نرس کا دِل ایسے کئی نشتروں کا خوگر ہو چکا تھا۔ اسے یقین تھا! جب میں تم سے باتیں کرنا چاہوں گی تم خاموش نہ رہ سکو گے!

○

پچھلی رات سسٹر ممتاز نے ڈیوٹی نرس کی طرح "راؤنڈ" لگا کر کمرے کے سکون میں اچانک خلل ڈالا۔ اس کے ایک ہاتھ میں تھرمامیٹر تھا، دوسرے میں "سٹاپ واچ"۔ اسے دیکھتے ہی فریدہ مسکرائی آج وہ واقعی رحمت کا فرشتہ بن کر آئی تھی۔

رات کے پورے تین پہر کی خاموشی فریدہ کو ڈسنے لگی۔ اس نے سوچا! ممکن ہے ممتاز کی ہل چل سے کیپٹن صادق کی آنکھ کھل جائے۔ اللہ کرے وہ دودھ یا چائے کے چند گھونٹ مانگ لے، پھر سگریٹ اس کے بعد وہ خاموش نہ رہ سکے گا۔

ممتاز کو اس کے حال پر چھوڑنے کے خیال سے فریدہ ہیٹر پر چائے

Marfat.com

بنانے آ بیٹھی ۔ ممتاز بولی "فری! تمہاری قسم مجبور ہو کر آئی ہوں ۔ ابا جان ٹیلی فون پر تیسری بار تقاضا کر چکے ہیں! جاؤ، تاجدار کے کمانڈر کو دیکھو اور پانچ منٹ کے اندر اندر مفصل رپورٹ پیش کرو — فریدہ کی سہیلی بن کر نہیں، نرس کی حیثیت سے!"

فریدہ اِس طرف منہ پھیرے ہیٹر اور کیتلی سے الجھی رہی ۔ پہر بھر کی نیند کے بعد کیپٹن صادق کی طبیعت سنبھل چکی تھی، اِس کے جی میں آئی، ممتاز سے کہہ دے! وہ شرمیلا سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم ہی تھا جسے تم نے بات تک کرنے کی اجازت نہ دی اور میرے دیکھتے دیکھتے اس کے منہ میں تھرما میٹر آ ٹھونسا ۔ لیکن "السلام علیکم سسٹر ممتاز" کے سوا اس کے منہ سے بھی اور کچھ نہ نکلا۔

اِس کی آواز سنتے ہی فریدہ اور ممتاز نے بیک وقت اسے دیکھا۔ پھر ایک دوسرے کو۔ کیپٹن صادق، فریدہ اور اپنے آپ کو ایک بار پھر اکٹھا پا کر، آج سے چند ہی روز پہلے ہسپتال کی سیڑھیوں پر اس شام کا سماں ممتاز کی آنکھوں میں سما گیا اور اِس کی بھرپور جھلک دیکھتے ہی فریدہ نے اچھوتی سی مسکراہٹ کے ساتھ منہ اُدھر پھیر لیا۔ لیکن منہ پھیرتے پھیرتے بھی وہ محسوس کر رہی تھی جیسے ممتاز آنکھوں آنکھوں میں کہہ گئی ہو! مان گئے دیوی جی! اس روز تو انہیں دیکھتے ہی چھوٹی موٹی بن گئیں اور آج اکیلے اکیلے موتی چور کے لڈو —!

پھر کیپٹن صادِق کی سنبھلی سنبھلی سی طبیعت کے علاوہ فریدہ کی مسرتوں نے بھی ممتاز کو بڑا خوشگوار سہارا دیا اور وہ ان جانی خوشیوں میں ہچکولے کھاتی کیپٹن صادق کے سرہانے جا چکی! معاف کیجئے دولہا بھائی۔ سب سے پہلے

Marfat.com

مجھے فری کو مبارک باد عرض کر لینے دیجئے۔" وہ لمحے بھر کی خاموشی میں فریدہ کو کھڑی گھورتی رہی بالآخر بولی! "اب پوچھ بھی لے میری بنو! کیسی مبارک؟" اور فریدہ کو خاموش پاکر وہ بولتی چلی گئی! "اپنے کمانڈر صاحب کے ہوش میں آجانے اور ساری دُنیا کی آنکھوں سے چھُپ کر باتیں کرنے کی مبارک!"

کیپٹن صادق نے کہا! "معاف کیجئے سسٹر، حق اور انصاف کے ساتھ آپ کی یہ زیادتی کم از کم ہم سے برداشت نہیں ہو سکتی!"

"میں آپ کی بات نہیں سمجھی!"

"ہم پر شام ہی سے زبان بندی نافذ ہو چکی ہے!"

"سچ؟" ممتاز کی نظریں بے اختیار، فریدہ کی طرف اُٹھیں! "مجھے فری کے صبر، حوصلے اور ہمت پر رشک آتا ہے بھائی جان!"

"جبھی تو ہم نے بھی اپنی شکست تسلیم کر لی۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا دولہا بھائی۔ اب مجھے ابّاجی کو خوشخبری سنانے کی اجازت دیجئے۔ زبان بندی کا حکم ابھی چند لمحے اور نافذ رہے گا۔"

ممتاز کو دروازے کی طرف سرکتے دیکھ کر فریدہ نے چائے کی طرف اشارہ کیا! "اپنی یہ تو لیتی جاؤ!"

"دیکھا!" ممتاز پیالی لیتے ہی بولی! "اب ہمیں اس کمرے میں بیٹھ کر چائے پینے کی بھی اجازت نہیں۔" کہتے ہی وہ پیالی چھلکاتی اور کمرے میں ایک شوخ سی مسکراہٹ بکھیرتی چلی گئی۔

فریدہ نے چپ چاپ دودھ کی پیالی کیپٹن صادق کے منہ سے لگائی اور ادھر

Marfat.com

سے بے نام سی مدافعت محسوس کرتے ہی بولی "اِس کے فوراً بعد چائے!"

اور جب چائے پینے کے بعد بھی کیپٹن صادق خاموش رہا تو فریدہ نے بے اختیار پوچھا "سگریٹ؟"

"تمہاری مرضی!"

فریدہ نے حسب معمول سلگا ہوا سگریٹ اس کے ہونٹوں میں اٹکایا اور وہ کش لیتے لیتے رک گیا! "فریدہ، یہ میرے سگریٹ یوں چپکے چپکے کون سلگا جاتا ہے؟"

"بریگیڈیئر خان کا لائٹر۔"

"نہیں، تمہارے ہونٹ۔ اگر بریگیڈیئر خان دیکھ لیں تو تمہارا کورٹ مارشل ہو جائے۔" وہ غالباً فریدہ کو مسکراتا محسوس کر کے مسکرایا۔ پھر متواتر کئی لمحے خاموش پڑا سگریٹ پیتا اور سوچتا رہا۔ فریدہ بہار کے بادل کی طرح اس پر جھک آئی تھی۔ کیپٹن صادق کے پورے چہرے میں سے صرف دو ہونٹ ہی پٹیوں سے بچ نکلے تھے۔ خوشی سے بیخود فریدہ کے تیز، بے ربط سانس اِن ہونٹوں سے مَس ہوئے ہی تھے کہ آگ میں جھلسے ہوئے سپاہی نے بجلی کی سی تیزی سے اپنا ہاتھ لہرایا۔ ذرا دیر بعد اس کی بے چین، متجسس انگلیاں فریدہ کے بالوں میں اُلجھ کر رہ گئیں۔ وہ اِن بالوں کو سنوارتے وقت بولا! "اب کیا وقت ہے!"

"صبح ہو رہی ہے!"

"کس دِن کی؟"

"جمعرات سولہ ستمبر کی۔"

"فریدہ! اِس صبح کو کسی طرح چودہ ستمبر کی شام سے مِلا دو۔"

Marfat.com

"پھر کیا ہوگا؟"

بے ہوشی میں گزری ہوئی دو راتیں اور ایک دن بھی میری زندگی میں شامل ہو جائے گا!"

وہ باتوں باتوں میں کہاں جا پہنچا تھا! فریدہ تاڑ گئی۔ ذرا دیر بعد ٹیلی فون کی گھنٹی نے دونوں کی یکسوئی میں خلل ڈال دیا۔ فریدہ نے ہاتھ سرکا کر رسیور اُٹھایا!

"سی ایم ایچ!"

"صبح بخیر سسٹر" اسلم بتیا بی سے پوچھ رہا تھا! اِس وقت میرے کمانڈر کی طبیعت کیسی ہے؟"

"خود ہی پوچھ لیجئے!" کہتے ہی فریدہ نے رسیور کیپٹن صادق کے کان سے لگایا اور اس نے اسلم کو بات کرنے کا موقع ہی نہ دیا! "اسلم تم کہاں ہو؟"

"ڈسکہ لیسر ور فرنٹ پر!"

"گڈ گور سے کتنی دور؟"

"جتنا سی ایم ایچ آپ سے دُور ہے۔"

"زندہ باد اسلم" کیپٹن صادق نے ہوش میں آنے کے بعد پہلی بار اطمینان کا سانس لیا! "اب یہ بتاؤ کہ میدان کا کیا رنگ ہے؟"

"وہی یکا رنگ جو آپ چڑھا گئے تھے۔"

"کیا مطلب؟"

"تاجدار سے منہ کی کھانے کے بعد فخر ہند کے قدم کہیں بھی نہ جمنے پائے۔"

Marfat.com

"ارے — اِس وقت تم کہاں تھے؟"

"آپ خواہ منا باؤ ریلوے سٹیشن سے بھی آگے نکل جائیں، تاجدار کے افسانے وہاں پہلے سے گونج رہے ہوں گے۔!"

"جیر کی کوئی نشانی؟"

"وطن کی خاک میں لپٹا چین کی نیند پڑا سو رہا ہے۔"

"کس جگہ؟"

"اپنے جلے ہوئے ٹینک کے سائے میں!"

"اب میں وہ جگہ صدیوں کے بعد بھی پہچان لوں گا۔"

"اپنی سنائیے۔"

"سخت جان تھا، بچ نکلا!"

"میری طرف سے سسٹر فریدہ کو مبارک باد عرض کیجئے۔ ان سے کہئے۔ فرصت پاتے ہی پہنچوں، صرف یہ معلوم کرنے کہ ..... ! پھر وہ معاً خاموش ہو گیا۔

کیپٹن صادق اسے خاموش پاکر بولا! "محاذ کا موسم کیسا ہے؟"

سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا! "بے چینی، معنی خیز، دھندلی، کہر آلود صبح، کیپٹن! دس بارہ گز کے پار نظریں کام ہی نہیں کرتیں۔" اس نے کیپٹن صادق کے گہرے ٹھنڈے سانس کی آواز سن لی اور بیتابی سے بولا! "لیکن شجاعت کے حلقے وسیع تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ سیالکوٹ میں ماتھے پر کاری زخم کھانے والا کالا ہاتھی بھوک سے بلبلا اُٹھا ہے۔" اچھا! اب اجازت دیجئے۔ فرصت پاتے ہی ٹیلی فون پر حاضر ہوں گا!"

Marfat.com

چوبیسواں باب

اقوامِ متحدہ

شری شاستری، چاؤن اور نندہ ۱۶ ستمبر کی شام ہی سے پینتالیس کروڑ بھوکوں کی جنتا کو سبز باغ دکھاتے چلے آ رہے تھے "اچولھے چوکے تیار رکھو۔ لاہور اور سیالکوٹ سے گندم کے قافلے دلّی آ رہے ہیں!"

یہ قافلے عین وقت پر آئے، لیکن جب گیہوں کی جگہ گھائل، بھوکے بھارتی سپاہی چیخیں مارتے اُترے تو جاتی کی مایوسی اعتدال و اختیار کی سرحدیں پار گئی۔ جن بدنصیب ماؤں نے پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے پھول سے بیٹے جنگ کی بھٹیوں میں جھونک دیئے تھے۔ ان کی کوکھ سے اُٹھنے والا دھواں — الامان، الحفیظ!

جنم جنم کے بدنصیب فاقہ کش دبی دبی آہیں بھرنے اور خاموش آنسو بہانے کے سوا اور کر ہی کیا سکتے تھے۔ پورا ملک دِفاعی ضابطے کی زد میں پڑا سسک رہا تھا اور اس ضابطے کی رو سے حکومت ایک ہی بات کی جواب دار تھی! سرحدوں پر بھڑکنے والی بھٹیاں سرد نہ ہونے پائیں۔!

Marfat.com

یوں تو یہ لوگ آریہ ورت کی ناک اونچی رکھنے کے لیے بھڑکائی گئی تھی، لیکن دیکھنے والے دیکھ رہے تھے کہ لاکھوں کے خون سے شری شاستری جی کی حکومت کو سینچا جا رہا ہے۔ بھارت کا "اٹوٹ انگ" — کشمیر — پاکستان میں شامل ہو گیا تو کانگریسی حکومت کا بولو رام ناگزیر تھا — ایک پنتھ دو کاج کا اصول روز ازل ہی سے بنئے کی حکومتِ عملی کا محور بنا رہا۔ اگر کشمیر کے میدان میں پاکستان کو شکست ہو گئی تو جنتا کی بھوک کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے طے ہو جائے گا۔ ورنہ اتنے بھارتی تو جنگ کی بھینٹ چڑھ ہی جائیں گے جن کے بعد خوراک کی پریشانی عارضی طور پر دور ہو جائے۔

صرف روم اور یونان ہی نہیں، بنی نوعِ انسان کی تاریخ شاہد ہے کہ جو قوم اِس بودے مقصد کو پورا کرنے جنگ کے میدان میں اتری اسے ذلت اور ناکامی کے سوا اور کچھ نہ ملا۔ پھر ایسی قوم جو بنی اسرائیل ہی کی طرح مایا اور گئو سالہ پرست ہو، تو عصرِ جدید کے سینکڑوں شکیتمان، شرمن، چرچل، سنٹورین، کینبرا، ویمپائر، ہنٹر، بگ اور مسٹیر بھی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

اگر سپاہ، سرمائے اور ساز و سامان کی فراوانی یا ایٹم بم کا خوف، انسان کی روح سے پھوٹنے والی آزادی کی اُمنگ کو مسخر کر سکتے تو آج ویت نام، کوریا، کیوبا اور کشمیر نام و نشان تک مٹ چکا ہوتا۔ زندگی کا رنگ اُڑا دینے والے آتش بار اسلحہ کو فتح کی آخری منزل تک روبکار لانے کے لیے عزم و ایثار کی ضرورت ہے۔

عزم و ایثار — جو بُت پرستوں کے حصّے میں کبھی نہ آیا۔

راگ رنگ، حرص و ہوس اور مکر و فریب جس قوم کے مذہبی ارکان ہوں،

Marfat.com

ارض و سما کا کوئی عذاب ایسے خلوص اور مروت کا مفہوم نہیں سمجھا سکتا۔ ضرورت ایک ایک چیز پہ اجارہ داری۔ ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری نے ہزارہا سال سے چار طبقوں میں بٹے ہوئے فرسودہ، کرم خوردہ معاشرے کی مصنوعی وحدت کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ دانے دانے کے لیئے اپنی اولاد، عزت و عصمت تک بیچ کھانے والی قوم اخلاقی طور پر ختم ہو چکی تھی۔

یہ یکم ستمبر تک — اِس زمانے کی بات ہے جب پاکستان سے سمگل کیئے ہوئے اناج کی مطلوبہ مقدار سرحد کا باریک ساخط پار کر کے وقت پہ بھارت پہنچ جاتی تھی۔ اِس تاریخ کے بعد کیا ہوا؟ بھارت کے وزیرِ خوراک سے پوچھیئے وہ پہلے روز سے لے کر جنگ کے دوران اور فائر بندی کے بعد بھی حملے کی شدید مذمت کرتے رہے!

آریاورت کی فضاؤں میں سرسرانے والی یہ آوازیں سرحد پہ صف آرا سورماؤں کو صاف سنائی دیتی تھیں۔ ماں باپ اور بیوی بچوں کی طرف سے آنے والے ہر خط میں گیہوں کی نایابی اور راشن بندی کی پریشانیوں کا رونا رویا جاتا۔ مٹھی بھر دانے حاصل کرنے کے لیئے بوڑھی عورتوں اور معصوم بچوں کو بھی راشن ڈپوؤں کے سامنے رات رات بھر قطار میں کھڑے انتظار کرنا پڑتا۔

یہ قطاریں لاہور اور سیالکوٹ میں بھی لگ رہی تھیں لیکن دونوں کے مقصد میں عرش اور فرش کے ناقابلِ عبور فاصلے حائل تھے "بھارتی کنیائیں" اپنے خون کی روانی برقرار رکھنے کے لیئے راشن ڈپو کے سامنے قطار لگائے کھڑی تھیں اور پاکستانی خواتین اپنا خون پیش کرنے کے لیئے ہسپتالوں کے سامنے۔

Marfat.com

بے شک ! الفاظ کی نسبت عمل ہمیشہ اُونچی آواز میں بولتا ہے۔

آواز تو سرحد پر دہاڑنے والی بھارتی بیڑلویں اور بمباروں کی بھی خاصی اونچی تھی، لیکن بے عمل ! ایسٹ بنگال رائفلز کے میجر خالد کا کہنا ہے "میں اپنی کمپنی کے ساتھ محاذ پر پہنچا ہی تھا کہ پہلو بہ پہلو سات بھارتی توپوں نے "ریپڈ فائر" کھول دیا پورے ایک پہر کی لذھا دھند بمباری کے باوجود جب ہمارے محاذ پر پھیلے ہوئے تنکوں اور گرد و غبار کے ذروں میں خفیف سا ارتعاش بھی پیدا نہ ہوا تو میں مورچے سے نکلا۔ توپوں کے گولے اور گھن گرج۔ اپنی اپنی جگہ سب کچھ ٹھیک تھا لیکن یہ کہ دشمن واقعی آتشبازی کر رہا تھا۔ یا میرے بچے عید میلاد کی خوشی میں پھلجھڑیاں چھوڑ رہے تھے، واللہ اعلم بالصواب !"

پی اے ایف سٹیشن سرگودھا کے آس پاس بسنے والے کیسانوں کی نظریں فائر بندی کے بعد بھی مشرقی پنجاب پر لگی رہیں۔ اگر انڈین ائیر فورس کے حملے چند روز اور جاری رہتے تو انہیں کرائے پر ٹریکٹر منگانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

یہ لوگ دن بھر کھیتوں میں کام کرنے کے بعد سر شام حقے اور چارپائیاں اٹھاتے اڈے کے اندر آتے اور پاؤں پسار کر چین کی نیند سو جاتے۔ انہیں یقین تھا کہ جھونپڑیوں کے بجائے "رن وے" کے آس پاس سونا زیادہ محفوظ ہے جہاں بھارتی بمبار غلطی سے بھی کوئی بم نہ گرا سکے !

لیکن پٹھان کوٹ کی "کہانی" کچھ اور ہے۔ اپنی مرضی کے ٹھکانوں پر دل کھول کر بمباری کے بعد فلائیٹ لیفٹیننٹ یونس نے اپنے اڈے کی طرف رُخ پھیرا ہی تھا

کہ طیارہ شکن توپ کے گولے کا ایک ٹکڑا اس کے سینے میں آ لگا اور زخم کھاتے ہی وہ دوبارہ پٹھان کوٹ کی طرف پلٹا۔

فلائٹ کمانڈر نے پوچھا! "کیا بات ہے؟"

"زخمی ہو گیا ہوں۔"

"فوراً سرحد کا رُخ کرو اور ٹھیک دس منٹ بعد پیرا شوٹ سے اپنے علاقے میں کود جاؤ!"۔

چند لمحے پہلے یہ خیال خود اِس کے اپنے ذہن میں بھی آیا تھا، لیکن اس طرح اس کا وفادار سیبر نیچے گر کر بیکار تباہ ہو جاتا۔

"نہیں!" شہادت کے لیئے بیتاب ہوا باز نے جواب دیا! "جب میرے سیبر کی قسمت میں موت ہی لکھی ہے، تو پھر کچھ اور دشمن جہازوں کو لے کر کیوں نہ مرے!" کہتے ہی طوفان کی طرح اِس مینگر پر ٹوٹا جہاں کئی مِگ اور مسٹیئر چھپے کھڑے تھے۔ اِس کے بعد کیا ہوا صرف پٹھان کوٹ ہی جانتا ہے۔!

سترہ روزہ معرکہ کارزار کی ساری کہانیاں تو شاید سترہ برس میں بھی بیان نہ ہو سکیں۔ کیونکہ یہ صرف دو محاذوں یا دو ملکوں کی نہیں، دو مختلف قوموں، نظریوں، تہذیبوں اور مذہبوں — کفر و اسلام — کے تصادم کی کہانیاں ہیں۔ پوری تیرہ صدیوں کے بعد تاریخ ایک بار پھر اپنے آپ کو دہرا رہی تھی اور اب کے — بڑی اُونچی آواز میں دہرا رہی تھی۔!

Marfat.com

اقوامِ متحدہ کے سکریٹری جنرل مسٹر اوتھان نے دلّی اُترتے ہی حکومت پاکستان کی تین نکاتی تجویز شری شاستری کے سامنے رکھ دی۔ اگر اونچی ناک والے بھارتی سربراہ اپنی قوم کے ذرّہ بھر عجز و انکسار ہوتے تو اس منصفانہ تجویز کو بے چون وچرا تسلیم کر کے بھارت دیش کا صدیوں پرانا دلدّر دور کر دیتے، لیکن پاکستان کو بزورِ شمشیر فتح کرنے کا نشہ اِس قدر سرکش تھا کہ بھو کی بھارت ماتا کی آہیں اور آنسو بھی اسے اُتار نہ سکے۔

آج یہ آسانی سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ بھارتی نہرو کو مدہوش کرنے والا جام ہمارے دوستوں ہی نے پیش کیا تھا۔ ہم اپنے کے یہ ہاتھ کئی بار پہلے بھی دیکھ چکے تھے۔ یہ کتنے لمبے اور مضبوط تھے، ہمیں معلوم ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی پوری قوم کو فخر ہے کہ اِن دوستوں نے بھی پاکستانی مجریہ کے ہاتھ اچھی طرح دیکھ لیئے۔

بی۔ بی۔ سی اور "وائس آف امریکہ" ساری دُنیا کو بتا رہی تھی کہ جنگ کے دوران متحارب ملکوں کی فوجی امداد معطل کر دی گئی۔ لیکن بھارت کو نئے کی موت سے بچانے کے لیئے اناج کی ترسیل بدستور بحال رہی اور اِس "مہین گندمی" پردے میں دلّی کو وہ سب کچھ ملتا رہا جس کی اسے ہر محاذ پہ سخت ضرورت تھی۔

جنرل چودھری نے اپنے رگوں، مسٹیروں اور شکتیمانوں کے سینے پر پاکستانی توپچیوں اور عقابوں کی پے در پے کاری ضربوں کے بعد اِن چیزوں کی خاص طور پہ درخواست کی تھی۔ لیکن ہائے رام! اِس مُوثر ہا مطلوبہ گولا بارود

Marfat.com

کی بروقت بہمرسانی کے باوجود وہ آریاورت کے ماتھے کو ذلت کے اُمٹ داغ سے بچانے میں کامیاب نہ ہوُا۔

اوراب یہ راز پوری دنیا پہ فاش ہو چکا تھا کہ بھارتی فوجی برتری کا راج محل پیوندِ زمین کئے بغیر برِّ صغیر میں مستقل قیامِ امن کی کوئی کوشش کبھی بارآور نہیں ہو گی۔ دِلّی سے نیویارک روانہ ہوتے وقت اوتھان کے مایوسانہ لہجے نے اِس خیال کو تقویت پہنچائی۔ بھارت کشمیر کے سوال پر ایک لفظ بھی سننے کا روادار نہ تھا اور پاکستان بھی وادی میں رائے شماری سے کم کسی دوسری تجویز پر غور کرنے کو ہرگز تیار نہیں تھا۔

یہ دو غلا پن آریہ ورت کو شیو جی مہاراج سے ترکے میں ملا تھا۔ لیکن دنیا کی خوش قسمتی ہے کہ بھارت سرکار کی دورخی پالیسی امریکہ سمیت پوری دنیا پر بے نقاب ہو گئی۔

جنگ کا حل تلاش کرنے والے حفاظتی کونسل کے خاص اجلاس میں بھارت کے وزیر خارجہ سردار سورن بار بار ہکلائے "میری حکومت تو یہ آس لگائے بیٹھی تھی کہ امن و انصاف کا علمبردار ادارہ پاکستان کو حملہ آور قرار دے گا۔ لیکن آپ تو الٹا کشمیر کو موضوعِ بحث بنانے پر تلے بیٹھے ہیں۔ اب میرے سامنے صرف ایک ہی دروازہ کھُلا ہے۔ وہ یہ کہ میں اِس محفل ہی سے اُٹھ کر چلا جاؤں!"

بھارتی وفد کی اِس سترہ سالہ گھسی پٹی ادا سے ایک ایک نمائندے کی طبیعت سیر ہو چکی تھی وہ سردار جی کی دھمکی کو ایک خفیف سی مسکراہٹ میں

پی گئے اور پاکستان کے وزیر خارجہ سے درخواست کی "کہیئے ۔ آپ کیا کہتے ہیں ؟"

اُنہوں نے کہا !

میں معزز اراکین کی توجہ لمحے بھر کے لئے دُنیا کے نقشے پر مبذول کرانا چاہتا ہوں ۔ بھارت کو بھی دیکھئے، پاکستان کو بھی، دونوں کے رقبے، آبادی اور قدرتی وسائل کا موازنہ کیجئے۔ جس دس کروڑ بے وسیلہ قوم کے دونوں بازوؤں کے درمیان پینتالیس کروڑ ہندوؤں کی ہمالیہ جتنی چٹان، پورے ایک ہزار میل تک پھیلتی چلی گئی ہو، وہ بھارت پر حملہ کرنے کا خواب دیکھ سکتی ہے ؟

"سرنگاپٹم کے بعد دو سو سالہ غلامی کی بے دریغ قربانیوں سے حاصل ہونے والی آزادی اور امن کی قدر و قیمت ہمارے دِل سے پوچھئے ۔ یہ ایسی چیزیں نہیں جنہیں کوروؤں کی طرح داؤ پر لگا دیا جائے ۔ ہم نے اپنے محدود وسائل، بچوں کے مستقبل کی تعمیر کے لئے وقف کر رکھی ہیں ۔ ہمیں سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں، ہسپتالوں، کارخانوں، مکانوں، روئی اور کپڑے کی ضرورت ہے"۔

"ہم دوسروں پر حملہ کر کے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے کے قائل نہیں ۔ لیکن اگر کسی نے ہمارے مستقبل کی تعمیر میں دخل دینے کی کوشش کی، تو ہم اسے اپنے راستے سے ہٹانا جانتے ہیں، جب

Marfat.com

ہم سربکف میدان میں اُتر آئیں تو الوعد اور اوقیانوس ہماری ہیبت سے سمٹ کر نقطہ بن جاتے ہیں — ایسا نقطہ، جسے ہماری تلوار کی نوک آسانی سے ڈھانپ لیتی ہے۔!

"مسلمان ہونے کی بنا پر پچاس لاکھ کشمیریوں کا مقدر پاکستان سے وابستہ ہے۔ صرف پاکستان ہی نہیں، بھارت نے بھی ٹھیک سترہ سال پہلے اسی ادارے کے سامنے اِن کا حقِ خود ارادیت تسلیم کیا تھا۔ ہم اپنے وعدے پر قائم ہیں اور بھارت کو بھی ایفائے عہد پر مجبور کر دینے کی قسم کھا چکے ہیں۔

"ہم اپنی امن پسندی کا ثبوت دینے کے لیے آخری بار اقوامِ متحدہ کا دروازہ کھٹکھٹانے آئے ہیں۔ آپ لوگوں کو قیامِ امن کے لیے موثر قدم اُٹھانے کا کوئی اور موقع پھر کبھی ہاتھ نہ آئے گا یقین کیجئے، اگر وادی میں فوری طور پر رائے شماری کا انتظام نہ کرایا گیا تو ہم ایک ہزار سال تک بھی جنگ جاری رکھیں گے!"

وزیرِ خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کی تقریر کے بعد اقوامِ متحدہ کے در و بام پر سکتہ طاری ہو گیا۔ انہوں نے سرد سُنس چرچل کے بعد پہلی مرتبہ آنسوؤں کی نمی دیکھی، ان کی حدّت محسوس کی تھی۔ امن کے اجارہ داروں نے کنکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ بھارت کے حملے نے مسلمان کو صدیوں کی گراں خوابی سے جگا ڈالا تھا۔ اس کے ماتھے کے بل تیرہ سو سالہ تاریخی شاہراہوں کی طرح ہموار

Marfat.com

تھے اور اس کی آنکھوں سے پھوٹنے والی روشنی نے سینکڑوں برسوں تک مستقبل کی منزلیں منور کر دی تھیں۔

جس ہمالیہ قامت بھیڑیے کو مغربی دُنیا کی فوجی امداد نے شیر بنا رکھا تھا، اس کی گنگا جمنا جتنی لمبی چوڑی دھاریوں کے رنگ اُڑ چکے تھے اور اس سے پہلے کہ پاکستانی عقاب یہ مصنوعی کھال اُتار کر اسے ہمیشہ کے لیے ننگا کر دیں، کوئی مؤثر قدم اُٹھانا ناگزیر تھا۔

امریکی نمائندہ مسٹر گولڈ برگ افریقی اور ایشیائی ملکوں کے ترجمانوں کا دل ٹٹولنے لگا! "تصفیہ کشمیر کے بغیر بھارت کی نجات کے سارے دروازے بند ہو گئے!"

یہ لوگ یکم ستمبر ہی سے انہی خطوط پر غور کر رہے تھے۔ حکومت پاکستان کی تین نکاتی تجویز نے ساری مشکلیں آسان کر دیں۔ اب صرف ایک رکاوٹ باقی تھی! اگر ہندوستان اس تجویز کی آخری مشق ـــــ تنازعہ کشمیر کو سلجھانے سے بدستور دامن بچاتا رہا تو ـــــ کیا، ایسی صورت میں اقوامِ متحدہ مسلح مداخلت پر آمادہ ہو جائے گا۔؟"

Marfat.com

پچیسواں باب

مُعلق تلوار

فریدہ کے سانسوں سے مہکے ہوئے ماحول میں پہلے سالنس ہی نے صدیوں کی محرومیوں کے داغ دھو ڈالے۔

نوبتوں پر پُرجوش ترانے، کامرانی کے کیف سے سرشار خبریں، جنگ کے نشیب و فراز پر بریگیڈیئر خان، کرنل عباسی اور سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم سے دلچسپ طویل مباحثے، بیگم عباسی اور پروفیسر رضیہ کی پُرخلوص دُعائیں اور سسٹر ممتاز کے دو معنی، گہرے، سنجیدہ قہقہے کیپٹن صادق کو میدانِ جنگ سے اچانک ایک نئی دنیا میں کھینچ لائے تھے۔

لیکن دو ہی روز کے اندر اندر یہ نئی دنیا اپنی تمام نیرنگیوں سمیت مفہوم سے عاری ہو گئی اور صرف ایک چیز — کیپٹن صادق کے ذہن پہ چھائی ہوئی تاریکیاں دوامی رنگ اختیار کرتی چلی گئیں۔ وہ محسوس کرنے لگا کہ جس چیز کو اسلم نے بے چینی۔ معنی خیز، دھندلی، کہر آلود صبح سے تعبیر کیا تھا وہ اصل میں کیپٹن صادق

Marfat.com

کی روح سے اُمڈنے والی تاریکیوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

یہی احساس اذیت بن کر اس کے ہونٹوں پہ آلبسا اور اس کے پس پردہ تڑپنے والی حسرت فریدہ سے زیادہ دیر تک چھپی نہ رہی۔ سچ پوچھیں تو کیپٹن صادق کی یہی حسرت۔ اِس کے شعور کا ناسور بن گئی۔ وہ اپنی آنکھوں سے اِس کا رستا ہوا مواد بار بار پونچھنے کے باوجود اس کی موجودگی کو بڑے عزم و اعتماد کیساتھ نظر انداز کرتی رہی، صرف اِس لئے کہ اِس کے تصور ہی سے اس کی روح کانپ اُٹھتی۔

لیکن ایک رات وہ بے درد لمحہ اچانک سر پہ آگیا جس سے فریدہ بڑی عاجزی کے ساتھ گریز کرتی چلی آرہی تھی۔ آج کیپٹن صادق کے غیر متوقع سوال نے فرار کے سارے راستے بند کر دیئے تھے۔ اس نے فریدہ سے پوچھا!

"کمرے میں روشنی ہو رہی ہے؟"

فریدہ نے بیتابی سے پلٹ کر اسے دیکھا اور اس بات میں سر ہلایا۔

کیپٹن صادق اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر بلا سوال کرتا چلا گیا! "دریچہ کھلا ہے نا؟ اور لان میں رنگا رنگ پھول اور پتیاں، بیل بوٹے چاندنی کا غسل کر رہے ہوں گے"

فریدہ خاموش اور مبہوت بیٹھی اسے تک رہی تھی۔ کیپٹن صادق کی آواز بتدریج تیز اور بلند ہوتی چلی گئی! "فری! اِس وقت چاندنی کا کونسا رنگ ہے! تمہاری قسم! بہت چیزیں بھولتا چلا جا رہا ہوں۔ تمہاری صورت تو یاد تک نہیں آتی۔ خدا کے لیے میری آنکھوں سے پٹیاں ہٹاؤ۔ میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔

Marfat.com

ہوں، جی بھر کر، اِس کے بعد اگر قیامت تک میری صبح نہ ہو تو کبھی شکایت نہ کرونگا"۔

زخمی سپاہی کا ایک ایک لفظ گرم نشتر بن کر اس کے دِل میں اُترتا چلا گیا اور اپنی ایک ایک آہ پیتی، گم سم بیٹھی دریچے کے پار بے مقصد گھورتی رہی جس آتش فشاں کا پل پل کھٹکا لگا رہتا تھا۔ بالآخر اچانک پھٹ پڑا۔ اس نے ایک اجنبی، ہیجانی کیفیت کے زیر اثر اپنے دونوں بازو ہوا میں لہرائے اور بے اختیار پکار اُٹھا "فریدہ! کہاں ہو؟ کچھ تو کہو۔ تمہاری خاموشی میری قسمت پر چھائی ہوئی تاریکیوں کا بوجھ بڑھا رہی ہے"۔

فریدہ کے ہونٹ کپکپائے "کیا کہوں؟"۔

"کچھ نہ کہو، پر اتنی بے درد تو نہ بنو۔ آؤ، میری آنکھوں کی پٹیاں کھول دو!"

"میں کل آئی سپیشلسٹ سے ایک بار اور التجا کروں گی"۔

"التجا نہیں، اسے میری طرف سے کہنا! میں فوج کے قانون کو اچھی طرح سمجھتا ہوں دُنیا کی کوئی طاقت میری مرضی کے خلاف مجھے اپنے علاج پہ مجبور نہیں کر سکتی"۔

اور جب اگلے روز آنکھوں کا ماہر معمول کے مطابق گشت پہ آیا تو فریدہ نے کیپٹن صادق ہی کا فقرہ دہرایا۔ ڈاکٹر دیر تک خاموش کھڑا سوچتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھا! "اِس وقت نہیں سسٹر، بہت سے اپریشن کرنے ہیں۔ پچھلے پہر یاد دلائیے گا"۔

پچھلے پہر غروب آفتاب سے ذرا پہلے جب وارڈ کے ذرّے ذرّے سے بے آواز دھندلکے اُبل پڑے، ڈاکٹر نے پٹی کھولی اور کیپٹن صادق نے اپنے

Marfat.com

چہرے پر تازہ ہوا کے جھونکے محسوس کرتے ہی آنکھیں کھول دیں۔ کمرے میں ایسا سناٹا چھایا تھا کہ فریدہ کے دِل کی دھک دھک اسے صاف سنائی دے رہی تھی۔ اس نے سب سے پہلے اسی آواز کے تعاقب میں دائیں دیکھا، پھر بائیں اور جب اِس کے سامنے چھائی ہوئی تاریکیاں کم نہ ہوئیں تو بڑی وارفتگی کے ساتھ انہیں ہاتھ سے ٹٹولنے لگا۔

ڈاکٹر اپنا سر ہلاتا باہر نکلا ہی تھا کہ سکوت میں ڈوبا ہوا کمرہ فریدہ کی چیخ سے گونج اُٹھا، کیپٹن صادق نے تیزی سے اپنے بازو پھیلائے "فریدہ!" ناقابلِ تسخیر جذبے سے پکارا! اِدھر آؤ، میرے قریب، اور قریب!"

فریدہ ٹوٹی ہوئی ٹہنی کی طرح اِس پر گر پڑی۔ وہ اپنی سسکیاں پینے کی کوشش کر رہی تھی اور کیپٹن صادق اسے بہلانے کی "فری! میں تمہیں محسوس کر رہا ہوں۔ میں تمہیں اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے — کاش! یہ آنکھیں مجھے بہت پہلے ملی ہوتیں"

اور اِس کے ساتھ ہی فریدہ نے اپنے ہونٹوں سے اِس کے ہونٹ ڈھانپ لئے۔

○

رات بھیگ چلی تھی۔

ہر چیز سو رہی تھی۔ صرف دو پُراشتیاق، بے چین سانس سرسرا رہے تھے۔

Marfat.com

فریدہ اور کیپٹن صادق کے سانس آزمودہ کار سپاہی دھوکا کھا گیا۔ وہ سمجھا، فریدہ سو رہی ہے۔ بدنصیب فریدہ! ذرا دیر بعد فریدہ کی بدنصیبی کیپٹن صادق کے ہونٹوں پر سنیہ کو بی کرنے لگی اور اِس کی اذیت محسوس کرتے ہی فریدہ تڑپ اُٹھی۔!

"صادق! اب یہ کیسی بے چینی ہے؟"

اِس غیر متوقع وار نے تاجدار کے کمانڈر کو بدحواس کر دیا۔ وہ ہکلایا!

"نہیں، کچھ نہیں بالکل کچھ نہیں!"

آپ اس بات کو کیسے چھپالیں گے جو میرے دل میں پروان چڑھی۔ آپ لاکھ چپ رہیں۔ آپ کی نبض بتا دے گی اور اس وقت مجھے بہت دُکھ ہوگا۔"

"فریدہ! جو شخص اپنے آپ کو نہ دیکھ سکے اِس کی مایوسیاں، محرومیاں، تنہائیاں ــــ معاذاللہ! بقول جبر میں اپنے ماضی سے کٹ گیا، مستقبل سے بھی۔ اب میں ایک ایسا ذرّہ ہوں جو بگولے سے شہ پاکر اُڑا اور اپنی منزل سے بھٹک گیا۔"

فریدہ دیر تک خاموش بیٹھی دریچے کے پار کائنات کی ہیبتناک وسعتوں میں بے مقصد گھورتی رہی، پھر بولی! "اب آپ یقیناً چائے پینا چاہیں گے۔!"

"اس وقت تو زہر پینے کو جی چاہتا ہے۔"

"کیوں؟"

"تم اچھی طرح سمجھتی ہو۔"

"خدا کے لئے مجھے سمجھنے کی کوشش کریں صادق۔ اب آپ تمام تر میرے ہیں، سر سے پاؤں تک میرے، مجھ جیسی خوش نصیب عورت دنیا نے شاید ہی دیکھی ہو۔"

Marfat.com

فریدہ کو ہیٹر کی طرف سرکتا محسوس کر کے کیپٹن صادق چپ رہا۔ فریدہ نے کیتلی ہیٹر پر رکھی۔ کیپٹن صادق کو دیکھا اور بے اختیار مُسکرا اُٹھی۔ وہ جس خیال کے زیرِ اثر مُسکرائی تھی، ذرا دیر بعد وہ لفظوں میں ڈھل گیا! "آپ میرے وطن کی نئی تاریخ کا دیباچہ ہیں کیپٹن!"

فریدہ کے عزم و ایثار نے کیپٹن صادق پر خوشگوار اثر ڈالا اور وہ اپنے لمحہ بھر پہلے کے جوش کی معذرت کرنے لگا! "فری! تم نے بالآخر مجھے سپاہی بنا ہی ڈالا۔ میں یہ فیصلہ تمہارا پیغام ملتے ہی کر چکا تھا۔ شکر ہے اپنے وعدے پر پورا اُترا۔

"اور میرے فخر کا سرمایہ بن گئے!"

"اب تم وہاں مزے سے بیٹھی باتیں نہ بناؤ، چائے لاؤ، چائے ——— جلدی۔!"

پھر جب وہ چائے کے بعد اطمینان کے ساتھ سگریٹ پی چکا تو فریدہ بات کا عنوان ٹٹولنے لگی! "کیپٹن! آپ اِس جنگ کا کوئی اچھوتا، انوکھا واقعہ بیان کریں ——— ایسا واقعہ جس نے آپ کو متاثر کیا ہو!"

"پھر ایک اور چائے پلانی پڑے گی۔"

"اگر بات پسند آگئی تو دو پلاؤں گی۔"

کیپٹن صادق مسکرایا! "یہ تقریباً آدھی رات کا ذکر ہے۔ میں اپنے دستے کے ساتھ ایک ایسے گاؤں میں داخل ہوا جہاں رہنے والی ایک لڑکی کی آواز تو میں پہچانتا تھا لیکن اس کی صورت ——— !"

Marfat.com

"یہ بات میں نے سن رکھی ہے!" فریدہ نے اسے ٹوکا۔

"کس سے؟"

"خود اسی لڑکی سے جس کی آواز تو آپ نے واقعی پہچان لی لیکن خود اسے نہ پہچان سکے۔"

"پھر اس سے زیادہ اچنبھے کی اور کون سی بات ہو گی۔"

"میرا مطلب ہے کوئی سچا، پُر تاثیر، دل میں اُتر جانے والا واقعہ!"

"تو پھر سنو۔" کیپٹن صادق نے سگریٹ کا کش لیا اور دیر تک خاموش پڑا آہستہ آہستہ اس کا دھواں چھوڑنے لگا۔ "یہ بھی ایک سرحدی گاؤں کا واقعہ ہے۔ اِس وقت سورج ہمارے سر پہ پہنچ کر دم لے رہا تھا۔ ہمیں اس گاؤں پہ قبضہ کرنے کا حکم ملا۔ حکم کی تعمیل کے بعد ہم نے دشمن کی تلاش میں گاؤں کا کونا کونا چھان ڈالا۔ ایک تنگ تاریک کوٹھڑی میں ٹیڑھے میڑھے سٹرن کے آرپار مجھے ایک خاتون بے حس پڑی نظر آئی۔ میں آگے بڑھا، پھر جیسے ہی میری آنکھیں تاریکی سے مانوس ہوئیں۔ ایک معصوم، دودھ پیتا بچّہ ماں سے لپٹا دِکھائی دیا۔ میں اور آگے بڑھا۔ بچّہ چین سے پڑا سو رہا تھا۔ کاش! اسے معلوم ہوتا کہ اس کی ماں دشمن کی گولی کا نشانہ بن چکی۔ ذرا دیر بعد اس کے پھول سے رُخساروں پہ آنسوؤں کے داغ میرے لیے جلی الفاظ میں بہت بڑا سوال بن کر اُبھرے۔"

"کون سا سوال؟"

"یہ کہ میرے بعد دوسرے بچّوں کی مائیں بھی اس طرح چھنتی رہیں گی؟"

"نہیں، نہیں۔" فریدہ بے اختیار پکاری! "آپ نے کہہ دیا ہوتا، نہیں،

کبھی نہیں!"

"میں نے کہہ دیا تھا اور غالباً قسم کھا کر۔"

"آپ، کی قسم پوری قوم کی قسم ہے اور پوری ہو کر رہے گی۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی سُن کر کیپٹن صادق کے کان کھڑے ہوئے اور فریدہ رسیور منہ سے لگاتے ہی بولی! "السلام علیکم بریگیڈیئر صاحب!"

"کیا ہو رہا ہے؟"

"ماں بیٹے کی کہانی!"

"اور کنوارا باپ یقیناً خوشبودار سگریٹ پڑا پھونک رہا ہوگا۔" بریگیڈیئر خان کے قہقہے کی آواز کیپٹن صادق نے بھی سُن لی۔ بریگیڈیئر کمانڈر قدرے توقف کے بعد بولا! "بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟"

"آج تو میں آپ سے بھی دو باتیں سنوں گی۔"

"نہیں ایک، اور ہاں! کوئی سُن تو نہیں رہا؟"

فریدہ نے مُسکرا کر کیپٹن صادق کو دیکھا! "نہیں، کوئی نہیں!"

"تمہیں سلام کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

"تو پھر روک کس نے رکھا ہے؟"

"وقت نے، سسٹر، وقت نے۔ میں کل صبح سویرے آ رہا ہوں۔"

"شکریہ! اب ذرا اِن سے بھی بات کر لیجئے۔" فریدہ نے ایک بار پھر کیپٹن صادق کو دیکھا! "وہ مجھے بُری طرح گھور رہے ہیں۔" کہتے ہی اِس نے رسیور اس کے حوالے کر دیا۔

کیپٹن صادق بولا! "آپ کے انتظار میں میرے کان سارا دن دروازے پہ لگے رہے۔"

"کان؟ اب تم میدانِ جنگ میں نہیں کیپٹن۔ یہ آنکھوں سے کام لینے کا زمانہ ہے" بریگیڈیئر خان فوراً سنبھلا "اوہ، ہاں! شاید ابھی تک تمہاری آنکھوں کی پٹی نہیں کھلی۔ سچ پوچھو تو میں جان بوجھ کر نہیں آیا۔ اور تمہیں اس وقت نتھرا چھٹکا پاکر ندامت سی محسوس کر رہا ہوں۔ کیپٹن صادق! تم سچ مچ روائتی سپاہی ثابت ہوئے۔ یہ اور بات ہے کہ روائتی سپاہی کے متعلق تم نے ہمارے عمر بھر کے محتاط اندازے کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔"

"عمر بھر کا محتاط اندازہ؟"

"ہاں، ہاں، محتاط اندازہ۔ لیکن اس کے معنے مجھے نہیں آتے حالانکہ لیفٹیننٹ اسلم پورا ایک گھنٹہ میرے پاس بیٹھا مغز مارتا رہا۔"

"اوہ، میں سمجھ گیا۔"

"تو پھر کل ذرا بیج اور بٹن چمکائے رکھنا۔"

"سر، اب یہ فریدہ کی ذمہ داری ہے!"

بریگیڈیئر خان نے قہقہے کے ساتھ ٹیلی فون بند کر دیا۔ فریدہ بولی "میں اپنی تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو چکی۔ اب آپ کے سوا میری اور کوئی ذمہ داری نہیں۔"

"بیج اور بٹن بھی میرے ہی تو ہیں — یہ ایک فوجی اصطلاح ہے فریدہ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کل کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔"

"کیا ـــ کہاں ؟"

"یہیں، ہسپتال میں !"

"خدا کے لیئے مجھے ٹھیک ٹھیک بتایئے "

"کل بریگیڈیئر خان تمہیں کوئی خوشخبری سنانے والے ہیں اور اب تم اپنا وعدہ پورا کرو "

"کونسا وعدہ ؟"

"چائے کی دوسری پیالی کا"

انجمن ترقی عامہ لاہور
دارالمطالعہ
391
کتاب نمبر
1102

صبح سویرے ممتاز نے کمرے میں قدم رکھتے ہی خوشخبری سنائی "کمانڈر اِن چیف گھنٹے بھر میں آنے والے ہیں" اِس نے باری باری فریدہ اور کیپٹن صادق کے چہرے پر نگاہ ڈالی ! دولہا بھائی کو بہت بڑا تمغہ لگنے ۔ بس آپ لوگ فوراً تیار ہو جائیں !"

ذرا دیر بعد فریدہ کمرے کی جھاڑ پونچھ سے فارغ ہوئی ہی تھی کہ کمانڈر ان چیف کی کار ہسپتال میں داخل ہوئی ۔ فریدہ دریچے سے جھانکنے لگی ۔ کمانڈر ان چیف کے ساتھ دوسرے افسروں میں کرنل عباسی اور سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم بھی شامل تھے ۔ بریگیڈیئر خان اِن کی رہبری کر رہا تھا ۔ آج اِس کے ہونٹوں پہ "تاجدار" کی کامیابیوں کے بیسیوں افسانے تھرک رہے تھے ۔

Marfat.com

اس نے کمرے میں قدم رکھتے ہی کیپٹن صادق کو کمانڈر انِ چیف سے متعارف کرایا! "حوالدار ہردیال!"

حوالدار ہردیال کا نام سنتے ہی راجپوت راسالدار میجر کے ٹرانزٹ کیمپ میں گزرا ہوا ایک ایک لمحہ طوفانی لہروں کی طرح ایک دوسرے پہ چڑھتا اور پیچ و تاب کھاتا کیپٹن صادق کے شعور میں طوفان جگانے لگا۔ اس نے سالار اعلیٰ کا استقبال کرنے کے لیئے سپاہی کی سی شان سے اپنا کندھے تک زخمی بازو اوپر اُٹھایا! "السلام علیکم سر!"

سی ان سی سے کیپٹن سے مصافحے کے لیئے ہاتھ بڑھایا اور جب خاصی دیر گزرنے کے بعد بھی سپاہی کا پُر اشتیاق ہاتھ سالارِ اعلیٰ کے ہاتھ کو چھُونے سے قاصر رہا تو صرف سی ان سی نہیں، قطار کے آخری سرے پہ اِس سادہ و پُر کار تقریب کا نظارہ کرنے والے سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم تک تمام افسروں کی نگاہیں کیپٹن صادق کے ہاتھ اور چہرے پر جم گئیں۔ سی ان سی نے بریگیڈیئر خان کو سوالیہ نظروں سے دیکھا — ایسی نظروں سے جو بڑی اُونچی آواز میں کہہ رہی تھیں! بریگیڈیئر خان! آپ نے تعارف کرانے سے پہلے ہمیں یہ کیوں نہ بتایا کہ "تاجدار" کے کمانڈر کی آنکھیں.....!

سی ان سی اور بریگیڈیئر خان کے خیالوں کی آواز سُن کر فریدہ نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اسے کیپٹن صادق کی وہ بے چینیاں یاد آگئیں جو صبح ازل کے اندھیروں میں حل ہو کر صادق کے درخشاں مستقبل کی جگہ لے بیٹھی تھیں۔

سالارِ اعلیٰ نے آگے بڑھ کر سپاہی کا ہاتھ تھام لیا! "ہیلو کیپٹن، آپ کی

Marfat.com

طبیعت کیسی ہے ؟"

"ایک مستقل ندامت سر!"

"کس چیز کی ندامت ؟"

"آئندہ کسی معرکے میں شامل نہ ہو سکنے کی"۔

سی ان سی نے بڑے پیار سے اس کا ہاتھ دبایا! "آپ جیسے جانباز سپاہیوں کا عزم و استقلال روشنی کا مینار بن کر مستقبل کے مسافروں کو راستہ دکھاتا رہے گا" پھر انہوں نے جیب سے "ہلالِ جرأت" نکال کر سپاہی کے سینے پر لگایا! "مبارک ہو کیپٹن! آپ لوگوں نے دو صدیوں کی وہ پیاس بجھا ڈالی جس نے نرگا پٹم کے بعد برصغیر کی تاریخ پر موت کا سکتہ طاری کر رکھا تھا۔ آپ جیسے ایثار پیشہ سپاہیوں پر قوم جس قدر ناز کرے۔ کم ہے!"۔

تمغہ آویزاں کرنے کے بعد بھی کیپٹن سے مصافحہ کے لیئے سی ان سی ہی نے پہل کی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں کر بولے! "کچھ اور کیپٹن ؟"۔

"اس ذرّہ نوازی کا شکریہ سر!"۔

پھر سی ان سی بریگیڈیئر خان کو ساتھ لے کر دوسرے زخمیوں کی طرف چل دیئے لیکن کرنل عباسی اور اسلم پتھر کا بت بنے کیپٹن صادق کے دائیں بائیں خاموش کھڑے گئے۔ انہیں اس بات کا دکھ تھا کہ اس کی بینائی کے چلے جانے کا غم کس طرح ظاہر کریں۔

سسٹر ممتاز چائے کی ٹرے اُٹھائے حسبِ معمول ہنستی مسکراتی ——

اندر آئی۔ کیپٹن صادق پر جھک کر "ہلالِ جرأت" کو غور سے دیکھا اور خوشی سے

Marfat.com

چہکی "مبارک ہو دولہا بھائی" اس نے عادت کے مطابق کسی اور کو بات کرنے کا موقع نہ دیا اور فریدہ کو دیکھ کر منہ بسورنے لگی "ارے — تمہارا تمغۂ خدمت کہاں گیا؟"

کیپٹن صادق بولا "مجھے بلالِ جرأت دے کر پاک فوج نے اصل میں فریدہ ہی کی کامیابیوں کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے!"

"معاف کیجئے کیپٹن بھیا" ممتاز برابر مسکرا رہی تھی "آپ اس جذباتی فریدہ کی بات کر رہے ہیں جو سی ایم ایچ کی نرس ہے یا اس فولادی فریدہ کی جس نے جنگ کے ہر میدان میں آپ کا ساتھ دیا"

وہ ممتاز کو سمجھانا چاہتا تھا کہ یہ ایک ہی چیز کے دو مختلف روپ ہیں سسٹر لیکن "فریدہ" کی یاد نے نہ جانے اسے کہاں پہنچا دیا تھا۔ کرنل عباسی اور اسلم دیکھ رہے تھے کہ وہ "تاجدار" کے کمانڈر کی روائتی شان کے ساتھ زندگی کی انتہائی تلخ حقیقتوں سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اب صرف ضرورت اس بات کی تھی! سپاہی کو اس بھاری قیمت کی یاد نہ دلائی جائے جس کے عوض وہ نہایت شاندار کامیابیاں خرید چکا ہے۔

پھر وہ آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے کو سمجھانے صادق کے اردگرد بیٹھ گئے اور چائے کا دور چلنے لگا۔ کیپٹن صادق اپنے سینے پہ "ہلالِ جرات" کا کیف پرور بوجھ محسوس کرتے ہی اسے ٹٹولنے لگا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ تمغے کو اپنے قریب اکوئپمنٹ میں اڑسا ہوا گرنیڈ سمجھ رہا ہو۔ وہ یقیناً میدانِ جنگ میں جا پہنچا تھا۔ لیکن جب اس کی نگاہیں کمرے کی تاریکیوں ہی میں الجھ کر رہ گئیں تو

Marfat.com

اِس نے ایک دَبی دَبی سی آہ بھری اور اَسلم کو یاد دلایا! "تم اس روز ٹیلی فون پر بے چین، کہر آلود، دھندلی سی صبح کا ذکر کر رہے تھے۔"

سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم نے بیتابی سے جواب دیا! "وہ بالکل عارضی سی کیفیّت تھی۔"

"تم بالکل ٹھیک سمجھے۔ میں اس وقت بھی تم سے یہی کہنے والا تھا۔ اب کوشش اِس بات کی کرنی چاہیئے کہ آئندہ طلوع ہونے والی صبح کے ماتھے پہ کہر اور بے چینی کا دھبّہ تک نہ لگنے پائے۔"

"اب اِس کا کوئی امکان نہیں۔" جوشیلے اسلم نے اسے یقین دلایا! "ہم نے ہر محاذ پر دُشمن کو اس طرح گھیر رکھا ہے کہ سینر فائر ——!"

"سینر فائر!؟" کیپٹن صادق کی چیخ سنتے ہی اسلم کو اپنی حماقت کا خیال آیا۔ کرنل عباسی تیزی سے بولا! "پسپائی کی جگہ اسلم کے منہ سے سینر فائر نکل گیا۔ وہ کہنا یہ چاہتا تھا کہ ہمارا گھیر اتوڑ کر دشمن کا ایک سپاہی بھی زندہ نہ جانے پائے گا۔"

"اسلم صاحب!" کیپٹن صادق ایک ایک لفظ پہ زور دینے لگا! "تم دشمن سپاہیوں کے چکّر میں کب سے پڑے؟ ارے بابا! ہمیں تو ان بھارتی توپوں کو ٹھنڈا کرنا ہے جن کے شعلے صرف پاکستان ہی نہیں، کشمیر کے مستقبل سے بھی اُلجھ رہے ہیں۔ ہمیں وہ تلوار بالآخر توڑنی ہی پڑے گی جو ہماری، ہمارے بچّوں کی گردنوں پہ پورے سترہ سال سے لٹک رہی ہے۔!"

کرنل عباسی بڑی مشکل سے اپنی آہ ضبط کرتا رخصت لینے کے انداز

میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اِس آواز کے سیاق و سباق پہ غور کر رہا تھا جو اکیلے صادق نہیں پوری قوم کے ایک ایک فرد، مرد، عورت اور بچّے کی آواز تھی — اِن لوگوں کی آواز جن کے مستقبل، سہاگ اور سپنے لُٹ چکے تھے۔

کرنل عباسی کے ساتھ سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔ فریدہ انہیں آج کے روز کھسکتے دیکھ کر بولی "آج تو ہم سب ایک ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔!"

اصل میں یہ دونوں افسر آج کا پورا دن انہی کے ساتھ گزارنے آئے تھے لیکن کیپٹن دتی کے بہکے ہوئے جذبات سے بے رحم زمانے کے رُخ و رفتار کی ناسازگاری آڑے آئی۔ کاش! پچاس لاکھ مظلوم کشمیریوں کی آزادی کے علمبردار سپاہی کو معلوم ہوتا کہ روس، امریکہ اور برطانیہ برِّصغیر میں امن قائم کرنے کے لیئے متحد ہو چکے تھے۔ پاکستان کی تاریخ جدید اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کرے گی کہ برلن میں داخل ہوتے ہی ایک دوسرے سے بگڑ جانے والے اتحادی پورے بیس برس کے بعد پہلی بار ایک دوسرے سے متحد و متفق ہوئے تھے۔

کرنل عباسی نے معذرت کی "معافی چاہتے ہیں فریدہ! اِس وقت تو ہمیں جانا ہی پڑے گا۔!"

مصافحہ کرتے وقت کیپٹن صادق نے اسلم کا ہاتھ بڑے جوش سے اپنے ہاتھ میں تھام لیا "اُمید ہے تم میری بات سمجھ گئے ہو گے۔ ہمیں بھارتی

Marfat.com

تو پوں کو ہمیشہ کے لیئے خاموش کرنا ہے خواہ اِس میں پورا ایک ہزار سال ہی
کیوں نہ بیت جائے !"

"نہیں، کیپٹن نہیں !" اسلم نے اسے یقین دلایا ! "مدد کے ہوئے بھوکے
ہاتھی کو گرنے میں اب ہمیں ذرا دیر نہ لگے گی !"

اِدھر اسلم نے اپنے کمانڈر کو سبز باغوں میں الجھا رکھا تھا اور ان سے
صرف دو گز دور کرنل عباسی اشارے سے فریدہ کو سمجھا رہا تھا ! اب چند
روز کے لئے ٹرانزلیٹر کو کمرے سے ہٹا لو !"

Marfat.com

چھبیسواں باب

غازی

لال بہادر شاستری کو لال قلعے کی دیوار سے ٹیک لگائے اپنے ماتھے سے بَرّی اور فضائی ندامتوں کا پسینہ پونچھتے دیکھ کر بھارتی بحریہ کی رگ حمیّت پھڑکی۔!

بھارتی ایڈمرل یہ سوچنے میں حق بجانب تھا کہ اگر جنرل چودھری اور مارشل ارجن سنگھ کی ناکامیوں کی تلافی نہ کی گئی تو جوہری عہد کی دہلیز پر پہنچا ہوا آریاورت ایشیا میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے گا۔

اِس نے سردار ولبھ بھائی پٹیل کی جنم بھُومی، بمبئی کی بندرگاہ پر بھارتی بحریہ کے افسروں اور جوانوں سے خطاب کیا۔!

"مٹھی بھر پاکستانیوں نے ہمارے دونوں — برّی اور فضائی، مضبوط، لمبے بازوؤں کو کچھ اِس طرح توڑا ہے کہ امریکہ اور یورپ کے تجربہ کار جراح بھی انہیں جوڑنے سے معذور

Marfat.com

ہیں، اب بینتالیس کروڑ ہموطنوں سمیت بوڑھی بھارت ماتا
تمہیں حسرت بھری نظروں سے کھڑی تک رہی ہے۔ جے جیکار
کار کا نعرہ لگاتے آگے بڑھو اور دُنیا کو بتا دو کہ جاپانیوں کے
ہاتھ سے پرنس آف ویلز اور ری پلس کی تباہی، رمیڈن اور
گرافسپی کے کارنامے تمہاری شجاعت کے دیباچے کے
طور پہ تاریخ میں لکھے گئے۔

"یاد رکھو! جنم بھومی کی عزت پر بھینٹ چڑھنے والے
سورما امر ہو کر آنے والی نسلوں کے فخر کا سرمایہ بن جاتے ہیں۔
جب دیش کی کروڑوں میراں بائیاں، کرشن بھگوان آرتی پیش
کرتے وقت ایک ایک دِن میں سو سو بار تمہارا نام لیں گی تو راجہ
واہر سے رانا سانگا تک ہزاروں سوابر، سورگ کے دریچوں
سے جھک جھک کر سلام کریں گے!"

اس کے بعد پُرجوش ایڈمرل نے اُنہیں کچھ اور سوچنے کی مہلت نہ
دی اور سر بزانو بیٹھے ہوئے شاستری جی کو خوشخبری سنائی! "دوارکا کے انتقام
کی آگ نے بھارتی بحریہ کے جوانوں کو اتنا بے چین کر رکھا ہے کہ اب وہ سورج
کے ڈوبنے کا بھی انتظار نہیں کر سکتے اور کراچی پہ ایسا ہولناک طوفان بن کر
ٹوٹنے والے ہیں کہ کل صبح دنیا کے جغرافیہ نویس ایک دوسرے سے پوچھتے
پھریں گے! کراچی — بحیرۂ عرب کے کس کنارے پہ آباد تھی؟

شری شاستری اپنے سترہ روزہ بھیانک خواب سے چونکے "جنگ کے

Marfat.com

بعد یاد آنے والا یہ بھرپور وار اب تمہارے سورماؤں کو خود اپنے سر پہ کرنا چاہیئے!"

"کیوں مہاراج ؟"

"اِس لیئے کہ حفاظتی کونسل نے حکومتِ پاکستان کی تین نکاتی تجویز کو اقوام متحدہ کی قرارداد کے طور پر من وعن منظور کر لیا ہے۔ اِس کی رو سے آج ٹھیک بارہ بجے دوپہر، بھارت اور پاکستان کے تمام محاذوں پہ فائر بندی نافذ ہو جائے گی۔ متحارب لشکر ۵ اگست کی پوزیشنوں پر لوٹ جائیں گے اور سرحد پہ امن قائم ہوتے ہی کشمیر کی سترہ سالہ پیچیدہ گتھی کو سلجھانے کی آخری کوشش کا آغاز ہو گا۔"

"یہ تو بہت ہی اچھا ہوا مہاراج! اب حفاظتی کونسل کو بتا دیجیئے کہ اتنے تھوڑے سے وقت میں سینکڑوں میلوں پہ پھیلی ہوئی بھارتی فوجوں کو فائر بندی کے بروقت احکام سے خبردار کرنا آسان کام نہیں۔ صرف آج کی رات، مہاراج۔ ہم کل صبح سویرے فائر بندی کے اعلان کے ساتھ ساتھ دنیا والوں کو بتا دیں گے کہ بقول شری نہرو، ہاتھی اِتنے بڑے بھارت کو اُٹھتے اُٹھتے دیر جرور لگی، پر جب وہ اُٹھ بیٹھا ——!"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے!" شری شاستری نے اِس کی بات کاٹی "تم اسی وقت کراچی کا رُخ کرو۔ یہ یاد رکھو! اپنا مقصد پورا کرنے کے بعد گھر کو لوٹتے وقت ہمیں راستے ہی میں کوئی ایسی خبر ضرور سناتے جانا جسے سنتے ہی چین کی نیند آ جائے!"

Marfat.com

بحیرۂ عرب کی نیلگوں، نرم رو موجوں نے کراچی کے ساحل پہ لنگر انداز آبدوز "غازی" کو بڑے پیار سے جگایا! "وطن کی حفاظت کے لیئے معمول کے مطابق گشت پہ جانے کا وقت آگیا!"

غازی کے جواں سال، مہم جو کپتان نے خط ختم کر کے انگڑائی لی اور گھڑی کو دیکھا۔ لنگر اُٹھانے میں ابھی چند لمحے باقی تھے۔ اس نے خط بند کرنے سے پہلے اس پہ سرسری سی نظر ڈالی۔

"..... اور اب تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دل کی حسرتیں دِل ہی میں رہ جائیں گی۔ آج دوپہر سے کچھ پہلے ہی جب ہمیں معلوم ہُوا کہ بھارت نے فائر بندی میں توسیع کی درخواست کی ہے تو غازی کے پُر امید ملاحوں نے ایک دوسرے کو بڑے جوش سے مبارک باد دی۔ انہیں یقین تھا کہ رات کے پردے سے کچھ نہ کچھ ظاہر ہو کر رہے گا۔ لیکن اب تو جنگ کی آخری رات بھی فخرِ ہند کے شکتیمانوں اور ارجن سنگھ کے بگوں کی طرح آنکھیں چُراتی، بچتی، کتراتی، صبح کی طرف اُڑتی چلی جا رہی ہے۔

"غازی معمول کے مطابق ساحل کے حفاظتی گشت پہ جانے کے لیئے مجھے سوالیہ نظروں سے گھور رہا ہے۔ دُعا کیجئے، اور نہیں، صرف ایک ہی ایسی موٹی تازی ویل ہاتھ لگ جائے جسے شکار کرنے کے بعد میرے بحری عقاب بھی بابر کے عملے سے کہہ سکیں! تم لاکھ خوش نصیب سہی، تھوڑی بہت داد تو ہمیں بھی ملنی

ہی چاہیئے۔!"

اِس نے خط کو بند کر کے میز کے پرے کونے کی طرف کھسکانے کے بعد غازی کو لنگر اُٹھانے کا اشارہ دیا اور ٹوپی سر پر رکھتا، غازیوں کو ضروری ہدایات دینے اور آبدوز کے معائینے کی خاطر کیبن سے باہر نکل گیا۔

بین الاقوامی "پانیوں" میں داخل ہونے کے باوجود غازی اِس وقت تک سطح پر تیر رہا تھا۔ "کاننگ ٹاور" پر کسٹہرے کے سہارے خاموش کھڑے ہوئے کپتان کی نظریں اِن چٹانوں پر جمی تھیں جن کا پاک بحریہ کے افسروں اور ملاحوں نے "ڈیسل کے بحری قزاقوں کا مرگھٹ" نام رکھا تھا۔

اِن قزاقوں کی یاد آتے ہی اسلامی تاریخ کے سینکڑوں واقعات شاہانہ جلوسوں کی طرح قطار اندر قطار اِس کے شعور کی شاہراہوں پہ گزرنے لگے۔ اِن میں حجاز کے جواں سال سپہ سالار محمد بن قاسم کے جلوس کی شان و شوکت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ لنکا سے جدّہ کو جانے والے حاجیوں کے وہ جہاز، جن پر ڈیسل کے قزاقوں نے شبخوں مارا تھا، سب سے آگے تھے اور پہلے جہاز کے حاشیئے پر کھڑی ہوئی دوشیزہ اِن کی رہبری کر رہی تھی ـــــ اِسلامی عظمت کے ایک نئے، سنہرے دور کی نقیب ـــــ اِس خوش نصیب دوشیزہ کی صرف ایک چیخ نے بت پرست برّصغیر کی تاریخ کا رُخ ہی بدل ڈالا تھا۔

پھر غازی کا کپتان بیداری کے اِس نشاط انگیز خواب کے معاً چونکا۔ ایک جہاز، دُور ـــــ افقی خط پر مشرق کی طرف سرکتا چلا جا رہا تھا۔ بھوکے بھارت کو اناج ڈھونے والے ایسے کئی جہاز "گیہواں پردہ"۔

Marfat.com

اوڑھے جنگ کے دوران بمبئی کو آتے جاتے اکثر ہمارے بحری عقابوں کے ہاتھ لگ جاتے ۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلے چند روز سے بھارتی بحریہ کا جنگی بیڑا اس "ضروری جنس" کو حفاظت کے ساتھ بندرگاہ تک پہنچانے کے لیئے اِن کے اردگرد منڈلانے لگا تھا۔

کیبن کی طرف لپکنے والے کپتان نے غازی کے عملے کو حکم دیا! "نیچے، نیچے ۔ قزاقوں کے مرگھٹ کی طرف۔!"

غازی کے ڈر سے پناہِ گاہ بمبئی کی طرف بھاگنے والے تجارتی جہاز کے خوفزدہ یورپی کپتان نے اپنے محافظوں کو دیکھتے ہی اطمینان کا سانس لیا اور تباہ کن جہازوں، کروزروں اور فریگیٹوں پر مشتمل بھارتی بیڑے کے کمانڈر سے کہا! پاکستان کی صرف ایک آبدوز ۔۔۔!" اِس نے خوشی سے جھوم کر چٹانوں کی طرف اشارہ کیا! "تمہاری خوش قسمتی سے وہ جان بوجھ کر قزاقوں کے مرگھٹ میں محصور ہوگئی ۔ دیکھو، دیکھو! اِس کے تینوں طرف چٹانیں سینہ تانے کھڑی ہیں۔ اِس کی نجات کے چوتھے راستے کو تم اپنی فولادی دیوار سے بند کر دو۔ اِس کے بعد صرف ایک ڈیڑھ چار جبر!"

غازی کے کپتان نے حالات کے مدوجزر کا جائزہ لینے کے لیئے "پیری سکوپ"، نیچے سرکایا ہی تھا کہ بھارتی تباہ کن جہاز سے چھوٹنے والے ڈیڑھ چار جبروں سے "قزاقوں کے مرگھٹ پر زلزلہ طاری ہوگیا ۔ محسوس ہوتا تھا" بحیرہ عرب کی تہ میں صدیوں سے خوابیدہ آتش فشاں ایک ساتھ پھٹ پڑے ہوں۔

Marfat.com

خطرہ پسند پاکستانی کپتان نے دیکھا، تین طرف چٹانیں اور چوتھی طرف دشمن کروزروں کی فولادی دیوار کھڑی ہو رہی تھی۔ پہلا جہاز ڈیڑھ چار جبر پھینکنے کے بعد آگے کو سرک رہا تھا اور دوسرا جہاز ایک خاص زاویے سے موڑ کاٹتا، اس شگاف کے عین سامنے پھیلتا چلا جا رہا تھا جو غازی کی نجات کا واحد راستہ تھا اور اس کے پیچھے اور ـــ کئی اور جہاز!

غازی کے کپتان نے فراواں شکار کی خوشی کے نشے میں سرشار غازیوں کو جھنجھوڑا! "اتنی ساری موٹی تازی مچھلیاں کسی ایک خوش نصیب شکاری کے حصے میں آج تک کبھی نہیں آئیں۔ یوں دم بخود کھڑے کیا دیکھ رہے ہو، انہیں ہمت اور حوصلے سے شکار کرو!"

اور اس کے ساتھ ہی اکیلے غازی کی کڑی کمان سے بیک وقت مختلف زاویوں کو سنسناتے، بھڑکتے ہوئے تیروں ـــ تارپیڈوؤں ـ نے بحیرۂ عرب کو ایسا "ہیٹ ٹرک" دکھایا جو بحرِ ہند کی پانچ ہزار سالہ تاریخ کا عنوان بن گیا ـــ ایک تارپیڈو برہم تپر کے سینے کو چھیدتا پار نکل گیا۔ اپنے ہی اٹھائے ہوئے طوفان آہستہ آہستہ غرق ہونے والے بھارتی فریگیٹ سے لپکتے ہوئے شعلے آسمان کی طرف اٹھ رہے تھے اور اس کا بدحواسی کے عالم میں چیختا، چلاتا ہوا عملہ ـــ افسر اور جوان ـــ اپنی جان بچانے کے لیے بحیرۂ عرب کی نیلگوں گود میں گر رہا تھا۔

غازی نے اس شعلہ بداماں فولادی حصار سے نکلتے ہی موت کے منہ پر بھرپور قہقہہ لگایا اور کراچی کے بجائے بمبئی کا رُخ کیا۔ اسے یہ معلوم

Marfat.com

ہی نہ تھا کہ وہ اِس بھارتی بیڑے سے آنکھ مچولی کھیل رہا ہے جو بّری اور فضائی ہنرمندوں کی تلاش کے لیئے کراچی کو، بزعمِ خود، صفحۂ ہستی سے مٹانے نکلا تھا۔

غازی کے کپتان نے تو یہ سوچ کر بمبئی کا رُخ کیا کہ کہیں اِس کا تعاقب کرنے والا بیڑا بحیرۂ عرب کی لہروں کے خوابِ راحت میں خلل نہ ڈالے — ممکن ہے، اس کے شعور کے کسی نچلے، گہرے کونے میں یہ خیال بھی موجود ہو کہ بحیرۂ عرب کی بجائے بحرِ ہند کی گود میں ابدی نیند سو جانا نہ صرف اس کے پسماندگان بلکہ پوری قوم کی عزت و افتخار کا سرمایہ بن جائے گا۔

اِس کے برعکس بھارتی بیڑے کے کمانڈر کا خیال کچھ اور تھا۔ فرگیٹ کی غرقابی نے اِن سُورماؤں کے حوصلے پست کر دیئے تھے جو چند لمحے پہلے دا ہر سے رانا سانگا تک آریاورت کے تمام مہاراجوں کا عقیدت بھرا سلام وصول کرنے کے لیئے کراچی کو بڑے دھوم دھڑکے سے روانہ ہوئے تھے۔

اپنے راستوں کی نشان دہی کرتا ہوا غازی اِن کے آگے رواں دواں تھا اور بھارتی بیڑا پیچھے ڈیڑھ چار جبروں کے چابک چمکاتا اور اس سے دامن بچاتا ناک کی سیدھ گھر کو بھاگا چلا جا رہا تھا۔

فرگیٹ کی غرقابی کے بعد کراچی سے ناکام لوٹنے والے بیڑے کی خبر سنتے ہی شاستری جی پر انحلاج کا ایسا دورہ پڑا جو فائر بندی کے نفاذ کی خوشخبری سے بھی رفع نہ ہوا۔

Marfat.com

ستائیسواں باب

سیز فائیر ہا

۲۲ ستمبر کے روز پچھلے پہر ہی سے چھانے والے سناٹے رات کی تاریکیوں میں ڈوبتے اور اپنے دامن میں ہیبتیں سمیٹتے ابھرتے چلے آئے۔

فریدہ حسب معمول خاموش بیٹھی سوچ رہی تھی! دیکھیں۔ ٹرانزیسٹر کے ہٹ جانے کی خبر سے کیپٹن صادق کس طرح ہم آہنگ ہوتا ہے اور اضطراب کے ساتھ کش پہ کش لگاتے وقت کیپٹن صادق فریدہ کی خاموشی پہ غور کر رہا تھا۔ اس کے یوں اچانک خاموش ہو جانے پر وہ ہمیشہ طرح طرح کے وہموں کے کھاتا چلا آیا۔

وہ ایک ایک پل میں سو سو بار اپنے آپ سے پوچھتا! صادق! تمہارا مستقبل تو تاریک ہو چکا۔ اب تم اسے کس منزل پہ لے جاؤ گے؟ فریدہ ان بہکے، بھٹکے، سرکش خیالوں کی آواز سنتے ہی کیپٹن صادق کی سوچ میں شامل ہو جاتی۔ دنیا ان دونوں کرداروں کی جدا جدا شخصیتوں کے اثبات پر کتنا ہی

Marfat.com

زور مارے، اب اِن کی خوشیاں اور غم، اُمیدیں اور اندیشے مشترک تھے۔
اور فریدہ نے جب کبھی کیپٹن صادق کی جگہ لے کر اپنی کائنات پر نگاہ ڈالی،
اس کے دِل سے ہر بار یہ بلا آواز آئی، تم لاکھ جتن کرو، قوم پرست سپاہی
کا کردار نبھانا تمہارے بس کی بات نہیں!

بے شک! صادق کے جذبات و احساسات اسی کے ذاتی جذبات
و احساسات تھے۔ پچھلے سولہ روز سے مسلسل لڑی جانے والی جنگ
ایک خوش فہم، خود فریب مجاہد کی اُمید کے تارے کی طرح اچانک بھڑک
اُٹھی تھی۔ اِس نے وطن کے پہلے جہاد سے ایک ایسا نصب العین
منسوب کیا جسے پورا کرنے کے لیئے اس کے قدم بھُول کر بھی پیچھے
نہ ہٹے، آج وہی جنگ خلافِ معمول اکھڑے اکھڑے، بے ترتیب
لمبے سانس بھرتی بڑی عاجزی سے اپنی موت کا انتظار کر رہی تھی۔

یہ تاریخِ عالم کی پہلی جنگ تھی جو ایشیا کے اُفق پر ایک بہت
بڑے سوالیہ نشان کی طرح اُبھری اور کیپٹن صادق کے ذہن پر شہیداں کے
سینے سے لپٹے ہوئے معصوم بچّے کی تصویر ثبت کرتی ڈوب گئی۔ اِس
خاتون کا خون اور دودھ خشک ہو چکا تھا اور دودھ پیتے بچے کے پھُول سے
رُخساروں پر آنسوؤں کے داغ لپ چھپ رہے تھے! ہماری مائیں ہم سے کب
تک چھنتی رہیں گی۔؟

اپنے مستقبل کی تاریکیوں سے تو وہ ہم آہنگ ہو ہی چکا تھا۔ لیکن
ایک فریدہ نہیں، اُن سینکڑوں فریداؤں کا کیا ہوگا۔ جن کے ارمان عین جوانی

Marfat.com

میں دَم توڑ چکے تھے۔ روح کی گہرائیوں میں رکھنے والے درد دِل و جگر میں سلگتی ہوئی چنگاریاں، شعور سے تحت الشعور تک مسلسل ٹیسیں اور نیم کش تیروں جیسی لازوال کسکیں.....!

فریدہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ کیپٹن صادق کو دیکھا اور اس کی توجہ کا رُخ موڑنے کے خیال سے بڑبڑائی! "بیسویں صدی کی جنگ کسی طرح قیامت سے کم نہیں۔"

کیپٹن صادق نے برملا جواب دیا! "اِس میں بیسویں صدی کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہابیل اور قابیل ہی سے جنگ کے منحوس پنجے پوری دُنیا کے سامنے آ گئے تھے۔!"

فریدہ اِس کے چہرے سے نظریں بچاتی دریچے کے پار جھانکنے لگی۔ وہ رُک رُک کر کہہ رہی تھی! "پنجے، جبڑے اور سینگ کی نوک پر زندگی گزارنا درندوں کا کام ہے کیپٹن۔ انسان کو اپنے تنازعے چکاتے وقت انسانیت کا ثبوت دینا ہی پڑے گا!"

کیپٹن صادق ایک بے چین، لمبے کش کی آڑ میں فریدہ کی بات کو خاموش پیتا سوچتا رہا اور قدرے توقف کے بعد بولا! "فرض کرو فری، میں نہیں مانتا۔ پھر کیا کرو گی؟"

"آپ بتائیں، مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

"اگر تم اپنے آپ کو حق پر سمجھتی ہو تو حق دینے کی بجائے جان دے دینا شرافت کی نشانی ہے۔"

Marfat.com

فریدہ کی نظریں صادق کے چہرے پر جم گئیں! "اگر ساری دُنیا یک زبان ہو کر آپ کو یقین دلائے! گھبرانے کی کوئی بات نہیں، ہم آپ کے جھگڑے کا کوئی باعزت حل ڈھونڈھ نکالیں گے۔ پھر آپ کیا کریں گے؟"

کیپٹن صادق بیتابی سے بولا! "تم کہیں سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم کے اس سیز فائیر کا حوالہ تو نہیں دے رہیں، جس پر کرنل عباسی نے پسپائی کا پردہ ڈالا تھا۔!"

"میں کچھ نہیں جانتی، لیکن چلئے لمحے بھر کو اسی سیز فائیر کے سیاق وسباق پر غور کریں۔"

کیپٹن صادق بچے کی طرح مسکرایا! "پھر تو ہم پورے سترہ سال پیچھے اپنی اس جگہ پر ہوں گے جہاں پنڈت نہرو ہمیں بٹھا گئے تھے!"

وہ سچ کہہ رہا تھا۔ فریدہ نے بڑے عجز وخلوص کے ساتھ ہتھیار ڈال دیئے اور ایک طویل، ٹھنڈی آہ بھری! "کیپٹن! خدا کی اسی دُنیا میں ایسی زبردست سلطنتیں بھی موجود ہیں جنہوں نے روئے زمین کے مسائل کو اپنے جبۂ اقتدار سے ڈھانپ رکھا ہے۔"

"اور کتنے مزے کی بات ہے کہ پوری دُنیا انہیں اچھی طرح جانتی پہچانتی ہے۔ اُنہوں نے امن کے نام پر ہیروشیما کے چار لاکھ مظلوم شہریوں مردوں، عورتوں اور بچوں کو ایٹم بم کی بھٹی میں جھونکا۔ پھر نورمبرگ میں عدالتیں لگائیں اور دوسری جنگِ عظیم کے ذمہ دار جرمن سربراہوں کو بازاروں میں سولیوں پر لٹکایا۔" کیپٹن صادق کے ہونٹوں پر سگریٹ کی

Marfat.com

تڑپتی ہوئی طلب محسوس کرتے ہی فریدہ نے سگریٹ سلگا کر اِن ہونٹوں میں اٹکایا اور کیپٹن صادق نے بڑی فیاضی سے اس کا شکریہ ادا کیا! آج تاریخ انہیں ایک بار پھر دیت نام سے آواز دے رہی ہے! مظلوموں سے انصاف کی گھڑی سر پر آگئی۔ اب عدالتیں ایشیا میں لگیں گی اور مجرموں کی عدم موجودگی میں سزائیں سنائی جائیں گی"۔ کیپٹن صادق کی آواز دلفریب خواہش بن کر اس کے ہونٹوں پہ لرز اُٹھی اور وہ اسے بہلانے کی خاطر سگریٹ پینے لگا۔

فریدہ مسکرائی، غم میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ۔ پھر ذرا دیر بعد کیپٹن صادق چند مانوس سی سرسراہٹیں پہچانتے ہی بولا! "اب کہاں؟"۔

"آپ ہر روز بھول جاتے ہیں، میں نرس ہوں۔ آج میری ڈیوٹی ہے!"

"اچھا — تو پھر ٹرانزسٹر آف کرتی جاؤ"۔

فریدہ کی نظریں خالی تپائی سے پھسلتی صادق کے چہرے پہ گڑ گئیں اور وہ بیتابی سے بولی! "میں ابھی آئی!"

"تمہارا آنا —!" آہ پیتے وقت کیپٹن صادق معاً خاموش ہو گیا۔ پھر ذرا وقفے کے بعد بولا! "آج یہ ٹرانزسٹر اتنی دیر کیوں لگا رہا ہے؟"

فریدہ ہکلائی! "خراب ہو گیا تھا۔ مرمت کے لیے بھیجا ہے"۔

"فری! تم بار بار یہ کیوں سننا چاہتی ہو کہ مجھے خاموشیوں سے خوف آتا ہے!"

"گھبرائیے نہیں"۔ فریدہ دروازے کی طرف لپکی! "میں ابھی کسی اور سیٹ کا انتظام کرتی ہوں"۔

Marfat.com

وہ ڈیوٹی کی آڑ میں کیپٹن صادق کے سوالیہ نشان بنے ہوئے ہونٹوں سے خوش اسلوبی کے ساتھ رات بھر دامن بچاتی چلی گئی۔

لیکن صبحدم سپاہی کی بتیابیاں باتوں سے نکل گئیں اور فریدہ نے اندر پاؤں رکھا ہی تھا کہ کیپٹن صادق نے ٹیلی فون کی طرف اشارہ کیا! "ذرا اسلم سے ملانا"

فریدہ کو اپنی مسکراہٹ، اطمینان سے لبریز مسکراہٹ روکنی مشکل ہوگئی۔ جہاں تک کمانڈر کا تعلق ہے، اس کے ساتھ اسلم کی باتیں فریدہ کی باتوں سے بھی بے ضرر تھیں۔ وہ سوچنے لگی! دونوں ساتھیوں کو باتیں کرنے کا موقع ملنا چاہیئے۔ پھر ذرا دیر بعد اس نے ٹیلی فون ملاتے ہی رسیور کیپٹن صادق کے حوالے کر دیا۔ ادھر سے اسلم اپنا اور اپنی یونٹ کا خفیہ نام بتا رہا تھا۔

صادق نے کہا! "السلام علیکم مسٹر سیکنڈ لیفٹیننٹ۔ سناؤ! آن ہمارے دیس پر کیسی صبح طلوع ہو رہی ہے!"

اسلم کی آواز سے یوں لگتا تھا جیسے وہ رات بھر بولنے کی مشق کرتا رہا ہو۔

"کیپٹن! آج نہیں تو کل یا پرسوں جو بات آپ کو معلوم ہوگی وہ اس وقت ہو جائے تو کیا حرج ہے!"

"بالکل کوئی حرج نہیں!" کیپٹن صادق نے اسے یقین دلایا۔

اسلم کی آواز بڑے وقفے کے بعد سنائی دی! "سیز فائر ——!"

"نہیں، نہیں، کبھی نہیں!" کیپٹن صادق اس زور سے چیخا کہ فریدہ بدحواس ہو کر اس سے لپٹ گئی۔ وہ پکارے چلا جا رہا تھا! "ایک ہزار سال تک لڑنے والی قوم اور اس کے سبز پوش مددگار کہاں ہیں؟"

Marfat.com

"یہ اسی تاریخ کی فرسودہ روایتیں ہیں کیپٹن جس نے زمانے کے بوجھ سے بے بس ہو کر کروٹ بدلی اور پھر سے سو گئی۔"

کیپٹن صادق نے اضطراب کے ساتھ رسیور کان سے دُور ہٹا لیا۔ اسلم ٹیلی فون بند کر کے جا چکا تھا۔ فریدہ نے آگے بڑھ کر رسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اسے ٹیلی فون پر رکھتے وقت خیالوں میں ڈوبی ہوئی فریدہ کو کیپٹن صادق کی آواز سنائی دی، جیسے وہ اپنے آپ سے کہہ رہا ہو۔! شہیدوں کی یاد میں شمعیں جلانے کا وقت نہیں ہوا؟"

"اتنی جلدی!" فریدہ نے پلٹ کر اسے دیکھا! "ابھی تو دِن کی آنکھ بھی نہیں کھُلی۔"

"دِن ہو یا رات، اب میرے لیئے کسی میں کوئی کشش نہیں اور اِس سے پہلے کہ لوگ ہمیں بھُول جائیں، آؤ، شہیدوں کی یاد میں شمعیں جلائیں!"

فریدہ نے فوراً تعمیل کی۔ وہ چند لمحے خاموش بیٹھا دیا سلائیاں جلانے کی آوازیں گنتا رہا پھر تڑپ کر بولا! "کِس کِس نام کی جلاؤ گی۔ اتنی شمعیں کہاں سے لاؤ گی!"

شمعیں جلانے سے فارغ ہوتے ہی فریدہ نے اِس کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ وہ رُک رُک کہہ رہا تھا! "فریدہ! دریچے اور دروازے کھولو اور پردے لپیٹ دو۔ روشنی کے پیاسے پروانے بہت آگے نکل گئے۔ اَب ان کرنوں کو اِن کی تلاش میں بھٹکنے دو!"

فریدہ پردے لپیٹنے کے بعد دریچے میں کھڑی ہو کر پروانوں کی تلاش میں بھٹکنے والی کرنوں کا نظروں سے تعاقب کرنے لگی۔ بقول سیکنڈ لیفٹیننٹ اسلم ۲۳ ستمبر کی بے چین، کہر آلود، دھندلی صبح طلوع ہو رہی تھی۔

پروانوں کی تلاش میں سرگرداں روشنی کی کرنیں اندھیروں میں ڈوب چکی تھیں لیکن کیپٹن صادق کی چیخ گنبد کی صدا بن کر فائیر بندی سے پیدا ہونے والے سناٹے میں بدستور گونج رہی تھی۔

○

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

پاکستان کا سٹالن گراڈ

ایک تاریخ ——— ایک ناول

محمد سعید

مقبول اکیڈمی

ادبی مارکیٹ — چوک انارکلی — لاہور

Marfat.com